توحید اور شرک کی حقیقت
مؤلف
مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری
مکتبہ عمر فاروق
اردو بازار، لاہور

توحید اور شرک

کی

حقیقت

مولانا سیّد نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

عمر فاروق پبلشرز

۴۰۔ اردو بازار۔ لاہور

توحید اور شرک کی حقیقت

مؤلف .... سید نور الحسن شاہ بخاریؒ

صفحات 408

ناشر .... عمر فاروق پبلشرز

قیمت .... /— روپے

طبع .... گنج شکر پرنٹرز

اشاعتِ اوّل .... اگست 2005ء

ملنے کے پتے

- مکتبہ خلیل یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ۔ راولپنڈی
- مکتبہ الخیر زبیدہ سنٹر اُردو بازار لاہور
- والی کتاب گھر اُردو بازار گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاح

(۱)

کفر و ایمان کا دار و مدار عقیدہ پر ہے اور عقیدہ کا مأخذ ہے، کتاب وسنت!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی!

اللہ رب العزت کا بے حد و بے شمار شکر ہے جس نے محض اپنے بے پایاں فضل وکرم سے اپنے ایک نہایت عاجز وحقیر بندے کو اپنی توحید کی خدمت کی توفیق بخشی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا.

توحید دین اسلام کی اصل و اساس ہے۔توحید پر ہماری دونوں جہاں کی فوز وفلاح کا دارومدار ہے۔توحید ہماری نجاتِ آخرت کی ضمانت ہے،عقیدۂ توحید کی صحت کے بغیر انسان عذابِ جہنم سے نہیں بچ سکتا، اللہ کی رحمت اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق نہیں ہوسکتا، اور جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

توحید تو تمام عقائد کی جڑ ہے، اصل الاصول ہے، اس کا مقام تو بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ عظمتِ قدر ورفعتِ شان سے قطع نظر مطلق عقیدہ کی اہمیت ملاحظہ ہو۔

عقیدہ کی اہمیت: عقائد پر کفر وایمان اور آخرت کی نجات و عذاب کا مدار ہے اور عقائد ہی اصلِ دین و ایمان ہیں، بلکہ ایمان کہتے ہی عقائد و تصورات کو ہیں، اعمالِ صالحہ کو عموماً اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔آخرت کی نجات اور فوز وفلاح ایمان پر منحصر ہے نہ کہ اعمال پر۔

اعمالِ صالحہ دین کی فرع ہیں، اصلِ دین واساسِ اسلام عقائد ہیں۔درخت کی بقاء فروع سے نہیں اصول سے ہے۔شاخوں اور پتوں سے درخت قائم نہیں رہتا، درخت اگر قائم رہتا ہے تو جڑوں سے۔خود شاخوں، ٹہنیوں اور برگ وبار کی سرسبزی وتری جڑوں سے ہے۔جڑیں کاٹ

دی جائیں تو سارے کا سارا درخت گر جائے گا اور ایک بھی پتا سرسبز و شاداب نہیں رہے گا۔ جیسے دل و دماغ انسان کی اصل ہے اور ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، کان، زبان فروع ہیں۔ ہاتھ کٹ جائے، آنکھ بے نور ہو جائے، کان بہرے ہو جائیں یا زبان گنگ ہو تو انسان مر نہیں جاتا زندہ رہتا ہے۔ لیکن اگر دل فیل ہو جائے تو فوراً مر جاتا ہے۔ اب زندگی کی کوئی صورت نہیں، زندگی نام ہی دل کی حرکت کا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

خود آنکھ کا نور، زبان کا نطق، کان کا سماع، ہاتھ کی گرفت اور پاؤں کی رفتار یہ سب دل ہی کی حرکت و حرارت کا کرشمہ و ثمرہ ہے۔ اگر دل کی دھڑکن بند ہو جائے تو نہ آنکھ میں نور رہے نہ زبان میں گویائی، نہ کان سن سکیں، نہ ہاتھوں میں قوتِ گرفت اور پاؤں میں طاقتِ رفتار رہے۔ معلوم ہوا تمام اعضاء کی زندگی اور موت دل و دماغ کی زندگی سے عبارت ہے۔ ایک دل ختم، ہر شے خود بخود ختم! زندگی ختم!۔

دل گیا رونقِ حیات گئی　　　　تم گئے ساری کائنات گئی

جس طرح دل انسان کی اصل ہے اور ہاتھ پاؤں وغیرہ فرع، اسی طرح دین کی اصل عقائد ہیں، اور اعمالِ صالحہ فرع۔ اعمالِ صالحہ کا صدور و ارتکاب خود صحیح عقائد کا نتیجہ و کرشمہ ہے۔ اگر عقیدہ صحیح نہ ہو تو تقویٰ و طہارت اور عملِ صالح کا دُور دُور تک پتہ نہیں چلتا، نام و نشاں تک نہیں ملتا۔

اعمال و کردار کی صحت و سلامتی اور دین کی درستی و راستی کا دارومدار عقائد و ایمان پر ہے۔ عقائد ہی اصل دین و اساسِ ایمان ہیں۔

عقیدہ کا ماخذ: اِدھر تعلیماتِ دین کی اصل و اساس کتاب و سنت ہے، لہٰذا بمصداق ''الاصل بالاصل'' عقیدہ کتاب اللہ اور سنتِ متواترہ سے ثابت ہو گا۔ یہ آیاتِ محکمات سے ماخوذ ہو گا، یا احادیثِ صریحہ متواترہ سے۔ خبرِ واحد (حدیث) گو صحیح ہو، اِثباتِ عقیدہ کے لیے کافی نہیں۔ حدیث صحیح سے عمل تو ثابت ہو سکتا ہے، عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ شرح عقائد وغیرہ عقائد کی مشہور کتابوں میں ہے کہ خبرِ واحد سے صرف ظن کا فائدہ ہو سکتا ہے، علمِ یقینی فقط حدیث متواتر سے حاصل ہوتا ہے۔

افادة خبر الرسول للعلم الیقینی اِنّما یکون فی المتواتر فقط و امّا اذا کانَ منقولًا بالأحادِ فلا یفید اِلّا الظنّ کمّا تقرر فی اصولِ الفقه۔[1]

علم یقینی کا فائدہ فقط وہی حدیثِ رسول دے سکتی ہے جو متواتر ہو۔ رہی خبرِ واحد سو وہ صرف مفید ظن ہو سکتی ہے جیسا کہ اصولِ فقہ سے ثابت ہے۔

خبر واحد مفید للظن ہے، اس سے یقینی اور قطعی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ پرہارویؒ رقمطراز ہیں:

و معرفة العقائد عن اَدِلّتها.... وقید الجمهور الادلّة بالقطعیة لِاَنَّ اتّباع الظن فی العقائد مَذْمُوْمٌ۔[2]

جن دلائل سے عقائد ثابت ہوتے ہیں، جمہور نے قید لگا دی ہے کہ وہ دلائل قطعیات سے ہوں (کتاب اللہ یا احادیث متواترہ سے، نہ کہ خبر واحد سے جو مفیدِ ظن ہے) کیونکہ عقائد کے بارے میں ظن کا اعتبار و اتباع مذموم ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الاحادیثُ اذا کانت فی مسائل عملیة یکفی فی الاخذ بها بعد صحتها لافادتها الظن اما اذا کانت فی العقائد فلا یکفی فیها اِلّا ما یُفیدُ القطع.[3]

اعمال کے بارے میں احادیث صحیحہ سے استدلال کافی ہے کیونکہ صحیح احادیث ظن کا فائدہ دیتی ہیں، لیکن عقائد کے بارے میں صرف وہی احادیث کافی ہوں گی جو قطعیت کا فائدہ دیں۔

شیخ الاسلام علامہ محی الدین نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

فالذی علیه جماهیر المسلمین مِنَ الصحابة و التابعین فمن بعدهم من المحدثین و الفقهاء و اصحاب الاصول[4] اَنَّ خبر الواحد الثقة حُجَّةٌ مِنْ حججَ الشرع یَلْزَمُ العمل بها ویُفِیْدُ الظنّ و لا یُفید العِلْمَ.... وَ

---

[1] شرح لشرح العقائد (نبراس) ص ۸۷۔ [2] "نبراس" شرح لشرح العقائد ص ۲۲۔

[3] "فتح الباری" جلد ۸ ص ۲۳۱۔ [4] اصول شاشی سے لے کر توضیح تلویح تک اصول فقہ نیز اصول حدیث کی کتابوں میں یہی بیان ہے کہ خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے۔

اَمَّا مَنْ قَالَ یُوْجِبُ الْعِلْمَ فَھُوَ مُکَابِر للحس.[1]

حضرات صحابہ وتابعین اور ان کے بعد محدثین وفقہا اور اصولیوں جمہور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے جس سے عمل واجب ہوتا ہے اور یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے، علم (یقینی) کا فائدہ نہیں دیتی، (لہٰذا اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا) جس نے یہ کہا کہ اس سے علم وعقیدہ واجب ہوتا ہے وہ ظاہر حقیقت کا مخالف ومنکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ کتابُ اللہ سے ماخوذ ہونا لازم ہے، یا پھر احادیث متواترہ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت کے ساتھ تعلیم دی ہو، بارہا تاکید فرمائی ہو اور ساری عمر اس کی تبلیغ فرماتے رہے ہوں۔

پھر آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد حضرات تابعین و تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ یعنی جمہور امت کا اس پر اتفاق واجماع ہو۔

مگر آہ! کہاں عقائد میں خبر واحد کا اتباع مذموم اور خبر واحد سے عقیدہ ثابت کرنے کا مدعی ظاہر حقیقت اور امر محسوس کا مکابر ومنکر، اور کہاں آج خبر واحد، حدیث صحیح تو بجائے خود، ضعیف حدیث بھی کجا! موضوع روایات سے بلکہ قصوں کہانیوں، گیتوں، گانوں، ڈوہڑوں، کافیوں اور خوابوں خیالوں تک سے عقیدے ثابت کیے جاتے ہیں اور خرافات سے حقائق کا منہ چڑایا جاتا ہے، اقبالؒ نے سچ کہا ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

ہماری اس کتاب ''توحید اور شرک کی حقیقت'' کا موضوع عقیدہ وایمان ہے۔ توحید دین حنیف کی اصل ہے، ''اصل الاصول'' ہے، اس لیے ہمارا ماٴخذ ومستدل کتاب اللہ ہوگی۔ ہمارا اوّلین استدلال قرآنِ پاک سے ہوگا۔ بعدہٗ احادیثِ صحیحہ مشہورہ سے۔ گویا ہمارا اصل ماٴخذ قرآن کریم ہوگا۔ پھر احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تمسک کیا جائے گا۔ کہیں کہیں کتاب وسنت کے بعد اقوال سلف صالحین ارشادات صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہ رحمہم اللہ بھی بطور تائید پیش کیے جائیں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ.

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۲

افادة خبر الرسول للعلم اليقيني اِنّما يكون في المتواتر فقط و امّا اذا كانَ منقولًا بالآحادِ فلا يفيد اِلّا الظنّ كمّا تقرر في اصولِ الفقه۔[1]

علم یقینی کا فائدہ فقط وہی حدیثِ رسول دے سکتی ہے جو متواتر ہو۔ رہی خبرِ واحد سو وہ صرف مفید ظن ہو سکتی ہے جیسا کہ اصولِ فقہ سے ثابت ہے۔

خبر واحد مفید للظن ہے، اس سے یقینی اور قطعی علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے اس سے عقیدہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ پرہارویؒ رقمطراز ہیں:

ومعرفة العقائد عن اَدِلّتها.... وقيد الجمهور الادلّة بالقطعية لِاَنَّ اتّباع الظن في العقائد مَذْمُوْمٌ۔[2]

جن دلائل سے عقائد ثابت ہوتے ہیں، جمہور نے قید لگا دی ہے کہ وہ دلائل قطعیات سے ہوں (کتاب اللہ یا احادیث متواترہ سے، نہ کہ خبر واحد سے جو مفید ظن ہے) کیونکہ عقائد کے بارے میں ظن کا اعتبار و اتباع مذموم ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الاحاديثُ اذا كانت في مسائل عملية يكفي في الاخذ بها بعد صحتها لافادتها الظن اما اذا كانت في العقائد فلا يكفي فيها اِلّا ما يُفيدُ القطع.[3]

اعمال کے بارے میں احادیث صحیحہ سے استدلال کافی ہے کیونکہ صحیح احادیث ظن کا فائدہ دیتی ہیں، لیکن عقائد کے بارے میں صرف وہی احادیث کافی ہوں گی جو قطعیت کا فائدہ دیں۔

شیخ الاسلام علامہ محی الدین نوویؒ (المتوفی ۶۷۷ھ) شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

فالذي عليه جماهير المسلمين مِنَ الصحابة والتابعين فمن بعدهم من المحدثين والفقهاء واصحاب الاصول[4] اَنّ خبر الواحد الثقة حُجَّةٌ مِنْ حججَ الشرع يَلْزَمُ العمل بها ويُفِيْدُ الظنّ ولا يُفيد الْعِلْمَ.... وَ

---

[1] شرح الشرح العقائد (نبراس) ص ۸۷۔ [2] "نبراس" شرح الشرح العقائد ص ۲۴۔

[3] "فتح الباری" جلد ۸ ص ۳۳۱۔ [4] اصول شاشی سے لے کر توضیح تلویح تک اصول فقہ نیز اصول حدیث کی کتابوں میں یہی بیان ہے کہ خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے۔

اَمَّا مَنْ قَالَ یُوْجِبُ الْعِلْمَ فَهُوَ مُکَابِر للحس۔[1]

حضرات صحابہ وتابعین اوران کے بعد محدثین وفقہا اور اصولیوں جمہور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح شرعی دلائل میں سے ایک دلیل ہے جس سے عمل واجب ہوتا ہے اور یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے، علم (یقینی) کا فائدہ نہیں دیتی، (لہٰذا اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا) جس نے یہ کہا کہ اس سے علم (وعقیدہ) واجب ہوتا ہے وہ ظاہر حقیقت کا مخالف ومنکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ کتاب اللہ سے مأخوذ ہونا لازم ہے، یا پھر احادیث متواترہ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت کے ساتھ تعلیم دی ہو، بار ہا تاکید فرمائی ہو اور ساری عمر اس کی تبلیغ فرماتے رہے ہوں۔

پھر آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد حضرات تابعین وتبع تابعین اور آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ یعنی جمہور امت کا اس پر اتفاق واجماع ہو۔

مگر آہ! کہاں عقائد میں خبر واحد کا اتباع مذموم اور خبر واحد سے عقیدہ ثابت کرنے کا مدعی ظاہر حقیقت اور امر محسوس کا مکابر ومنکر، اور کہاں آج خبر واحد، حدیث صحیح تو بجائے خود، ضعیف حدیث بھی کجا! موضوع روایات سے بلکہ قصوں کہانیوں، گیتوں، گانوں، ڈوہڑوں، کافیوں اور خوابوں خیالوں تک سے عقیدے ثابت کیے جاتے ہیں اور خرافات سے حقائق کا منہ چڑایا جاتا ہے، اقبالؒ نے سچ کہا ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

ہماری اس کتاب "توحید اور شرک کی حقیقت" کا موضوع عقیدہ وایمان ہے۔ توحید دین حنیف کی اصل ہے، "اصل الاصول" ہے، اس لیے ہمارا مأخذ ومستدل کتاب اللہ ہوگی۔ ہمارا اوّلین استدلال قرآنِ پاک سے ہوگا۔ بعدہٗ احادیثِ صحیحہ مشہورہ سے۔ گویا ہمارا اصل مأخذ قرآن کریم ہوگا۔ پھر احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تمسک کیا جائے گا۔ کہیں کہیں کتاب وسنت کے بعد اقوال سلف صالحین ارشاداتِ صحابہ رضی اللہ عنہم وائمہؒ بھی بطور تائید پیش کیے جائیں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۲

جس ذات پاک رب العزت نے مجھے اس خدمت کی توفیق عطاء فرمائی ہے، اس کے فضل وکرم سے بعید نہیں کہ وہ ذاتِ کریم ورحیم اسے قبول بھی فرمالیں، پھر اسے جہاں اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں، وہاں اپنے اس رُوسیاہ بندے کی نجاتِ آخرت کا وسیلہ بنا دیں۔

الٰہی! تجھے تیری ذات کا واسطہ اپنے اس گنہگار بندے کا خاتمہ عقیدۂ توحید پر فرما، نہ صرف میرا بلکہ اپنے تمام مسلمان بندوں کا خاتمہ اپنی توحید پر فرما، اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ویقین پر فرما اور ایمان کامل پر فرما۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَیْکَ بِعَزِیْزٍ. اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاِنَّکَ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. وَصَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ وَنَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ.

ایک عاجز وحقیر بندہ

نور الحسن بخاری

قدیر آباد، ملتان شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

(۲)

تمہید

نجاتِ آخرت ودخولِ جنت کا واحد ذریعہ توحید وایمان ہے!

اسلام کامل دین ہے، اس لیے یہ دارین کی فوز وفلاح اور سرخروئی وسرفرازی کا کفیل و ضامن ہے۔ دوسرے مذاہب اوّل تو سرے سے آخرت کے یقین وتصور سے بیگانہ ونا آشنا ہیں، یا پھر عالمِ آخرت میں نجات وفلاح کا قطعاً کوئی واضح لائحہ عمل پیش نہیں کرتے۔

دنیا وآخرت: اسلام نہ صرف آخرت کا یقین دلاتا ہے بلکہ صحیح معنوں میں بیت القرار، دار البقاء، یعنی خلود وہیشگی کا گھر اور مستقر ومقام آخرت ہی کو قرار دیتا ہے۔ دنیا تو اسلام کی نگاہ میں ایک رہ گزر یا سفرِ آخرت کے دوران شب بسری کے لیے ایک سرائے یا پھر مزرعۃ الآخرہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جب اسلام اس رہگور، سرائے اور دارِ فانی میں اپنے حلقہ بگوشوں، بشرطیکہ وہ سچے مسلمان اور صحیح مردِ مومن ہوں، کو کامیابی وفائز المرامی کی بشارت وضمانت دیتا ہے تو وہ عالم جاودانی کی فوز وفلاح سے کیسے صرفِ نظر کرسکتا ہے؟ اور نجاتِ آخرت سے حلقہ بگوشانِ اسلام کو کیوں کر محروم رکھ سکتا ہے؟

عذابِ آخرت: دنیا تو فانی اور گزر جانی ہے، اس میں اگر انسان کو آرام وسکون نصیب نہ ہو تو بھی یہ گزر جائے گی ؏

بھلی اور بُری سب گزر جائے گی

لیکن اگر آخرت میں بھی چین نہ ملا، تو کیا ہوگا؟ وہ تو گزر جانے والی دنیا ہی نہیں، وہ تو خلود وہیشگی کی دنیا ہے، اگر وہاں راحت نصیب نہ ہوئی تو کوئی کیا کرے گا؟

دنیا میں انسان پریشان ہو تو آلام ومصائب سے گھبرا کر یہ کہتے ہوئے اپنے دل کو تسکین و تسلی دینے کی سعی وکوشش کرتا ہے کہ چار دن کی زندگی ہے، آخر گزر جائے گی۔ مر جائیں گے، غمِ

دنیا سے چھوٹ جائیں گے، لیکن...... خدا بچائے...... اگر آخرت میں بھی صورتِ حال یہی رہی، مر کر بھی نہ چھوٹے تو پھر؟۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مَر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

پھر آخرت کے عذاب کو دنیا کے دکھ درد پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، خدا محفوظ رکھے، عذابِ جہنم! وہ عظیم والیم عذاب ہے جس کی شدت وسختی اور دردناکی والم انگیزی کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا، خدائے رحیم آگ کی عقوبت واذیت اور تعذیب وہلاکت سے بچائے۔ اس کی جگر گدازی ودل سوزی کا تصور کون کر سکتا ہے؟ پھر اس پر مستزاد اس کا خلود، اس کی ہمیشگی، اس کی بقا وابدیت، العیاذ باللہ! مسلسل اور غیر مختتم عذابِ جہنم! آدمی اس میں جئے گا نہ مرے گا۔ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى.

دنیا میں لاکھ مصائب وشدائد سہی! مگر انسان مر گیا، سب ختم۔ مشکل تو یہ ہے کہ عذابِ آخرت سے نجات کی کوئی شکل وصورت نہیں۔ انسان مَر بھی تو نہیں سکے گا، قیامت کے دن خود موت کو ذبح[1] کر دیا جائے گا۔ جب موت ہی مر گئی تو اب کوئی کیسے مرے؟

عذابِ آخرت سے نجات کی واحد صورت:

جس کو بھی اپنی جان سے کچھ پیار ہے وہ اپنے پیارے نفس ووجود کو اس عذابِ شدید والیم سے بچانے کی کوشش کرے گا۔ اسلام اس عذاب سے بچانے کی بشارت بلکہ ضمانت دیتا ہے اور اس سے نجات کی واحد صورت پیش کرتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا. (متفق علیہ)[2] [3]

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم ("مشکوٰۃ المصابیح" باب الحوض والشفاعۃ)

[2] واضح ہو کہ متفق علیہ سے وہ حدیث مراد ہوتی ہے جس کی روایت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں متفق ہوں، صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں میں وہ حدیث موجود ہو۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان الفصل الاوّل۔

شریک نہ ٹھہرائیں، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ جو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، وہ اس کو عذاب نہ دے۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم (اور ترمذی) نے روایت کیا ہے۔

۲۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَقُّ اللّٰہِ عَلَی النَّاسِ اَنْ یَعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ فَحَقٌّ عَلَیْہِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَھُمْ۔ (رواہ احمد)[1]

خدا کا حق لوگوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں۔ جب لوگ ایسا کریں تو اللہ پر حق ہے کہ پھر انہیں عذاب نہ دے۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

حق العباد علی اللہ: اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک اور رازق و پروردگار! بندہ، اس کا مخلوق و مملوک، محتاج و مرزوق! اس کا اپنے خالق و مالک پر کیا حق؟ اللہ رب العزت کی ذات پاک پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں خالق و مالک اور رب العالمین ہیں وہاں الرحمٰن اور الرحیم بھی ہیں، یہ ان کی صفتِ رحمت کا تقاضا ہے کہ اپنے مملوک و محتاج بندوں پر فضل و کرم اور جود و احسان کی بارش کرتے ہیں اور پھر اس اہتمام سے کرتے ہیں کہ گویا یہ اس خالق و مالک اور آقا و مولیٰ پر اس کے عاجز بندوں کا واقعی حق ہے۔ اس حقیقت کو لسانِ رسالت نے حق العباد علی اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ ورنہ مخلوق کا خالق پر اور بندوں کا آقا و مولیٰ پر کیا حق؟ ان ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس درجہ صراحت سے یہ حقیقت بیان فرما دی گئی ہے کہ:

۱۔ جب بندے اپنے اللہ کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

۲۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو عذاب نہیں دیں گے۔

تو عذابِ آخرت سے نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ:

بندہ اپنے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ: کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اللہ واحد کے سوا تمام معبودوں کی نفی کر کے اسی حقیقت کو ذہن نشین کیا گیا ہے۔ ایک مسلمان بچہ جب پیدا

---

[1] ''ترجمان السنۃ'' (از حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مہاجر مدنی) جلد اوّل حدیث نمبر ۵۳۔

ہوتا ہے تو سب سے پہلی آواز جو اس کے کانوں کے راستے اس کے دماغ تک پہنچائی جاتی ہے وہ یہی کلمہ شہادت ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جس میں معبودِ واحد اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے اقرار و اعلان سے پہلے غیر اللہ کی الوہیت کی نفی ہے۔ ایک غیر مسلم جب دائرۂ اسلام و ایمان میں داخل ہوتا ہے تو اسے سب سے پہلے یہی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا درس و سبق دیا جاتا ہے۔

جو بندہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے وہ گویا یہ اعلان کرتا ہے کہ میں اللہ واحد کے سوا کسی کو معبود تسلیم نہیں کرتا۔ میں اپنے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کروں گا۔ تو جو بھی صدق و خلوص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ کر یہ اعلان کرتا ہے، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

۳۔ حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بندہ کہے گا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواہ البخاری)[1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے اس کا مقصد صرف اللہ کی رضامندی ہوگا، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیں گے۔

جو شخص لوجہ اللہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے گا جہاں اس پر نار جہنم حرام ہوگی، وہاں یہ شخص بھی نار جہنم پر حرام ہوگا۔

کلمۂ اخلاص و کلمۂ تقویٰ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں۔

لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ.

جسے جو بھی اللہ کا بندہ صدقِ دل سے کہے گا وہ دوزخ پر حرام کر دیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تمہیں بتاؤں وہ کلمہ کیا ہے، وہ کلمۂ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو عزت بخشی ہے۔ اور یہ وہی کلمۂ تقویٰ ہے جسے قبول کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی وفات کے وقت اصرار کرتے رہے، وہ کلمہ ہے:

شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اس کی گواہی کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ۔

---

[1] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۲۹۶

اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔[1]

اللہ پاک کی وحدت و توحید کی شہادت کا کلمہ ہی کلمۂ اخلاص و کلمۂ تقویٰ ہے، اور اسی کلمۂ پاک سے اہل اسلام کو دنیا میں عزت ملی اور اسی سے مومنین موحدین آخرت میں نار جہنم سے محفوظ رہیں گے۔

مدارِ نجات: انسان کی اُخروی نجات کا انحصار اسی کلمۂ شہادتِ توحید پر ہے۔

۵۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہمارے دین میں مدارِ نجات کیا ہے؟ فرمایا: مَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ لَهٗ نَجَاةٌ.
اسے ابویعلیٰ، عقیلی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔[2]

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ دو شہادتیں دے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی گرمی سے بچالے گا۔ اسے ابن راہویہ، عدنی، ابویعلیٰ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[3]

۷۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَا يَشْهَدُ اَحَدٌ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَيَدْخُلَ النَّارَ اَوْ تَطْعَمَهٗ.
(رواہ مسلم و بخاری مع تغایر)[4]
کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دے اور اس کی گواہی دے کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں (یہ نہیں ہوسکتا کہ) پھر وہ دوزخ میں داخل ہو، یا ارشاد فرمایا کہ دوزخ اسے جلا سکے۔

شہادتِ توحید و رسالت: اوپر کی دو احادیث میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت بھی

---

[1] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۲۹۶۔
[2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۲۹۲۔
[3] ایضاً حدیث نمبر ۲۹۴۔
[4] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۳۹۱۔

مذکور ہے۔ اسی طرح متعدد احادیث میں دونوں شہادتوں کا ذکر ملاحظہ ہو۔

۸۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (حضرت) معاذ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک ہی اُونٹ پر سوار تھے، آپ نے تین بار یا معاذ کہہ کر (معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف متوجہ کر کے) فرمایا:

مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. (متفق علیه)[1]

جو شخص بھی سچے دل سے گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ اسے جہنم پر حرام کر دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۹۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز سن کر فرمایا: میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں وَاَشْھَدُ اَنْ لَا یَشْھَدُ بِھَا اَحَدٌ اِلَّا بَرِئَ مِنَ الشِّرْکِ. (رواہ احمد و الطبرانی)[2]

اور اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ جو شخص بھی یہ گواہی دے وہ شرک سے بری ہوا۔

۱۰۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں سنا مؤذن نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو فرمایا: نارِ جہنم سے بچ گیا۔ (رواہ البزار)[3]

مدارِ نجات ایمان باللہ وایمان بالرسول ہے:

نجاتِ آخرت کا دارومدار ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول پر ہے۔ جن آیات واحادیث میں صرف توحید کو مدارِ نجات فرمایا گیا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نجاتِ آخرت کے لیے صرف توحید کافی ہے؛ بلکہ نجات کے لیے توحید کے ساتھ رسالت پر بھی ایمان ضروری ہے۔

چونکہ اللہ کی توحید پر صحیح ایمان، رسول پر ایمان لائے بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتا، ایمان رسول ہی درحقیقت ایمان باللہ کا ذریعہ ہے، اس لیے اس ظاہر ذریعہ اور وسیلہ کا ذکر بعض جگہ ضروری نہیں سمجھا گیا، اور غائب وغیر مرئی محسوس ذات پاک باری تعالیٰ ہی پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] ''مشکوٰۃ'' کتاب الایمان الفصل الاوّل۔

[2] ''ترجمان السنۃ'' جلد دوم، حدیث نمبر ۱۳۹۱ الف۔

[3] ایضاً۔

جو احادیثِ صحیحہ نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں اور ان میں شہادت کا ذکر موجود ہے ان میں عموماً توحید کی شہادت کے ساتھ شہادتِ رسالت کا ذکر بھی ہے، اور جن احادیث میں صرف کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ مذکور ہے وہاں رسالت کا ذکر محذوف ہے، ورنہ توحید کے ساتھ ایمان بالرسول لازمی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) کیا خوب فرماتے ہیں:

اَنَّ التوحید والایمان بالرُّسُلِ متلازمان و کُلّ اُمَّةٍ لا تُصَدِّق الرُّسُلَ فَلا تَکُوْنُ اِلَّا مُشْرِکَۃ وَکُلُّ مُشْرِکٍ فَاِنَّہٗ یُکَذِّبُ الرُّسُلَ[1]

توحید اور رسولوں پر ایمان لانا دونوں لازم ملزوم ہیں۔ جو لوگ رسولوں پر ایمان نہیں لاتے وہ مشرک ہوتے ہیں، اور ہر مشرک بالیقین رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔

دین اسلام کے دو اصول اور کلمہ طیبہ کی حقیقت:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک اور مقام پر اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

فدین الاسلام مبنی علی اَصْلَیْنِ مَنْ خَرَجَ عَنْ وَاحِدٍ منہما فَلا عَمَلَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ اَنْ نعبد اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَعَلٰی اَنْ نَعْبُدَہٗ بِمَا شَرَعَ لَا بِالْحَوَادِثِ والبدع وھو حَقِیْقَۃُ قولِ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ[2]

دین اسلام کے دو اصول ہیں، جو شخص ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ دے نہ اس کا کوئی عمل معتبر ہے نہ دین، ایک یہ کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، دوسرا یہ کہ اس کی عبادت شریعت کے مطابق کریں، نہ کہ بدعت اور اپنے ایجاد کردہ طریقوں کے مطابق، اور یہی کلمۂ طیبہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کی حقیقت ہے۔

تو توحید کے ساتھ رسالت پر ایمان لازمی ہے۔ صرف خدائے واحد کی عبادت ہو اور رسولِ خدا کے فرمان کے مطابق، یہ دین اسلام ہے۔ جہاں غیر اللہ کی عبادت شرک ہے وہاں رسولِ خدا کی

---

[1] کتاب الرد علی البکری ص ۲۶۶ ("ترجمان السنۃ" جلد دوم صفحہ ۴۴)

[2] کتاب الرد علی البکری ص ۵۳ ("ترجمان السنۃ" جلد دوم صفحہ ۴۴ و ۴۵)

سنت کے خلاف بدعات وحوادث کے مطابق خدائے واحد کی عبادت بھی رسالت کا کفر ہے۔
دین اسلام کے دو اصول ہیں، توحید اور رسالت۔ اگر کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا تو وہ اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لا ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِیْ وَلَا يُؤْمِنُ بِیْ مَنْ لَّا يُحِبُّ الْاَنْصَارَ.

(رواہ احمد والدارقطنی)[1]

جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں اور جو (شروع میں) خدا کا ذکر نہ کرے (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھے) اس کا وضو نہیں اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے اس کا خدا پر بھی ایمان نہیں اور جو انصار سے محبت نہ کرے، اس کا میرے ساتھ ایمان نہیں۔
(اس حدیث کو امام احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے)

شرائطِ ایمان: پھر صرف شہادت توحید و رسالت ہی تک ایمان محدود نہیں، ایمان کے شرائط کچھ اور بھی ہیں، جب تک ان تمام پر ایمان نہ ہو، کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک بندہ چار باتوں پر ایمان نہ لائے، ایماندار نہیں ہوسکتا۔

يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)[2]

اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور موت پر اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہو۔

شہادتِ توحید و رسالت کے بعد موت و بعث بعد الموت (قیامت) اور تقدیرِ الٰہی پر ایمان لازمی ہے، اسی طرح ملائکہ اور کتب اور جمیع رُسل پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ علیہم السلام۔

ایمان مفصل: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ. یعنی میں ایمان لایا اللہ

---

[1] "ترجمان السنۃ" جلد اوّل حدیث نمبر ۶۳۔
[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الایمان بالقدر۔

پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور آخری دن (قیامت) پر اور تقدیر پر بھلی اور بُری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر۔

عنوان ایمان: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یا کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ درحقیقت ایمانیات کا عنوان ہے۔ اس کے تحت بعث بعد الموت، قیامت، جنت، دوزخ، کتب، ملائکہ اور رُسل وغیرہم تمام مومن بہا امور داخل ہیں۔

ان چیزوں پر جو غائب ہیں اور عقولِ انسانی کی دسترس سے باہر، عقل ان کا ادراک نہیں کر سکتی، ایمان لانا لازمی ہے۔ ان پر ایمان، رسول پر ایمان لائے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس لیے ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایمان کا عنوان ہے۔ ورنہ نجات کے لیے ایمانِ کامل کی ضرورت ہے۔ ایمان کی تمام شرطوں پر قلبی یقین ہوگا، توحید کے ساتھ نبی کریم اور دوسرے جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر، اللہ کے فرشتوں پر، اللہ کی تمام کتابوں پر، قیامت پر، بعث بعد الموت پر ایمان ہوگا تو انسان جہنم سے بچ سکے گا۔

ایک عجیب حقیقت: یہاں ایک عجیب حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ گو نجات کے لیے ان تمام شرائط ایمان پر ایمان لانا ضروری ہے، مگر خود یہ تمام شرائط ایمان توحید کے متعلقات ہیں۔ اصلِ نجات توحید ہے۔ رسولؐ کے بغیر چونکہ صحیح توحید نصیب نہیں ہوسکتی، رسالت ہی دراصل وسیلۂ توحید ہے، اس لیے رسالت پر ایمان ضروری ہوا۔ پھر رسول توحید کا سبق نہیں پڑھاتا جب تک اس پر فرشتہ (جبریلؑ امین) نازل نہ ہو، لہٰذا ملائکہ پر ایمان لازمی ہے۔ پھر فرشتہ نہیں آتا جب تک پیغامِ الٰہی ساتھ نہ لائے، لہٰذا کتب پر ایمان ضروری ہوا۔ پھر توحید کے نتیجہ نکلنے کا دن، بعث بعد الموت ہے، رزلٹ آؤٹ ہونے کی تاریخ قیامت ہے، لہٰذا اس پر بھی ایمان بہرحال لانا ہے۔ تو یہ تمام متعلقاتِ توحید ہیں۔ اصلِ نجات، مدارِ نجات، توحید ہے۔

ایمان اور عمل: گو ایمان مطلق تصدیق قلبی کا نام ہے، مگر ایسی خشک تصدیق نہ، جس میں عمل صالح کے برگ و بار قطعاً نہ ہوں، بلکہ ایسی سرسبز اور سدابہار تصدیق جس پر اعمالِ حسنہ کی بیسیوں شاخیں اور ٹہنیاں پھوٹیں، سینکڑوں رنگارنگ پھول کھلیں، ایمان ایک ایسا شجرۂ طیبہ ہے، جس کی اعمالِ صالحہ کی شاخیں اور فروع سدابہار اور فی السما ہوں،

اور جو عبادات و حسنات کے پھولوں اور پھلوں سے ہر آن لدا پھندا رہے۔ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا (۱۳۔ابراہیم) یعنی پاکیزہ درخت کی طرح جس کی جڑ محکم ہے اور شاخیں بلند و بالا اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں ایمان کی ستر سے اُوپر شاخیں بیان فرمائی گئی ہیں، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ. (متفق علیہ)[1]

ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں، سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ راستے سے کسی تکلیف دہ چیز (کانٹا وغیرہ کو) ہٹا دینا ہے، اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

جہاں کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ شجرِ ایمان کا افضل شعبہ و شاخ ہے، اصلِ ایمان ہے، وہاں حیاء اس کی ایک عظیم شاخ ہے اور راستے سے اینٹ، روڑا، پتھر، کانٹا وغیرہ ہٹا دینا بھی ایمان کی علامت ہے۔ کلمۂ توحید اسلام کے پورے مضمون کا عنوان ہے، سرنوشت ہے۔ کلمہ اجمال ہے، اسلام اس کی تفصیل ہے۔ کلمہ بیج ہے، اسلام درخت۔ جس طرح ایک چھوٹے سے بیج میں بڑے سے بڑا درخت چھپا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح اس مختصر سے چار لفظی کلمے میں پورا اسلام مستور و مخفی ہے۔

جنت میں داخلہ:

اگر بندہ شرک کی نجاست سے آلودہ و ملوث نہیں ہوا، اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا تو نہ صرف اسے عذاب نہیں دیا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے جنت عطاء فرمائیں گے، اور وہ ابدالآباد راحت و آرام سے رہے گا۔ البتہ مشرک پر جنت حرام ہے، یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (مائدہ، ع ۱۰)

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ میں جب اسے کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان۔

تَعْبُدِ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ وتودی الزکٰوۃ المفروضۃ وتصوم رمضان.... (متفق علیہ)[1]

تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، فرض نماز ادا کر، زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھ۔ اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نہ اس پر زیادہ کروں گا، نہ اس میں کمی کروں گا۔ جب وہ شخص چلا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے جنتی شخص کو دیکھنا منظور ہو وہ اسے دیکھ لے۔"

۲۔ حضرت رفاعہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَشْھَدُ عِنْدَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُ عَبْدٌ یَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صدقًا مِنْ قَلْبِہ ثم یسدّدُ اِلَّا سَلَکَ فِی الْجَنَّۃِ.

میں اللہ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے دل سے گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ معبود اللہ کے سوا کوئی نہیں اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں، وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ (اسے احمد، طبرانی، بغوی، ماوردی، ابن قانع اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)[2]

۳۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتلا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور نار (جہنم) سے دُور کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے امرِ عظیم سے متعلق سوال کیا، فرمایا: تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوۃ وتؤتی الزکوۃ وتصوم رمضان وتحج البیت.. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجۃ)[3]

ارکانِ اسلام کی اہمیت: بعض ارشاداتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ ارکانِ دین کو ان کی دین میں اہمیت کے پیش نظر بیان فرمایا گیا ہے۔ ورنہ جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ کے لیے شرط صرف یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

۴۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا:

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان الفصل الاوّل۔

[2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم، حدیث نمبر ۲۹۵۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان الفصل الثانی۔

اتانی جبریلؑ علیہ السلام فبشرنی انہ من مات من اُمّتِک لا یُشرِکُ باللّٰہ شیئًا دَخَلَ الْجَنّۃ. (رواہ الشیخان[1] والترمذی[2])

جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے، اور مجھے بشارت دی کہ تیری اُمت میں سے جو (اس حال میں) مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (اس حدیث کو بخاری، مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے)۔

انسان اُمتِ رسولؐ میں سے ہو، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے کافر نہ ہو پھر اگر اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

ذیل کی حدیث میں صراحت کے ساتھ شرک کو موجبِ جہنم اور عدمِ شرک کو باعثِ جنت فرمایا گیا ہے:

۵۔ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ مَاتَ یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ. (رواہ مسلم)[3]

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر مرا، وہ جہنم میں داخل ہوا، اور جو (اس حال میں) مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا وہ جنت میں داخل ہوا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے باب الدلیل علٰی ان من مات لا یشرک باللّٰہ... میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی متعدد روایات کی ہیں۔

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جو تجھے ملے (اور وہ) دلی یقین کے ساتھ

یَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مستیقنًا بھا قلبہ فبشرہ بالجنۃِ. (رواہ مسلم)[4]

یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تُو اسے جنت کی بشارت دے دے۔

---

[1] ائمہ حدیث میں شیخین سے مراد امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ہوتے ہیں۔

[2] "ترجمان السنۃ" جلد اوّل حدیث نمبر ۱۹۶۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان الفصل الثالث۔

[4] ایضاً۔

تصدیق بالقلب: پہلے ایک ارشادِ پاک میں صِدقًا من قلبہ کے الفاظ مبارک اور اس حدیث شریف میں مستیقنا بھا قلبہ کے ارشادِ کریمہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مطلق زبان سے رسمی طور پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دینا کافی نہیں بلکہ توحید باری تعالیٰ کا یقینی علم اور قلبی ایمان نجاتِ جہنم اور دخولِ جنت کے لیے ضروری ہے۔ تصدیق قلبی کے بغیر اقرار لسانی کی کوئی قیمت نہیں، اصل چیز دلی علم و یقین اور قلبی ایمان و تصدیق ہے۔

معصیت پر بھی دخولِ جنت کی بشارت: بندے کی معصیت و گنہگاری کی کوئی نہ کوئی حد ہے، اللہ غفورٌ رحیم کی رحمت کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ فسق و عصیان سے بندے کا دامن کتنا ہی تربتر اور آلودہ کیوں نہ ہو اللہ کی رحمت اسے عفودرگزر کے پانی سے دھوڈالتی ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بندہ باغی نہ ہو، یعنی شرک کی لعنت میں ملوث نہ ہو، چنانچہ بروایت سلمہ بن نعیم ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَا یشرکُ بِهٖ شیئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ.

(رواہ احمد و الطبرانی)[1]

جو اللہ سے (اس حال میں) ملے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ جنت میں جائے گا اگرچہ زنا اور چوری کا مرتکب ہوا ہو۔ (اس حدیث کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے)۔

۲۔ براویت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: جبریلؑ میرے پاس آیا اور مجھے بشارت دی کہ:

اَنَّهٗ مَنْ مَاتَ لَا یشرکُ بِاللّٰهِ شیئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ سَرَقَ وَاِنْ زَنٰی.[2]

جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ کہا: اگرچہ چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ گناہ کی ترغیب دی جارہی ہے، معاذ اللہ۔ یہ تو محض ایک حقیقت کا بیان ہے اور رحمتِ الٰہی کی وسعت و بیکرانی کا اظہار! ورنہ اسلام تو گناہ کی بیخ کنی کرتا ہے۔ کتاب و

---

[1] "ترجمان السنۃ" جلد اوّل حدیث نمبر ۱۹۷۔

[2] "صحیح بخاری" کتاب التوحید باب کلام الرب مع جبریلؑ۔

سنت میں فسق و فجور سے اجتناب کی بصراحت و شدت تعلیم دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کبائر کا ارتکاب نہ کرنے کی بیعت لیتے تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آس پاس بیٹھی ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت سے فرمایا:

بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا...فَبَایَعْنَاہُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ (متفق علیہ)[1]

تم میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے....پس ہم نے ان باتوں پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

اسلام کو گناہ سے گھن آتی ہے۔ اللہ کی کتاب پاک اور اللہ کا محبوب رسول جو مسلم معاشرہ تیار کرتے ہیں، اس میں فسق و فجور اور جرم و عصیاں کی گنجائش کہاں؟ مسلم معاشرہ میں چور کے ہاتھ قلم کر دیئے جاتے ہیں، اور زانی کو تو کوڑے یا پتھر مار مار کر مار ہی دیا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں سرقہ و زنا کی ترغیب کہاں؟

لیکن یہ حقیقت ہے کہ زنا اور چوری وغیرہ کبیرہ گناہ ہیں، گناہ خدا کی نافرمانی تو ہے، پر بغاوت نہیں، شرک بغاوت ہے۔ گناہ معاف کیے جاسکتے ہیں، بغاوت معاف نہیں کی جاسکتی۔ مردِ مسلم موحد کے اعمالِ سیئہ محو و معاف کر دیئے جائیں گے، اگر اس کا عقیدۂ توحید درست ہے۔ اگر اس کا ایمان کامل ہے تو اسے اللہ رب العزت اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرما دیں گے خواہ اس میں عملی کمزوریاں کیوں نہ ہوں۔

۳۔ بروایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ شَہِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اور یہ کہ (حضرت) عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور رسول اور اپنی ماں (حضرت مریمؑ) کے بیٹے اور اللہ کا کلمہ (یعنی حکم) ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے (حضرت) مریمؑ پر القا فرمایا تھا، اور اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت اور دوزخ حق ہیں:

اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ عَلٰی مَا کَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔ (متفق علیہ)[2]

تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا (خواہ) وہ کسی عمل پر ہو۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان والفصل الاوّل [2] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الایمان الفصل الاوّل۔

اس ارشادِ پاک میں توحیدِ باری تعالیٰ کے ساتھ ایمان کی چند دوسری شرطوں کا مثلاً رسالت اور آخرت کا بھی ذکر ہے، اور دخولِ جنت کو انہی ایمانیات پر منحصر فرمایا گیا ہے، خواہ عمل نیک ہو یا بد، کثیر ہو یا قلیل! عَلٰی مَا کَانَ مِنَ الْعَمَلِ.

عملِ صالح شریعتِ محمدی میں مطلوب و ممدوح اور محمود و مستحسن تو ہے، لیکن دخولِ جنت کا دارومدار اور نجاتِ ابدی کا انحصار ایمان و عقائد پر ہے۔

موحد کی مغفرت یقینی ہے:

اگر مسلمان موحد ہے، لیکن گنہگار ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے گناہ بخش دیں گے۔ اگر مسلمان مشرک نہیں تو اس کی مغفرت یقینی ہے۔ کتاب اللہ میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ.

(پارہ ۵۔ نساء، رکوع ۱۸)

بیشک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں، جس کے لیے چاہیں گے بخش دیں گے۔

۱۔ بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ بخش دے گا، جب تک (اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑ جاتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ پردہ کیا ہے؟ فرمایا: "اَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ وَھِیَ مُشْرِکَةٌ." وہ پردہ یہ ہے کہ کوئی مشرک ہو کر مرے۔ (رواہ البیہقی[1]) امام احمدؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ("زجاجۃ المصابیح" جلد ۲ ص ۶۰)۔ بندہ مشرک ہو کر نہ مرے تو اللہ کی رحمت اس کے تمام گناہ معاف کر دے گی، خواہ وہ گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

۲۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَا یَعْدِلُ بِهٖ شَیْئًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ کَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ. (رواہ البیہقی)[2]

جو شخص اللہ کو اس حال میں ملے کہ دنیا میں کسی کو اللہ کے برابر نہ سمجھے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دیں گے خواہ اس کے گناہ پہاڑوں کے برابر کیوں نہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمان کامل ہے، مسلمان سچا موحد ہے، تو خواہ کتنے ہی بڑے اور

---

[1] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۶۰۸۔ [2] ایضاً حدیث نمبر ۶۰۹۔

جتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، سب رحمتِ الٰہی سے معاف کر دیئے جائیں گے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَقِيَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا لَمْ تَضُرُّهُ مَعَهُ خَطِيْئَةٌ وَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يُشْرِكُ بِهٖ لَمْ تَنْفَعْهُ مَعَهُ حَسَنَةٌ. (رواه احمد والطبرانی)[1]

جو شخص اس حالت پر مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو تو اس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہو تو کوئی نیکی اس کو نفع نہیں دے سکتی۔ (احمد، طبرانی)

جس طرح مسلمان موحد کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ عقیدۂ توحید کی برکت سے اپنی رحمت کے ساتھ سب گناہ بخش کر اپنے موحد بندے کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اسی طرح مشرک بے ایمان کو کوئی نیکی فائدہ نہیں دے گی، عقیدۂ شرک کی شامت و نحوست سے اللہ تعالیٰ اس کے تمام اعمالِ حسنہ کالعدم فرمادیں گے۔ اور قیامت کے دن سرے سے ان کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا.

(پارہ ۱۶۔ آخر کہف)

موحد رحمتِ الٰہی سے بہرہ اندوز ہوگا:

اگر انسان اپنے اعمالِ بد کی پاداش میں جہنم کے اندر ڈال بھی دیا گیا، تو توحید کے باعث اللہ رب العزت اپنی رحمتِ خاصہ سے اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلہ سے فارغ ہو جائیں گے، اور ارادہ فرمائیں گے کہ اپنی رحمت سے اہل نار میں سے (بعض کو) نکالیں، وَاَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ اَرَادَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ. تو ملائکہ کو حکم دیں گے کہ:

اَنْ يُّخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.

جو اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا تھا، اسے دوزخ سے نکال لیں۔

چنانچہ فرشتے اسے دوزخ سے نکال لیں گے[2] تو اللہ تعالیٰ کی یہ رحمتِ خاصہ صرف موحد کا حق ہے

[1] "ترجمان السنہ" جلد دوم حدیث نمبر ۶۳۷۔

[2] "صحیح بخاری" کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالی: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ.

شفاعت بھی موحد کا حق ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہل سنت کے نزدیک حق ہے مگر یہ بھی موحد کا حق ہے، مشرک کی شفاعت نہیں ہوگی۔

۱۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم!

ہر نبی کے لیے ایک (خاص) دعا مستجاب ہوتی ہے۔ ہر نبی نے اپنی اپنی دعا میں عجلت کی اور میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر رکھی ہے، یہ انشاء اللہ اس شخص کو نصیب ہوگی۔

مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِیْ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا. (رواہ مسلم)[1]

جو میری اُمت سے اس حال میں مرے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔

۲۔ بروایت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:

اللہ کی طرف سے میرے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے مجھے اختیار دیا کہ (اگر میں چاہوں تو) میری آدھی اُمت جنت میں داخل کی جائے یا (میں چاہوں تو اُمت کے لیے) شفاعت کروں، میں نے شفاعت کو چنا۔

وَهِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئًا. (ترمذی، ابن ماجہ)[2]

اور یہ اس کے لیے ہے جو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے۔

تو شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے استحقاق کی پہلی شرط اُمتِ رسول کا فرد ہونا ہے۔ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے خارج ہے، یعنی کافر ہے، تو اس کے لیے شفاعت نہیں ہے۔ پھر شفاعت کی دوسری شرط توحید ہے، یعنی شفاعت اس مومن کا حق ہے جس نے اللہ کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں کیا۔ اگر کوئی اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرد نہیں یعنی کافر ہے یا پھر مسلمان مومن ہو کر مشرک ہے تو اس کے لیے شفاعت نہیں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے باپ اور نوح علیہ السلام صفی اللہ کے بیٹے کے لیے شفاعت نہیں!

کتاب اللہ اور احادیثِ نبوی سے صاف ثابت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا کافر و مشرک بیٹا طوفان میں ڈوب مرا اور اولوالعزم نبی، صفی اللہ کی بارگاہِ الٰہی میں اس کی نجات کے

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الدعوات الفصل الاوّل۔ [2] ایضاً باب الحوض والشفاعۃ۔

لیے دعا و سفارش دنیا میں قبول نہ ہوئی۔ صحیح بخاری میں ارشادِ رسول ﷺ ہے کہ آخرت میں جدالانبیاء، حضرت ابراہیم خلیل اللہ اپنے باپ کی نجات کے لیے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ. میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔

پھر کہا جائے گا: اے ابراہیم تیرے پاؤں میں کیا پڑا ہے؟ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے۔

فَاِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِى النَّارِ.[1]

تو وہ بجو ہوگا مٹی گوبر وغیرہ میں لتھڑا ہوا۔ اسے چاروں پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرے سب کفار و مشرکین انسانی شکل و صورت میں داخلِ جہنم ہوں گے، مگر آذر کو ایک بدصورت، بدشکل، غلیظ جانور بجو کی شکل میں جو خاک و خون یا لید گوبر پیشاب وغیرہ میں آلودہ ہوگا جہنم میں ڈالا جائے گا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلبِ اقدس کو صدمہ نہ ہو۔

جب ابراہیم خلیل اللہ جدالانبیاء علیہ السلام کی شفاعت اپنے باپ آذر کے بارے میں قبول نہ ہوئی اور اسے جہنم میں ڈال دیا گیا تو اور کسی کی شفاعت کسی کے متعلق کیا قبول ہوگی؟

بہر حال اللہ کی رحمت ہو یا نبی کی شفاعت! یہ مومن موحد کا حق ہے، مسلمان ہو اور مشرک نہ ہو تو آخر جنت میں داخل ہوگا، لیکن کافر مشرک اور منافق کے لیے نہ اللہ کی رحمت ہوگی نہ نبی کی شفاعت، یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اُمتِ رسول ﷺ کا فرد خواہ وہ کبائر کا مرتکب کیوں نہ ہو بشرطیکہ مشرک نہ ہو، یہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اگر جہنم میں گیا بھی تو اللہ کی رحمت یا نبی ﷺ کی شفاعت سے آخر جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا۔

۳۔ بروایت جابر رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کا ارشاد صریح ہے: اِنَّ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ. (رواہ الحاکم فی التفسیر)[2] بیشک میری شفاعت میری اُمت کے لیے ہے، جن سے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہوا۔

ایک ایمان والا بھی مشرک ہو سکتا ہے:

یہ ایک حقیقت ہے، جس سے اکثر مسلمان غافل ہیں، اس لیے

[1] صحیح بخاری کتاب بدءالخلق باب قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ [2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث ۳۲۱

اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ اُمتِ رسول کا فرد، ایک صاحبِ ایمان، مردِ مومن بھی مشرک ہو سکتا ہے، بلکہ کتاب اللہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے، ارشاد فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ. (پ۱۳ آخر یوسف)

اور اکثر لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر وہ شرک بھی کرتے ہیں۔

تو یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا فرد ہو، اور پھر بھی مشرک ہو، انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج یہ ممکن ہی نہیں بلکہ اکثر ہے، عام مسلمان کلمہ گو شرک میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائے۔

(۳)

اللہ کی معرفت و توحید بندے کی فطرت ہے

اللہ رب العزت کی معرفت و عبادت بندے کی فطرت ہے۔ کتے جیسا ناپاک اور ذلیل جانور اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ دوسرا کوئی آئے، امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا سب کو بھونکتا ہے، کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اگر اپنا مالک آجائے تو دُم ہلاتا ہے، قدموں میں لوٹتا ہے۔ یہ اسے کسی نے پڑھایا سکھایا نہیں، یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔

کتا فطرتاً آقا شناس ہے اور آدمی فطرتاً مولا شناس! جب کتے کی فطرت مالک شناسی ہے تو انسان اپنے آقا اور مولا کو کیسے نہ جانے؟ اللہ رب العزت کی معرفت اور اس محسن حقیقی کی عبادت بندے کی فطرت ہے۔ اگر اسے دین کی صحیح تعلیم نہ بھی مل سکے تو یہ فطرت کے تقاضے سے خدا کو جانے گا، مانے گا۔ اور پھر اس کے احسانات و انعامات کا شکر بھی ادا کرے گا۔

انسان بتقاضائے فطرت خدا کا انکار نہیں کر سکتا۔ جس طرح غلہ، پھل، میوے، سبزی ترکاری کھانا انسان کی فطرت ہے۔ یہ بھوک کے مارے مر تو جائے گا گھاس، چارہ اور بھوسہ نہیں کھائے گا۔ گیہوں، چاول، چاہے پندرہ بیس روپے من ہو، چاہے تیس، چالیس یا پچاس روپے من، کھائے گا، روٹی، چاول، دال، بھات کھائے گا، لیکن مرتا مر جائے گا مگر ڈیڑھ دو روپے من کا چارہ یا تین چار روپے من کا بھوسہ نہیں کھائے گا۔ کیوں؟ فطرت سے مجبور ہے! یہ فاقوں مر تو سکتا ہے، مگر گھاس چر نہیں سکتا، چارہ کھا نہیں سکتا، اسی طرح انسان فطرتاً مجبور ہے، اپنے خالق، مالک، رب العزت کا انکار نہیں کر سکتا۔ ہر انسان نے خدا کو مانا ہے، اور اگر کسی سرکش و طاغی فرعون نے بظاہر مانا نہیں تو اسے جانا ضرور ہے۔ سید اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

آویزہ ہے ہر گوش میں لٹکا تیرا ۔۔۔ کانٹا ہے ہر اک قلب میں اٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھے، جانا ہے ضرور ۔۔۔ ہر بھٹکے ہوئے دل میں ہے کھٹکا تیرا!

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم!

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ. (متفق علیہ)[1]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، پھر آپؐ نے (بطور استشہاد اللہ کا قرآن) پڑھا۔ فطرۃ اللہ.... یعنی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی خلقت میں تبدیلی (روا) نہیں، پس یہی سیدھا دین ہے۔

فطرت اللہ سے معرفتِ الٰہی کی وہ استعداد و صلاحیت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تخلیقی طور پر ہر شخص کے اندر ودیعت کی ہے، اور جو ہر انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے۔

خدائے رحیم نے ابتدائے آفرینش سے اپنی معرفت کا ایک اجمالی نقش و تصور ہر انسان کے دل میں بطور اصلِ ہدایت ثبت کر دیا ہے، اپنی توحید کی ایک چنگاری ہر آتشکدۂ قلب میں دبا دی ہے جسے اگر تعلیم و ماحول کے پیاپے پھونکوں سے بجھا نہ دیا جائے تو یہ شعلہ بن کر خرمن کفر و شرک کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالتی ہے۔ اگر انسان کو اس کی فطرت پر آزاد چھوڑ دیا جائے، اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تشکیل میں غلط تعلیم و تربیت یا غلیظ و متعفن ماحول کے گندے اثرات کی مداخلت نہ ہو اور انسان قدرت کی عطا کردہ اس جبلی استعداد و طبعی قابلیت سے کام لے تو حق سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کا میلان دینِ حق، دینِ قیم کی طرف ہو سکتا ہے۔ لیکن والدین و اساتذہ کی مشرکانہ تعلیم و تربیت، گرد و پیش کے حالات اور گندی صحبت کے بُرے اثرات سے متاثر ہو کر انسان شرک و کفر کی اتھاہ اور عمیق ظلمتوں اور ضلالتوں میں کھو جاتا ہے۔

تو اللہ رب العزت کی معرفت و عبادت انسان کی فطرت ہے، اور ہر آدمی نے...... بشرطیکہ آدمی ہو گدھا نہ ہو...... خدا کو جانا اور مانا ہے، اس کی اَن گنت و بیشمار نعمتوں کا شکر بھی ادا کیا ہے اور اپنے ڈھنگ سے اس کی عبادت بھی کی ہے۔

مندر میں کسی نے راگ گایا تیرا — مسجد میں کسی نے جلوہ پایا تیرا
دہریہ نے دہر سے کیا تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا!

(اکبر الہ آبادی)

1۔ "مشکوٰۃ المصابیح" باب الایمان بالقدر۔

توحیدِ ربانی انسانی فطرت ہے:

نہ صرف اللہ کی معرفت و عبادت بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی توحید بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے، ہر انسان پیدائشی طور پر خدائے واحد کی وحدت و وحدانیت اور توحید کا قائل ہے، اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی ذاتِ واحد کے سوا کوئی مالک و متصرف نہیں، چنانچہ رئیس المفسرین، حبرِ اُمت، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دَعَوُ اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الـدِّیْـنَ کی تفسیر میں مروی ہے کہ وہ (مشرکینِ مکہ) شرک نہ کرتے ہوئے خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

لِرُجُوْعِهِمْ مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ اِلَى الْفِطْرَةِ الَّتِیْ جبلَ عَلَیْهَا کُلُّ اَحَدٍ مِنَ التَّوْحِیْدِ وَاَنَّهٗ لَا متصرف اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ المرکوز فی طبائع العالم۔[1]

شدتِ خوف سے فطرت کی طرف ان کے رجوع کے باعث! جس فطرت پر ہر فردِ بشر پیدا کیا گیا ہے یعنی توحید اور یہ حقیقت! کہ سوائے اللہ سبحانہٗ کے کوئی صاحبِ اختیار نہیں، اور یہ حقیقت ساری دنیا کے طبائع میں مرکوز و موجود ہے۔

ا۔ حضرت ابوالعالیہؒ سے امام ابن جریرؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے، انہوں نے کہ:

کُلُّ اٰدمی اَقَرَّ عَلٰی نَفْسِهٖ بِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُهٗ۔[2]

ہر آدمی نے دل ہی میں اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا ربّ ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔

اسی تقاضائے فطرت اور داعیۂ جبلت سے مجبور ہو کر مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم و عرفان اور احساس و ادراک رکھتے تھے، عالمِ اضطرار میں وہ خدا کی توحید کے بھی قائل و معترف تھے، ناساعد حالات اور مصائب و مشکلات میں وہ خالص اللہ رب العزت ہی کو پکارتے تھے، لیکن حوادث و آفات سے نجات پا کر وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے تھے۔

---

[1] "روح المعانی" جلد ۱۱ ص ۹۷ تفسیر: بت (دَعَوُ اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ).

[2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۱۴ تفسیر: بت (وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا) "روح المعانی" علامہ محمود آلوسی بغدادی کی شہرہ آفاق و جلیل القدر تفسیر ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تیرھویں صدی ہجری کے اعاظم و اکابر علماء اسلام کے سرخیل ہیں۔ سن وفات ۱۲۷۰ھ ہے۔

(۴)

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق مشرکینِ مکہ وکفارِ قریش کے عقائد وتصورات

توحید کا عوامی تصور: آج عامۃ المسلمین یہ سمجھتے ہیں یا انہیں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ خدا کی ہستی کا اقرار اور ذات پاک باری تعالیٰ کا اعتراف ہی توحید ہے۔ ہم خدا کو مانتے ہیں لہٰذا ہم سچے مسلمان اور پکے مؤحد ہیں۔ مشرک تو مکے کے قریش تھے، جو اللہ ربّ العزت کی ہستی کے منکر تھے اور وجودِ باری تعالیٰ کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔

یہ ایک مغالطہ ہے، بہت بڑا مغالطہ، یہ فریب خوردگی ہے، بے حد خطرناک فریب خوردگی۔ اس مغالطہ وفریب خوردگی کے سولہ آنے خلافِ حقیقت یہ ہے کہ قریشِ مکہ نہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے قائل ومعترف تھے، صفاتِ ربانی پر بھی ایمان رکھتے تھے، بلکہ اللہ واحد کی عبادت بھی کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات اور سیرت وتاریخ کی مستند وصحیح روایات ملاحظہ ہوں:

کتاب اللہ قرآن کریم سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق مشرکین مکہ کے درج ذیل عقائد ونظریات معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ انسانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے: اللہ رب العزت اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (پارہ ۲۵۔ سورۂ زخرف، رکوع آخر)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے!

۲۔ ارض وسماء کا خالق اللہ ہے: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ.

(پارہ ۲۱، سورۂ لقمان، رکوع ۳ و پارہ ۲۴، سورۂ زمر، ع ۴)

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔

تو معلوم ہوا کہ مشرکین عرب، کفارِ قریش زمین و آسمان اور انس و جن کا خالق ذات پاک باری تعالیٰ کو مانتے تھے، اسی طرح مالک و رازق، محی و ممیت اور مدبر امور بھی اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے۔

۳۔ رازق اللہ ہے۔ ۴۔ مالک اللہ ہے۔ ۵۔ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ۶۔ مدبر امور اللہ ہے۔

ارشاد فرمایا:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ. (پارہ ۱۱، سورہ یونس، ع ۴)

آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون[1] رزق دیتا ہے؟ یا (تمہارے) کانوں اور (تمہاری) آنکھوں کا مالک[2] کون ہے؟ اور مردہ[3] سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو کون نکالتا ہے؟ اور تمام کاموں کی تدبیر[4] کون کرتا ہے سو وہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ!......

۷۔ زمین و آسمان، عرش و فرش سب کا مالک اور رب اللہ ہے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ (پارہ ۱۸۔ سورہ مومنون، ع ۵)

آپ ان سے پوچھئے کہ اگر تم جانتے ہو (تو بتلاؤ) یہ زمین اور جو کچھ اس پر (موجود) ہیں سب کس کے ہیں؟ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے، آپ کہئے پھر تم سوچتے (کیوں) نہیں؟ آپ کہئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ) ان سات آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی (سب) اللہ کا ہے، آپ کہئے کہ پھر تم (اس سے کیوں) نہیں ڈرتے؟

۸۔شہنشاہِ کُل اللہ ہے۔۹۔صاحبِ اختیار واقتدارِ اعلیٰ اللہ ہے

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ (۱۸۔مومنون، ع۵)

آپ (ان سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ اگر تم جانتے ہو۔ وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ (یہ سب صفتیں) اللہ ہی کی ہیں، آپ کہئے کہ پھر تم کہاں سے جادو کیے جاتے ہو؟...... یعنی مسحور و مدہوش ہو کر (ان تمام مقدمات کو ماننے کے بعد) حقیقت توحید کو نہیں سمجھتے۔

۱۰۔قادرِ مطلق اللہ ہے:

ان کا ایمان تھا کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم اور اس کی رضاء و مشیت سے ہوتا ہے، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا یہ شرک اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہے، اگر وہ نہ چاہتے تو ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے۔

۱. وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ.

(پارہ۱۴۔نحل، رکوع۵)

اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو خدا کے سوا کسی چیز کی نہ ہم عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم سوائے اس کے (حکم کے) کسی چیز کو حرام کرڈالتے، اسی طرح ان سے پہلے (کافر) لوگوں نے کیا۔ (یعنی ایسا ہی کہا تھا)

۲. سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ. (پارہ۸، انعام، رکوع۱۸)

یہ مشرک لوگ یوں کہیں گے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے۔

۱۱۔مُتصرِّف علی الاطلاق اللہ ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. (پارہ ۲۱ سورۂ عنکبوت، ع ۶)

اور اگر آپ ان (مشرکینِ مکہ سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے! پھر کدھر اُلٹے چلے جارہے ہیں؟

۱۲۔ بارش برسانے والا اللہ ہے

۱۳۔ زمین سے نباتات اُگانے والا اللہ ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا. لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (پارہ ۲۱، سورۂ عنکبوت، ع ۶)

اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کردیا تو بہرحال کہیں گے کہ وہ اللہ ہے۔

۱۴۔ العزیز اور العلیم اللہ ہی ہے: کفار قریش اللہ تعالیٰ کو العزیز اور العلیم بھی مانتے تھے، اور اس کے غلبہ و زور اور علمِ کُل کے قائل و معترف تھے، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ. (پارہ ۲۵، سورہ زخرف، ع اوّل)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو غالب، علم والے (خدا) نے پیدا کیا ہے۔

تو مشرکینِ مکہ نہ صرف اللہ رب العزت کی ذات کو مانتے تھے بلکہ اس ذاتِ پاک کی صفاتِ قدسیہ کو بھی جانتے تھے۔ چنانچہ اللہ کی صفتِ رحمت کو بھی مانتے تھے۔

۱۵۔ الرحمٰن اللہ ہے: رحمٰن بھی اللہ کو جانتے اور مانتے تھے۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ط (۲۵۔ زخرف، ع ۲)

اور انہوں نے کہا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (ملائکہ) کی عبادت نہ کرتے۔

۱۶۔ مصائب سے نجات دینے والا، مشکل کشا و دافع البلاء اللہ ہے

کفارِ قریش و مشرکینِ مکہ شدائد و مصائب سے نجات دینے والا، کاشفِ عذاب، مشکل کشا اور دافعِ بلا اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے۔ چنانچہ دُکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت وہ اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

۱. وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا. (۱۱۔یونس، ع۱۲)

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے، لیٹے ہوئے یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے!

۲. وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ (۲۱۔روم۔ع۴)

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے ربّ کو پکارنے لگتے ہیں، اسی کی طرف رجوع ہو کر۔

۳. وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ (۲۳۔زمر، ع۱)

اور جب پہنچتی ہے انسان کو تکلیف پکارنے لگ جاتا ہے اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع ہو کر۔

طوفان و تلاطم میں صرف خدائے واحد کو پکارتے تھے:

جب وہ دریاؤں میں سفر کرتے، باد و باراں کے ہلاکت خیز طوفان اُٹھتے، کشتیوں کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا تو اُس وقت غیر اللہ کو بھول کر خالص ایک اِلٰہ واحد کو پکارتے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱. فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ. (۲۱۔عنکبوت۔ع۷)

پس جب (مشرکین مکہ) کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ پر خالص اعتقاد کر کے اسے پکارتے ہیں، پھر جب ان کو (طوفان وغیرہ سے) نجات دے کر اللہ خشکی پر لے آتا ہے تو وہ فوراً شرک کرنے لگتے ہیں۔

۲. وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (۲۱۔لقمان)

اور جب ان کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر کے اسے پکارتے ہیں۔

۳. وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (۱۱۔یونس، ع۳)

اور کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں۔ اور لوگ ان (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں کہ (دفعۃً مخالف اور تیز و تند) ہوا کشتیوں کو آلیتی ہے اور ہر طرف سے ان کو موجیں گھیر لیتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُری طرح) گھر گئے (اس وقت) سب اللہ ہی کے لیے عبادت خالص کر کے اسے پکارتے ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ان مدعیانِ اسلام کے لیے بڑی عبرت ہے جو جہاز (یا کشتی) کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا۔ مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا۔ تھوڑی دُور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا۔ ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو، یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے۔ عکرمہ نے کہا کہ یہ ہی تو وہ خدا ہے جس کی طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو بلاتے ہیں۔ اگر دریا میں رب محمدؐ کے بغیر نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دستگیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا، مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنے اخلاقِ کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، رضی اللہ عنہ۔[1]

خاتم المفسرین حضرت علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) تفسیر روح المعانی میں مندرجہ بالا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے متعلق روایت بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابوداؤد اور نسائی وغیرہما کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ ''اور ابن سعد میں

[1] حاشیہ قرآن کریم از شیخ الاسلام رحمہ اللہ۔

حضرت ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوا اور اسے طوفانِ باد نے آلیا

فَجَعَلُوْا يَدْعُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَيُوَحِّدُوْنَهٗ قَالَ مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا: هٰذا مكان لا ينفع فيه الا الله تعالٰى. قال: فَهٰذَا لَهٗ محمد صلى الله عليه وسلم الّذى يدعونا اليه فارجعونا. فرجع و اسلم.

تو اہل کشتی صرف ایک اِلٰہ واحد کو پکارنے لگے، عکرمہ نے کہا: یہ کیا؟ انہوں نے کہا: اس موقع پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نفع نہیں دے سکتا۔ (اس پر) عکرمہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ہم کو اسی طرف بلاتے تھے، ہمیں واپس لے چلو۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ آئے اور اسلام لے آئے۔

اس کے بعد علامہ موصوف نہایت دلسوزی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

وَاَيًّامَّا كان فالأية دَالّةٌ على انّ المشركين لا يدعون غيره تعالٰى فى تلك الحال وانت خبيرٌ بان النّاس اليوم اذا اعتراهم امر خطيرٌ وخطب جسيمٌ بى برٍّ او بحرٍ دَعَوا من لا يضرّ وَلا ينفع ولا يرى ولا يسمع فمنهم من يَدعوا الخضر والياس ومنهم من ينادِى ابا الخميس والعباس ومنهم من يستغيث باحد الائمة ومنهم من يضرع الى شيخ من المشائخ الامّةِ ولا ترى فيهمْ احدًا يخص مولاه بتضرعه ودعائه ولا يكاد يمرّ له ببال اِنّه لو دعا اللّٰه تعالٰى وحده ينجُوْ من هاتيك الاهْوَال فبا اللّٰه تعالٰى عَلَيْك قل لى اىُّ الفريقين من هذه الحيثية اهدى سبيلًا وَاَىُّ الدّاعيينَ اَقومُ قيلا؟ والى اللّٰهَ تعالٰى المشتكى من زمَانٍ عصفت فيه ريح الجهالة وتلاطمت امواج الضلالة وخرقت سفينة الشريعة وَاتّخذت الاستغاثة بغير اللّٰه تعالٰى للنجاة ذَرِيْعَة وتعذر على العارفين الامر بالمعروفِ وحالت دون النهى عن المنكر صنوف الحتوف[1]

وہ بھی دن تھے چنانچہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مشرکین (مکہ) مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں پکارتے تھے اور اس حقیقت سے تو باخبر ہے کہ آج

---

[1] "روح المعانی" جلد ۱۱ ص ۹۸ تفسیر آیت (جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ.....)

لوگوں کو زمین پر یا سمندر میں جب کوئی بہت بڑا مہلک واقعہ اور سخت خطرناک حالت پیش آجاتی ہے تو وہ ان کو پکارنے لگتے ہیں جو نہ نفع ونقصان پر قادر ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں، بعض تو خضر اور الیاس کو پکارتے ہیں اور بعض ابوالخمیس اور عباس کو ندا دیتے ہیں اور بعض کسی امام سے مدد طلب کرتے ہیں اور بعض اُمت کے کسی بزرگ سے عاجزی کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور ان میں سے آپ کسی کو خاص اپنے خدا کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتے نہ دیکھیں گے اور ان کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ اگر اس نے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا تو وہ ان خوفناک مصائب سے نجات پا جائے گا۔ پس تجھے خدا کی قسم! مجھے بتلایئے کہ ان دونوں (مشرکین مکہ اور مسلمین عہد حاضر) میں سے کون راہِ ہدایت پر ہے اور ان پکارنے والوں میں سے کون سیدھی صحیح بات کرتا ہے؟ اور عہد حاضر کی شکایت اللہ ہی کی بارگاہ میں ہے جس میں جہالت کی آندھی چل رہی ہے، اور گمراہی کی موجوں میں طوفان وتلاطم ہے، شریعت کی کشتی میں شگاف پڑ گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مدد کے لیے پکارنا نجات کا ذریعہ بنالیا گیا ہے اور اہل علم وعرفان کے لیے امر بالمعروف انتہائی دشوار ہوگیا ہے اور نہی عن المنکر کی راہ میں انواع واقسام کی ہلاکتیں حائل ہوگئی ہیں۔

کاشفِ عذاب اللہ ہے: ایک خاص نوعیت کے عذاب یعنی قحط شدید کا ذکر فرماتے ہیں، کفارِ قریش نے اس موقع پر اور تمام معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی بارگاہ میں گڑگڑا کر خود بھی دعا کی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دعا کرائی۔ قولہ تعالیٰ:

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ، اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ. (پارہ ۲۵. سورۂ دخان)

اے ہمارے رب! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجیے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ ان کو (اس سے) کب نصیحت ہوتی ہے، حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آ چکا، پھر بھی یہ اس سے پھر گئے اور کہنے لگے (یہ تو کسی دوسرے کا) سکھلایا ہوا ہے،

دیوانہ ہے۔ (اچھا) ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ عذاب ہٹا دیتے ہیں (مگر) تم پھر وہی کرو گے۔

صحیح بخاری میں ان آیات کی تفسیر میں مختلف سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جب قریش نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی تو آپ نے ان کے خلاف قحط کی دعا کی، چنانچہ (ایسا) قحط پڑا کہ قریش نے ہڈیاں، چمڑے اور مردار کھائے۔ (آخر قریش کا سردار) ابوسفیان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم (بھوکوں) مرگئی، آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ ان سے قحط دور کرے، فادع اللّٰہ ان یکشف عنھم، چنانچہ آپ نے دعا کی، قریش نے خود بھی دعا کی رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ، کہا: اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دُور فرما دیجئے، ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان سے قحط کا عذاب ٹال دیا۔ جب وہ خوشحال ہو گئے تو اپنے پہلے حال پر لوٹ گئے[1] یعنی پھر پہلے کی طرح کفر و شرک کرنے لگے۔

اس مضمون کی روایت مسند احمد، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں متعدد سندوں سے مروی ہے، جس سے یہ حقیقت واشگاف طور پر سامنے آ گئی کہ مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا ربّ، مشکل کشا اور دافع البلاء جانتے مانتے تھے، اور ابتلا و مصیبت کے وقت اللہ رب العزت ہی کو پکارتے تھے۔

کتاب اللہ کے بعد اب حدیث، سیرت اور تاریخ کی مشہور و معتبر کتب سے مشرکینِ عرب، قریشِ مکہ کے عقائد و نظریات ملاحظہ ہوں:

۱۹۔ اپنا ربّ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے کعبۃ اللہ کو پھر سے بنانے کا ارادہ کیا تو:

قَالُوْا لَوْ بَنَيْنَا بَيْتَ رَبِّنَا۔[2] کہنے لگے کاش! ہم اپنے رب کا گھر بناتے۔

---

[1] "صحیح بخاری" کتاب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ الدخان۔ [2] "طبقات ابن سعدؒ" جلد اوّل ص ۱۴۵ "الطبقات الکبریٰ" امام ابن سعدؒ کی مشہور و معروف کتاب ہے، حضرات صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح پر اس سے بہتر کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہے، آٹھ جلدوں پر مشتمل بڑی مفصل کتاب ہے۔ امام محمد بن سعد رحمہ اللہ بڑے بلند پایہ امام ہیں۔ سن وفات ۲۳۰ھ ہے۔

۲۰۔ ان کے دل ہیبت وجلالِ الٰہی سے لبریز و معمور تھے:

قریش کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کعبۃ اللہ کی پرانی عمارت کو گراتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ثُمَّ اِنَّ النَّاسَ هَابُوْا هَدْمَهَا وَفَزِعُوْا مِنْهُ[1]

لوگ کعبۃ اللہ کو منہدم کرنے سے ہیبت زدہ ہوگئے اور اس کے تصور سے گھبرا اٹھے۔

ولید بن مغیرہ کے ابتداء کرنے پر بھی اس دن لوگ رکے رہے، کہنے لگے، دیکھتے ہیں اگر ولید کو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو ہم قطعاً نہیں گرائیں گے اور اسے اسی حال پر رہنے دیں گے،

وَاِنْ لَمْ يُصِبْهُ شَىْءٌ، فَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ صُنْعَنَا فَهَدِمْنَا....

اور اگر اسے کوئی گزند نہ پہنچا تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ ہماری کاروائی سے خوش ہے، پھر ہم بھی گرائیں گے۔

چنانچہ جب صبح کو ولید بھلا چنگا پھر اپنے کام میں لگا نظر آیا تو لوگوں نے اس کے ساتھ گرانا شروع کر دیا۔[2]

۲۱۔ خدا سے دعا کرتے تھے:

جب لوگ کعبۃ اللہ کو منہدم کرتے تھے تو ولید بن مغیرہ نے کہا: اَنَا اَبْدَؤُكُمْ میں اس کی ابتداء کرتا ہوں، چنانچہ اس نے پہل کرتے ہوئے رب العزت سے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ لَا تُرَعْ اِنَّمَا نُرِيْدُ الْخَيْرَ.[3]

اے اللہ! ہم خوف زدہ نہ ہوں، تو ہماری ہمت بندھا، کیونکہ ہمارا ارادہ نیکی ہی کا ہے

---

[1] "سیرت ابن ہشامؒ" جلد اوّل ص ۲۰۷۔ [2] "سیرت ابن ہشامؒ" جلد اوّل ص ۲۰۷، "سیرت ابن ہشامؒ" حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر سب سے قدیم اور بڑی ضخیم کتاب ہے، چار جلدوں پر مشتمل ہے، مصنف کتاب ابو محمد عبدالملک بن ہشامؒ بڑے جلیل القدر امام ہیں، سن وفات ۲۱۸ھ ہے۔ [3] "طبقات ابن سعد" جلد اوّل ص ۱۴۵ و "سیرت ابن ہشامؒ" جلد اوّل ص ۲۰۷۔

۲۲۔ قریش کے دل میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا حد درجہ لحاظ اور پاس تھا:

مشرکینِ مکہ و عمائدِ قریش کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اس درجہ پاس اور احساس تھا کہ اللہ کے گھر کی تعمیر کے وقت کہنے لگے:

ا. لَا تُدْخِلُوْا فی بَنَائها من کسبکم اِلَّا طَیِّبًا لَمْ تقطعوا فیه رِحمًا ولم تظلموا فیه احدًا.[1]

لوگو! بیت اللہ کی تعمیر میں صرف پاک کمائی خرچ کرو۔ قطع رحم کر کے یا کسی پر ظلم کر کے جو روپیہ کمایا ہو وہ یہاں نہ لگاؤ۔

۲۔ سیرت ابن ہشام رحمہ اللہ میں ہے کہ ابو وہب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم کا ماموں تھا اور قریش کا سردار تھا اس نے کہا اور لوگوں کا خیال ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا:

یا معشر قریش لا تدخلو فی بنائها من کَسْبِکُمْ اِلَّا طَیِّبًا، لَا یَدْخُلُ فیها مهر بغیّ ولا بَیْعُ رِبًا، ولا مظلمة احد من الناس.[2]

اے قریش! بیت اللہ کی تعمیر میں پاک کمائی ہی لگاؤ، کوئی اس میں زنا کی کمائی، سود کی رقم یا کسی کا ظلم سے مارا ہوا مال نہ لگانے پائے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے:

عام قریش اللہ تعالیٰ سے کس درجہ خوف کھاتے ہوں گے جبکہ امیہ بن خلف جیسا شقی القلب بھی خدا سے ڈرتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مظالم و شدائد کے شکنجے میں بے طرح کسے ہوئے دیکھا تو ظالم امیہ بن خلف وغیرہ سے فرمایا:

آلا تَتَّقِی اللّٰه فی هٰذا المسکین؟ تو اس غریب کو ہدف تعذیب بنا کر خدا سے نہیں ڈرتا؟

امیہ نے جواب دیا: آپ ہی نے اسے خراب کیا ہے لہٰذا آپ ہی اسے اس عذاب سے چھڑائیں۔

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا[3] ”آپ ہی نے

---

[1] ”طبقات“ جلد اوّل ص ۱۴۵۔ [2] ”سیرت ابن ہشام“ جلد اوّل ص ۲۰۶ حدیث بنیان کعبه.

[3] ”سیرت ابن ہشام“ جلد اوّل ص ۳۴۰۔

اسے خراب کیا ہے" کے الفاظ سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو رہی ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت ابوبکرؓ ہی کی سعی و تبلیغ سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

عزت ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے:

قریش مکہ کا یہ بھی عقیدہ و یقین تھا کہ عزت ذلت دینے والا بھی اللہ ہے۔

چنانچہ امام ابن ہشام رحمہ اللہ لکھتے ہیں؟

فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، (حضرت) بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، آپ نے انہیں اذان کا حکم دیا، حضرت بلالؓ نے اذان کہی تو عتاب بن اسید کہنے لگے:

لَقَدْ اَكْرَمَ اللّٰهُ اَسِيْدًا اَنْ لَا يَكُوْنَ سَمِعَ هٰذَا فَيَسْمَعُ مِنْهُ مَا يَغِيْظُهُ.....[1]

اللہ تعالیٰ نے (میرے باپ) اسید کی عزت رکھ لی، (وہ پہلے مرگیا اور) اس نے یہ آواز نہ سنی جو وہ بلالؓ سے سنتا تو سخت غضب ناک ہوتا۔ بعد میں حضرت عتاب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے۔

۲۵۔ جزا سزا دینے والا اللہ ہے:

مشرکینِ مکہ جزا سزا دینے والا بھی اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم کے خلاف معاہدہ کیا تو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے وہ افراد بھی جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے محض قرابت داری کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں جمع ہو گئے۔ بنی ہاشم میں سے صرف ابولہب نے اپنے خاندان کو چھوڑ دیا، اس نے قریش کا ساتھ دیا، وہ ہند بنت عتبہ سے ملا تو کہا، اے عتبہ کی بیٹی! کیا میں نے لات وعزیٰ کی مدد کی؟ جنہوں نے انہیں چھوڑا میں نے انہیں چھوڑ دیا، تو ہند نے کہا:

نَعَمْ، فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا يَا اَبَا عُتْبَةَ[2] ہاں! ابولہب! اللہ تجھے جزائے خیر دے۔

۲۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو صبح سویرے ابوجہل کے گھر پہنچے۔ ابوجہل نے کہا، مَرْحَبًا وَاَهْلًا کیسے آنا ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تمہیں خبر دینے آیا ہوں کہ میں خدا اور رسولِ خدا پر ایمان لے آیا ہوں۔ اس پر ابوجہل نے دروازہ میرے منہ پر مارا اور کہا:

قَبَّحَكَ اللّٰهُ وَ قَبَّحَ مَا جِئْتَ بِهٖ.[3]

اللہ تیرا برا کرے اور جو خبر آپ لائے ہیں اس کا بھی!

---

[1] "سیرت ابن ہشام" مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۵۶۔ [2] "سیرت ابن ہشام" جلد اول ص ۳۷۶۔ [3] ایضاً صفحہ ۳۷۵۔

شفا دینے والا اللہ ہے: مشرکین مکہ مرض و شفا بھی اللہ کے ہاتھ میں جانتے تھے۔ چنانچہ جھاڑ پھونک کرنے والے ضماد نے، جبکہ وہ کافر تھا، سنا کہ مکہ کے بیوقوف کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہو گئے ہیں تو کہنے لگا: کاش اگر میں اس شخص (محمدؐ) کو دیکھ لیتا۔

لَعَلَّ اللّٰہَ یَشْفِیَہٗ عَلٰی یَدَیَّ۔ (رواہ مسلم)[1]

تو شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے آپ کو شفا دے دیتا۔

۲۷۔ اللہ واحد ہے اور سب سے اعلیٰ: حد ہو گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانتے تھے۔ مشرکینِ مکہ گو غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت کو وہ اِلٰہ واحد مانتے تھے، اور اپنے تمام معبودانِ باطل کو اسفل (فی الارض) اور اللہ واحد کو ان سب سے افضل و اعلیٰ (فی السماء) جانتے تھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ابا سے فرمایا: اے حصین! تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا: سات کی!

سِتًّا فِی الْاَرْضِ وَوَاحِدًا فِی السَّمَاءِ قَالَ فَاَیُّھُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِکَ وَرَھْبَتِکَ؟ قَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ۔ (رواہ الترمذی)[2]

چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تو اپنی محبت اور خوف کے لیے تم نے کس کو بنا رکھا ہے؟ (میرے والد نے) جواب دیا: آسمان والے کو!

تو مشرکینِ مکہ گو متعدد خداؤں کی پوجا کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کو وہ ایک مانتے اور سب سے بلند جانتے تھے، اور محبت اور خوف کا علاقہ صرف خدائے واحد اِلٰہ آسمانی سے رکھتے تھے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب علامات النبوۃ۔ [2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاستعاذہ۔

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق مشرکین عرب کے عقائد کا خلاصہ!

ذات پاک واجب الوجود اللہ جل جلالہٗ سے متعلق مشرکین مکہ، کفار قریش کے عقائد تصورات تفصیل وتطویل سے بیان کردیئے گئے ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کا خلاصہ پیش کردیا جائے۔

ان کا ایمان وعقیدہ تھا کہ:

۱۔ساری کائنات کا خالق اللہ ہے۔

۲۔ساری مخلوق کا رازق اللہ ہے۔

۳۔سب کا مالک اللہ ہے۔

۴۔موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۵۔مدبر امور اللہ ہے۔

۶۔زمین وآسمان، عرش وفرش سب کا مالک اور ربّ اللہ ہے۔

۷۔شہنشاہِ کُل اللہ تعالیٰ ہے۔

۸۔صاحبِ اختیار واقتدار اعلیٰ اللہ ہے۔

۹۔قادرِ مطلق اللہ ہے۔

۱۰۔مُتصرّف علی الاطلاق اللہ ہے۔

۱۱۔بارش برسانے والا اللہ ہے۔

۱۲۔زمین سے نباتات اُگانے والا اللہ ہے۔

۱۳۔العزیز، العلیم اور الرحمٰن اللہ ہے۔

۱۴۔مشکل کشا و دافع البلاء اللہ ہے۔

۱۵۔مصائب وشدائد سے نجات دینے والا صرف اللہ ہے۔

۱۶۔کاشف العذاب صرف اللہ ہے۔

۱۷۔عزت، ذلت، جزاء، سزا، مرض، شفا دینے والا اللہ ہے۔

وہ ۱۸۔اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔

۱۹۔اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔

۲۰۔دکھ، درد اور مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتے تھے۔

۲۱۔ان کے دل جلال و ہیبتِ الٰہی سے لبریز و معمور تھے۔

۲۲۔ان کے دل میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا بے حد پاس تھا۔

۲۳۔وہ اللہ تعالیٰ کو واحد اور سب سے اعلیٰ و بالا مانتے تھے۔

مشرکینِ عرب کے اعمال و وظائف

عقائد و تصورات کے بعد اب کفارِ قریش کے اعمال و وظائف کا حال ملاحظہ ہو:

۱۔تعمیر کعبہ: جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو کعبہ تھا، اس کی تعمیر مشرکین مکہ نے مل کر کی تھی۔

۲۔حج کرتے تھے: ۹ھ تک قریش کفار برابر حج کرتے رہے۔ ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا، ان کے حکم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قربانی کے دن منیٰ کے مقام پر لوگوں میں اعلان کر دیا کہ:

اَلَا لَا یَحُجُّ بَعْدَ العام مشرک.[1] خبردار! اس سال کے بعد مشرک حج نہ کریں۔

شعائر اللہ کی تعظیم کرتے تھے: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَاَمّا حج بیت اللّٰہ وتعظیم شعائرہ والاشھر الحرام فامرہ اظھَرُ اَنْ یَخْفٰی.[2]

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم ("مشکوٰۃ المصابیح" باب دخول مکۃ والطواف) صحیح بخاری، کتاب المغازی و کتاب التفسیر وغیرہ میں قریباً نصف درجن روایات اس مضمون کی ہیں۔ [2] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد اوّل باب بیان ما کانَ علیہ حال اھل الجاھلیۃ. "حجۃ اللہ البالغۃ" امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق و عظیم تالیف ہے، بے نظیر کتاب ہے، گویا معارفِ اسلامی کا ایک خزانہ ہے، حضرت رحمہ اللہ کا مقام مشاہیر علماء ہند میں بہت بلند و بالا بلکہ اعلیٰ ہے۔ مسلمانانِ برصغیر ہند و پاک پر آپ کا اور آپ کے خاندان کا عظیم احسان ہے۔ سن وفات ۱۱۷۶ھ ہے۔

بیت اللہ کا حج، شعائر اللہ اور ذی حرمت مہینوں کی تعظیم ایسے امور ہیں جو ظاہر و غیر مخفی ہیں۔

۴۔ حج و عمرہ، طواف کعبہ کرتے اور تلبیہ پڑھتے تھے:

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے:

بنی اسمٰعیل (قریش) نے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا دین بدل کر بتوں کی پرستش شروع کر دی اور گمراہ اُمم سابقہ کے نقش قدم پر چلنے لگے، اس کے باوجود ان میں عہد ابراہیمؑ کی کچھ عبادتیں باقی رہ گئی تھیں، مثلاً بیت اللہ کی تعظیم، اور اس کا طواف، حج و عمرہ، عرفہ و مزدلفہ میں ٹھہرنا، جانوروں کی قربانی اور حج و عمرہ میں اہلال یعنی تلبیہ، گو اس میں ایسی باتیں بھی داخل کر دی تھیں جو اس میں نہیں تھیں۔ کنانہ و قریش جب تلبیہ کہتے تو:

قَالُوْا "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھو لَکَ تملکہٗ وَمَا مَلَکَ"[1]

کہتے، اے اللہ! میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو آپ ہی کی ملک ہے۔ آپ ہی اس کے مالک ہیں اور اس کی مملوکات کے مالک بھی آپ ہیں۔

۵۔ بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے
۶۔ اور حاجیوں کو پانی پلاتے تھے!

مشرکین مکہ مسجد الحرام کعبۃ اللہ کی آبادی، تعمیر، مرمت، صفائی، روشنی پر اور حاجیوں کی خدمت، انہیں پانی پلانے، کھانا کھلانے پر فخر و ناز کرتے تھے، ان کی ان خدمات کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.... (پارہ ۱۰، توبہ، رکوع ۳)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کو آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر کر دیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔

آخر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد الحرام کی ان خدمات بلکہ کعبۃ اللہ کے قریب آنے تک

[1] "سیرت ابن ہشام" جلد اوّل صفحہ ۸۰، تلبیہ کا بیان "صحیح مسلم" میں بھی ہے۔

سے منع فرما دیا۔ ارشاد فرمایا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا. (توبہ، رکوع ۴)

اے ایمان والو، مشرک نرے ناپاک ہیں، سو یہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔

۷۔ نماز پڑھتے تھے:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وَكَانَتْ فِيهِم الصَّلٰوةُ وَكَان ابو ذر رضى الله عنه يُصَلِّيْ قَبْلَ اَنْ يقدم عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثِ سِنِين وكان قيس بن ساعدہ الايادى يُصلى.[1]

ان میں نماز بھی تھی، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے تین سال پہلے نماز پڑھا کرتے تھے اور قیس بن ساعدہ الایادی بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں بھی ہے کہ عہد جاہلیت میں حضرت ابوذر عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے۔[2]

روزہ رکھتے تھے:

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اِنَّ قُرَيْشًا كَانَتْ تَصُوْمُ يوم عاشورا فى الْجَاهِلِيَّةِ.[3]

قریش عہد جاہلیت میں عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔

۹۔ زکوٰۃ دیتے تھے:

کتاب اللہ سے ثابت ہے کہ مشرکین عرب زمین کی پیداوار اور جانوروں میں سے اللہ کا حصہ دیتے تھے، قولہ تعالیٰ:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا. (پارہ ۸، سورہ انعام، رکوع ۱۶)

---

[1] "حجۃ اللہ البالغہ" جلد اوّل باب بیان ما كان عليه حال اهل الجاهلية.

[2] صحیح مسلم باب فضائل ابی ذرؓ۔ [3] صحیح بخاری کتاب الصوم باب وجوب صوم رمضان و موطا امام مالک کتاب الصیام باب صیام یوم عاشوراء۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان (مشرکین) نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا پھر بزعمِ خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔

۱۰۔غلام آزاد کرتے تھے:

عاص بن وائل نے مرتے وقت اپنے لڑکے (حضرت) ہشام رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ (میری طرف سے) غلام آزاد کرنا، چنانچہ انہوں نے پچاس غلام آزاد کیے۔[1]

۱۱۔ نذر منت خدا کی مانتے تھے
۱۲۔بیت اللہ میں اعتکاف کرتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ!

إِنِّیْ نَذَرْتُ فِی الجاھِلِیَّۃِ اَنْ اعتکف لیلۃ فی المسجد الحرام فقال لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اوف نَذْرَکَ فاعتکف لَیْلَۃً۔[2]

میں نے عہد جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام (بیت اللہ) میں اعتکاف کروں گا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو، چنانچہ انہوں نے ایک رات اعتکاف کیا۔

۱۳۔عبداللہ نام رکھتے تھے:

کفار و مشرکین میں عبداللہ نام رکھنے کا عام رواج تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت ابوجندل بن سہیل کا نام عہد جاہلیت میں عبداللہ رکھا گیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد اور رئیس المنافقین ابن اُبی کا نام عبداللہ تھا۔

۱۴۔تحریر کا آغاز اسم الٰہی سے کرتے تھے:

مشرکین مکہ کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت شان و جلالتِ قدر اس درجہ تھی کہ وہ اپنی اہم دستاویزات کی تحریر و تسوید کا آغاز اللہ ہی کے نام سے کرتے تھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم کے خلاف جو معاہدہ لکھا گیا تھا وہ "باسمک اللھم" سے شروع کیا گیا نیز اس میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کا اِسم و ذکر موجود تھا۔

---

[1] ابوداؤد، و حجۃ اللہ البالغۃ جلد اوّل باب بیان ما کان علیه حال ... [2] صحیح بخاری کتاب الصوم باب من لم یر علیه صوما... و صحیح مسلم کتاب الایمان باب نذر الکافر... و جامع ترمذی باب فی وفاء النذر، و ابوداؤد باب نذر الجاھلیۃ...

امام ابن سعد رحمہ اللہ اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم تین سال شعب ابی طالب میں محصور رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے معاہدہ سے متعلق اطلاع دی کہ:

ان الْاَرْضَةَ قَدْ اکلت ما کانَ فیھا من جور و ظلم و بقی ما کان فیھا من ذکر اللہ عزّوجلّ.

اس معاہدہ میں ظلم وجور سے متعلق تحریر کو دیمک نے چاٹ کھایا ہے اور اس میں اللہ عزوجل کا جو ذکر تھا وہ باقی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ:

فارسل اللّٰہ عزوجل علی الصحیفة دَآبَّةٌ فاکلت کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا اسم اللّٰہ عزّوجلّ.

اللہ تعالیٰ نے دیمک بھیج دی، اس معاہدہ میں لکھی ہوئی ہر بات کو کھا گئی، مگر اللہ عزوجل کا اسم! (وہ باقی رہا)

تیسری اور چوتھی روایت میں ہے:

اُکِلَ کُلُّ شَیْءٍ کَانَ فی الصحیفة اِلَّا باسمِکَ اللّٰھُمَّ[1]

اس صحیفہ کی ہر بات کھائی گئی مگر باسمک اللّٰھم (یعنی اے اللہ ہم تیرے نام سے شروع کرتے ہیں) یہ الفاظ باقی رہے۔

۱۵۔ قسمیں بھی اللہ کی کھاتے تھے:

مشرکین مکہ کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کی اس قدر عظمت و کبریائی تھی کہ وہ قسمیں بھی خدا کی کھاتے تھے اور بڑے زور سے خدا کی قسمیں کھاتے تھے۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر مثلاً پارہ ۸، سورہ انعام، رکوع ۱۳، پارہ ۱۴، سورہ نحل، رکوع ۵، پارہ ۲۲، سورہ فاطر، رکوع آخر میں آیا ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اور ان (مشرکین مکہ) نے بڑا زور لگا کر قسمیں کھائیں۔

اس اجمال قرآنی کی تفصیل بڑی طویل اور دلچسپ ہے۔ حدیث اور سیرت کی مشہور و معتبر کتابوں صحیح بخاری، طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام وغیرہ میں ولید بن مغیرہ، عقبہ بن ربیعہ،

[1] "طبقات ابن سعد" جلد اوّل ص ۲۰۹ ذکر حصر قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بنی ہاشم۔

ابوجہل، ابولہب، عاص بن وائل اور ابواُحیحہ (جو قریش کا بزرگ عبدمناف کا پڑپوتا تھا) وغیرہم اکابر واعاظم رُؤساء قریش سے خدا کی قسمیں کھانا مذکور ومروی ہے۔ عمائدِ قریش بڑی بے تکلفی کے ساتھ بات بات پر خدائے واحد کی قسمیں کھاتے تھے۔ جس سے یہ حقیقت بھی نقاب ہو جاتی ہے کہ مشرکین قریش کے قلوب ربّ العزت کے جلال وجبروت اور خدائے واحد کی عظمت وکبریائی کے احساسات وجذبات سے لبریز ومعمور تھے اور وہ گاہ وبے گاہ، بے تامل وبے تکلف اللہ کی قسمیں، تاکیدی قسمیں کھاتے تھے اور ایک ایک مجلس میں بات بات پر کئی کئی بار "واللہ" "واللہ" کا تکرار کرتے تھے۔

۱۶۔ نکاح کرتے تھے:

اسلام سے پہلے عہدِ جاہلیت میں صحیح نکاح کا بھی رواج تھا۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جاہلیت میں چار قسم کا نکاح ہوتا تھا، فنکاح منها نکاح الناس الیوم، ان میں سے ایک نکاح اِس زمانہ کے مسلمانوں کا سا نکاح تھا۔[1]

۱۷۔ ختنہ، غسلِ جنابت وغیرہ تمام خصائلِ فطرت پر کاربند تھے:

ان میں ختنہ کا عام رواج تھا اور غسل جنابت وغیرہ خصائلِ فطرت پر ان کا عمل تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: وَمَا زَالَ الغسلُ مِنَ الجنابَةِ سُنَّةٌ مَعْمُوْلَةٌ عِنْدَهُمْ وَكَذٰلِكَ الخِتَانُ وسَائِر خصال الفطرة.[2]

۱۸۔ ذبح ونحر کرتے تھے:

کفارِ قریش جھٹکے وغیرہ پر عامل نہیں تھے، ان میں صحیح ذبح اور نحر کا رواج تھا۔

وَلَمْ تَزَل سنتهم الذبح والنحر فی الحلق والنحر فی الرقبة ما کانوا یتخنقون[3]

حلق کا ذبح کرنا اور گردن میں زخم لگا کر ذبح کرنا ان کا طور طریقہ تھا، وہ جانور کا گلہ نہیں گھونٹتے تھے۔

۱۹۔ استغفار کرتے تھے:

قولہ تعالیٰ:
وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ. (انفال. ع۴)

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح اِلَّا بِوَلِيّ۔ [2] "حجۃ اللہ البالغۃ" باب بیان ما کان علیه حال اهل الجاهلیة.... [3] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد اوّل ایضاً۔

خلاصہ: کفارِ عرب مشرکینِ مکہ کے اعمال و کردار کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

۱۔ اللہ کا گھر بیت اللہ انہوں نے تعمیر کیا تھا۔
۲۔ وہ حج کرتے تھے۔ ۳۔ شعائر اللہ کی تعظیم کرتے تھے۔
۴۔ بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے۔ ۵۔ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے۔
۶۔ عمرہ اور طواف کعبہ کرتے اور تلبیہ پڑھتے تھے۔
۷۔ نماز ادا کرتے تھے۔ ۸۔ روزہ رکھتے تھے۔
۹۔ زکوٰۃ دیتے تھے۔ ۱۰۔ غلام آزاد کرتے تھے۔
۱۱۔ اللہ کی نذر منت مانتے تھے۔ ۱۲۔ اعتکاف کرتے تھے۔
۱۳۔ عبداللہ نام رکھتے تھے۔ ۱۴۔ اپنی اہم دستاویزات کا آغاز اسم الٰہی سے کرتے تھے۔
۱۵۔ قسمیں بھی خدا کی کھاتے تھے۔ ۱۶۔ نکاح کرتے تھے۔
۱۷۔ ختنہ وغیرہ جمیع خصائلِ فطرت پر کاربند تھے۔
۱۸۔ ذبح و نحر کرتے تھے۔
۱۹۔ استغفار کرتے تھے۔

اخلاقِ عظیمہ و صفاتِ حمیدہ!

اللہ ربّ العزت سے متعلق عقائد و تصورات، دینی اعمال و فطرتی کردار کے بعد اب ذرا مشرکینِ مکہ کے اخلاق و صفات کا حال ملاحظہ ہو:

۱۔ غیور و صاحبِ عزت و ناموس تھے:

ان کی غیرت اور عزت و ناموس کی حفاظت کے جذباتِ عالیہ و احساساتِ عظیمہ کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگا لیجئے کہ عمائدِ کفر و صنادیدِ قریش کی پوری جماعت ہجرت کی ساری رات قصرِ نبوت کے دروازہ پر جھک مارتی رہی، سارے لوگ شب بھر خاک بسر، صبح ہونے کے منتظر رہے، لیکن کاشانۂ رسالت کے اندر داخل ہو کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک پر محض اس لیے حملہ آور نہ ہوئے کہ حریم نبوت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بناتِ مطہرہ موجود تھیں، رضی اللہ عنہن۔

سیرت کے مشہور امام سہیل رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ قریش نے گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔

فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَاللّٰهِ اِنَّهَا لَسُبَّةٌ فِی الْعَرَبِ.

پھر وہ آپس میں کہنے لگے: خدا کی قسم! یہ تو عرب میں عار کی بات ہے۔

کہ ہمارے متعلق یہ کہا جائے کہ ہم دیوار پھلانگ کر (بنات العم) اپنی بہنوں پر داخل ہوئے اور اپنے حرم کی ہتکِ ستر کی۔ دیوار کی پستی کی وجہ سے ان کے لیے دیوار پھلانگ جانا ممکن بھی تھا۔

لٰكِنَّهُمْ خَافُوا السُّبَّةَ وَالْعَارَ[1]

لیکن انہوں نے عار و بے عزتی کے خوف سے ایسا نہ کیا۔

اللہ اللہ! کفار ہیں، مشرکین ہیں، دشمنِ خدا اور رسولؐ ہیں، مگر شخصی کردار اور قومی روایات کا کمال ملاحظہ ہو کہ گھر کے اندر مستورات ہیں تو وہ گھر میں داخل نہیں ہوتے۔

ناموسِ نسواں اور آبروئے اناث کا جو لحاظ، احترام اور پاس کل کفار و مشرکین میں تھا، کیا آج مسلمانوں میں اس کا شائبہ بھی موجود ہے:

۲۔ صفاتِ کریمہ کے مالک اور قدردان تھے
۳۔ بات کے دھنی، قول کے سچے اور عہد کے پکے تھے

صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ مشرکین مکہ محتاجوں، بیکسوں اور بے نواؤں کی مدد و دستگیری، مہمان نوازی، صلہ رحمی اور حمایتِ حق کی صفاتِ حمیدہ سے متصف اور ان اخلاقِ عالیہ کے کس درجہ مداح و قدردان تھے، نیز اسی واقعہ سے واضح ہو جائے گا کہ ان میں ایفائے عہد و پیمان کا کس حد تک احساس و احترام تھا، وہ اپنی بات کے دھنی، قول کے سچے اور وعدہ کے پکے تھے، وہ کسی حالت میں بھی بے وفائی و عہد شکنی کے طعن سے مطعون ہونے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے، اب وہ واقعہ ملاحظہ ہو:

اُمّ المومنین سیدہ صدیقہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ہجرتِ مدینہ سے پہلے قریش کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، برک الغماد تک پہنچے تھے کہ (مکہ کے ایک بڑے قبیلہ) قارہ کے سردار ابن الدغنہ آپ رضی اللہ عنہ

---

[1] "السیرۃ النبویہ" برحاشیہ "سیرت حلبیہ" جلد اوّل ص ۳۲۵۔

سے ملے اور پوچھا: ابوبکر کہاں کا ارادہ ہے؟ (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری قوم نے مجھے (وطنِ عزیز سے) نکال دیا ہے، چاہتا ہوں کہ کسی اور ملک میں جا کر (آزادی سے) خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا:

فَإِنَّ مثلک یا ابوبکر لا یخرج ولا یخرج اِنَّکَ تکسب المعدوم۔۔

ابوبکر! آپ جیسا شخص جلاوطن نہیں کیا جا سکتا، ہرگز نہیں نکالا جا سکتا (کیونکہ) تم مفلسوں کی دستگیری کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، بیکسوں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، اور مصائب میں حق کی اعانت کرتے ہو، میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، آپ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے ربّ کی عبادت کریں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے۔ ابن الدغنہ بھی آپ کے ساتھ تھا، اور اسی دن شام کو اشراف قریش میں پھر کر ان سے کہا: انّ ابابکر لا یخرج مثلہ، ابوبکر جیسا آدمی وطن سے نہیں نکالا جا سکتا، تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، بے نواؤں کی مدد کرتا ہے، مہمان نواز ہے اور مصیبت میں حق کی حمایت کرتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو تسلیم کر لیا اور ابن الدغنہ سے کہا: آپ ابوبکر سے کہہ دیں کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں، گھر میں نماز ادا کریں اور جو چاہیں پڑھیں، لیکن وہ اس سے ہمیں ایذا نہ دیں، علانیہ نہ پڑھیں، کیونکہ ہمیں خوف ہے اس سے کہیں ہماری عورتیں اور ہمارے بچے فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ ابن الدغنہ نے (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ سب کہہ دیا۔ پس (حضرت) ابوبکر اسی طرح چند دن اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرتے رہے، نہ نماز میں آواز بلند کرتے، نہ اپنے گھر کے سوا قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، پھر آپ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی، اس میں نماز پڑھتے تو بے اختیار روتے، مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے، آپ کو اس حال میں دیکھتے اور تعجب کرتے۔ اس سے رؤساء قریش پریشان ہو گئے۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا: ہم نے آپ کی ذمہ داری پر ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں، مگر انہوں نے اس سے تجاوز کیا، اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا ڈالی، اب وہ اس میں باآوازِ بلند نماز و قرآن پڑھتے ہیں، ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے اہل و عیال فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز، تلاوتِ قرآن اور گریہ و بکا سے متاثر ہو کر اسلام قبول نہ کریں) پس آپ انہیں روکیں، اگر وہ چاہیں کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت پر قناعت کریں تو (شوق

سے) کریں اور اگر وہ انکار کریں اور علانیہ عبادت اور قرآن خوانی پر مصر ہوں تو آپ ان سے مطالبہ کریں کہ وہ آپ کی ذمہ داری آپ کو واپس کر دیں۔ فانا قد کرھنا ان نخفرک. بیشک ہم اس بات کو برا سمجھتے ہیں کہ آپ سے عہد شکنی کریں۔ چنانچہ ابن الدغنہ (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: جس شرط پر میں نے آپ سے (حفاظت کا) عہد کیا ہے یا تو آپ اس پر قائم رہیں یا مجھے بری الذمہ کر دیں۔

فَإِنِّي لَا أُحِبُّ أَنْ تَسْمَعَ العرب أَنِّي أَخْفَرْتُ فِي رَجُلٍ عَقَدْتُ لَهُ.

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ عہد و پیمان باندھ کر بد عہدی کی۔

(حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہاری پناہ تمہیں واپس کرتا ہوں (مجھے اس کی حاجت نہیں) میں اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔[1]

اللہ اکبر! ہیں تو مشرک و کافر، مگر عہد و قول کا یہ پاس و احترام! کیا آج عامۃ المسلمین میں قول و قرار کا اس درجہ پاس موجود ہے؟

لمحہ فکریہ: ذرا کفار عرب و مشرکین قریش کے عقائد و ایمان، اعمال و کردار اور اخلاق و صفات کی ان تفصیلات پر ایک اجمالی نگاہ ڈال لیجئے، اخلاق ہیں تو عظیمہ، صفات ہیں تو کریمہ، اعمال ہیں تو حسنہ، کردار ہے تو عالیہ، مکارمِ اخلاق و محاسنِ اعمال سے قطع نظر، عقائد و تصورات پر نظر کرو، تو اللہ رب العزت کو خالقِ کل، رزاق مطلق، مالک الملک، مدبر امور، مُحيِ وَ مُمِيتُ وہ مانیں، متصرف علی الاطلاق، عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر، مشکل کشا، حاجت روا اور واحد خدا وہ جانیں، ان کا ایمان و یقین یہ تھا کہ مصائب و شدائد سے نجات دینے والا اور کاشف العذاب اللہ واحد کے سوا اور کوئی نہیں، چنانچہ وہ طوفان و تلاطم اور قحط کے عذاب میں مبتلا ہوتے تو صرف اللہ کو، خالص ایک اللہ کو پکارتے (مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ) پھر ان کے قلوب و اذہان میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت اور جلال و کبریائی کا وہ عمیق و فقید المثال اثر و احساس تھا کہ انسان اس کا تصور کرتا ہے تو بحر حیرت میں ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ اگر قرآن کریم، احادیثِ پاک اور سیرت و تاریخ کی مستند و مشہور روایات سے یہ حقائق معلوم و منکشف نہ ہوتے تو ان پر اعتبار و یقین مشکل ہو جاتا، اب ہم یہ سارے احوال و کوائف دل سے مانتے ہیں، مگر تحیر

---

[1] صحیح بخاری باب هجرت النبی صلی اللہ علیه وسلم و اصحابه الی المدینه.

وتعجب اور حیرت واستعجاب کی انتہا ہے کہ ہوں تو کافر و مشرک مگر معرفتِ ربانی، توحید باری تعالیٰ اور قدرت وتصرف الٰہی پر یہ ایمان ویقین! عظمت وجلال خداوندی کا یہ احساس وادراک! شخصی کردار و وظائفِ حیات کی یہ بلندی و رفعت اور قومی اخلاق و عادات وملی اطوار وروایات کی یہ پاکیزگی وطہارت!

دو اہم نتیجے! اس مفصل ومطول بحث سے دو مجمل ومختصر نتیجے برآمد ہوتے ہیں جو ہر مسلمان کے ہمیشہ پیشِ نظر و ذہن نشین رہنے چاہئیں:

اوّل: یہ کہ ان اخلاق واعمال کا بایں مکارم ومحاسن کچھ بھی وزن نہیں، اور قیامت کے دن یہ سب غبارِ راہ کی طرح اُڑ جائیں گے۔

دوم: یہ کہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق یہ ایمان وعقائد رکھنے کے باوجود وہ حقیقی توحید کو نہ پا سکے، مشرک جیے مشرک مرے اور اللہ تعالیٰ کو واحد اور مصائب ومشکلات میں نجات دہندہ ومشکل کشا، قادر وقدیر اور مالکِ کُل وغالب علی کُل مان کر اور جان کر بھی وہ مشرک کے مشرک ہی رہے، جادۂ توحید پر گامزن نہ ہو سکے۔

ایک سبق: ان دو نتائج سے ہر صاحبِ عقل وایمان کو ایک سبق یاد کر لینا چاہئے، وہ یہ کہ صرف اعمال وکردار کے حسن وکمال پر فریب نہیں کھا جانا چاہئے، اگر عقیدہ وایمان صحیح نہیں تو اعمال کی کوئی قیمت نہیں۔

ایک قابلِ غور امر: دوسرے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ ذات وصفاتِ ربانی سے متعلق کفار ومشرکینِ عرب کے عقائد وتصورات سے ماوراء وہ کون سا عقیدہ ہے، جس کے بغیر انسان شرک کی لعنت سے نہیں نکل سکتا اور مؤحد نہیں ہو سکتا، یعنی انتہائی احتیاط کے ساتھ اس حقیقت کا پتہ لگانا چاہئے کہ توحید کی حقیقت کیا ہے۔ جس سے قریشِ مکہ محروم رہ کر واصلِ جہنم ہوئے۔

۵

توحید کی حقیقت

قرآنِ کریم، احادیثِ صحیحہ، اور سیرت و تاریخ میں صراحت و تفصیل اور اعادہ و تکرار کے ساتھ ارشاد و بیان ہے کہ مشرکینِ مکہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہستی اور وحدت کے قائل تھے بلکہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ صفاتِ ربانی کے بھی معترف تھے، پھر اللہ واحد کی معرفت اور صفاتِ باری تعالیٰ کے عرفان و ادراک کے ساتھ اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے، مگر اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ بایں ہمہ عرفانِ الٰہی و عبادتِ ربانی وہ مشرک تھے اور آخرت میں نارِ جہنم کا ایندھن بنے۔

آج کے عام مسلمان:

آج عامۃ المسلمین کا بھی بالعموم یہی حال ہے۔ اللہ کے بندے اللہ کو مانتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج و زیارت بھی کرتے ہیں، بعض بعض تسبیح و تہجد کے بھی پابند ہیں، صدقہ و خیرات دیتے ہیں، دیگیں پکا پکا کر غریبوں، فقیروں کو کھلاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم مؤحد ہیں، اور آخرت میں جنت کے حقدار، حالانکہ اگر مطلق اللہ کی معرفت و عبادت اور نیکی و صالحیت کا نام توحید ہے تو پھر دنیا میں کبھی کوئی مشرک پیدا ہی نہیں ہوا۔ پھر تو ابوجہل و ابولہب تک مؤحد ہیں اور ولید و عتبہ تک جنت کے مستحق! آخر جب مسجدیں تعمیر کرنے والے مؤحد ہیں تو کعبۃ اللہ تعمیر کرنے والے کیوں مؤحد نہیں؟ اور اگر روضۂ رسول کی زیارت کرنے والے جنت کے مستحق ہیں تو خود رسولِ کریم ﷺ کو صبح و شام، رات دن دیکھنے والے جہنم کا ایندھن کیوں؟ بلکہ خود محبوبِ خدا ﷺ کا چچا ابولہب اور اس کی گھر والی واصلِ جہنم کیوں؟ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ

شیطان لعین کی فریب کاری:

شیطان مردود، ابلیس لعین آدمی کا دشمن ہے، چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ جہنم میں ڈالا گیا، اس لیے اس کی بھرپور کوشش اور جہدِ مسلسل یہی ہے کہ اولادِ آدم کو گمراہ کرکے اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے۔ توحید چونکہ جہنم سے نجات کا واحد ذریعہ اور شرک

دخولِ جہنم کا راستہ ہے، اس لیے اس مردودِ ازلی نے لوگوں کو توحید کی حقیقت سمجھنے ہی نہیں دی۔ ہمیشہ سے آدمی شرک کر کے بھی توحید کا مدعی بنا پھرتا ہے، اور ایمان لا کر بھی مشرک کا مشرک رہتا ہے۔

توحید کو سمجھنے میں انسانیت نے ہمیشہ یہ ٹھوکر کھائی ہے کہ لوگ اللہ کی معرفت وعبادت یا اللہ تعالیٰ کو واحد جاننے کو توحید سمجھتے رہے ہیں، حالانکہ نہ تو اللہ کی معرفت توحید ہے اور نہ ہی اللہ واحد کی عبادت توحید، یہ تو انسانی فطرت کے لازمی تقاضے ہیں، جنہیں انسان نے ہر دور میں پورا کیا ہے۔ اللہ کا انکار بندے کے بس کی بات نہیں، لہٰذا عام کفار ومشرکین ہی نہیں بلکہ تاریخ کے ہر دور میں بڑے بڑے ائمۃ الکفر نے بھی اللہ کی ذاتِ واحد بلکہ صفات تک کا اقرار کیا ہے، اور عبادتِ الٰہی کے مراسم بھی بجالائے ہیں۔

وجہِ نزاع وخلاف:

نجاتِ آخرت کی واحد صورت توحید ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان پہلے توحید کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لے۔

توحید کی حقیقت سمجھنے کے لیے اس حقیقت کا سراغ لگانا ضروری ہے کہ جب کفارِ قریش ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کے معترف ومعتقد تھے اور اللہ تعالیٰ کو واحد جان کر اس کی عبادت بھی کرتے تھے تو پھر قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید سے کیوں چڑتے تھے؟ آخر کس اختلاف وخلاف کی بنا پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسولؐ سے لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دردناک مظالم ولرزہ انگیز شدائد کا ہدف ونشانہ بن بن کر، آگ میں جل بھن کر، خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر، وطنِ عزیز سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آنا پڑا۔ اس پر بھی ان کی آتشِ بغض وعناد ٹھنڈی نہ ہوئی، یہاں بھی اہلِ حق کو سکھ اور چین سے نہ بیٹھنے دیا، جنگ وجدال اور حرب وضرب کا بازار گرم کیا، جس کے نتیجے میں سینکڑوں پروانگانِ شمعِ توحید ورسالت نے شہادت پائی اور خود صنادید قریش کتوں کی موت مرے۔ صرف ایک دن، غزوۂ بدر میں ابوجہل سمیت ستر عمائد روساء مکہ واصلِ جہنم ہوئے۔ لعنھم اللّٰہ تعالٰی.

نہ صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشرکینِ عرب نے یہ سلوک کیا، بلکہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم المرسلین تک ہر نبی اور رسول اور ان کے صحابہ ورفقا کے ساتھ ہر اُمت کے مترفین واشرار نے یہی رویہ اختیار کیا۔ قرآن کریم اور ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے مطابق بعض حضرات کو قتل کیا گیا، بعض کو آگ میں ڈالا گیا، جلاوطن کیا

گیا، بے طرح مظالم وشدائد کے شکنجے میں کسا گیا، حتیٰ کہ یہود مردود نے ایک ایک دن میں ستر حضرات انبیاء کو شہید کر دیا۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

سوال یہ ہے کہ جب یہ کفار اشرار اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، واحد مانتے تھے تو آخر وہ وجہ نزاع، اصلِ خلاف، بناءِ عناد اور اساسِ فتنہ وفساد کیا تھی؟ جہاں تک مسئلہ کے مثبت پہلو کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ اہل حق واہل باطل کے مابین کوئی خاص فرق نہ تھا اور نہ ہی کوئی خاص وجہ نزاع وخلاف نظر آتی ہے۔ اہل توحید واہل شرک میں جو شدید وبعید اختلاف تھا، محض منفی پہلو سے تھا۔

بھی نہ! ہی!

مشرکین خدا کو بھی مانتے تھے، اور خدا کی بھی عبادت کرتے تھے، لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام حضرات انبیاء علیہم السلام نے خدا ہی کی عبادت کی دعوت دی۔ اسلام خدائے واحد کے سوا ہر معبود کی نفی کرتا ہے اور انسانیت کو صرف الٰہ واحد کی بارگاہ میں جھکاتا ہے، لیکن مشرکین کو اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسرے معبودانِ باطل کی عبادت پر بھی اصرار تھا، سارا خلاف اسی ''بھی'' اور ''ہی'' کا تھا۔

کتاب اللہ اور احادیثِ نبویہ سے اسی وجہ خلاف کا ثبوت ملتا ہے۔ عہدِ آخر کے مجرمین معذبین کے متعلق ارشاد فرمایا:

۱۔ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ. (پارہ ۲۳، الصّٰفّٰت ع ۲)

بیشک وہ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے؟

مشرکین اللہ رب العزت کی الوہیت بلکہ اس کی وحدت کا اقرار تو کرتے تھے، انہیں انکار وغرور تھا تو اللہ تعالیٰ کی وحدتِ الوہیت پر! جب داعی توحید صلی اللہ علیہ وسلم لا الٰہ الا اللہ کی ضرب سے غیر اللہ کی معبودیت والوہیت کی نفی کرتے اور معبودانِ باطل کو پاش پاش فرماتے تھے تو قریشِ مکہ نہ صرف انکار واستکبار کرتے اور ناک بھوں چڑھاتے تھے بلکہ آپے سے باہر ہو کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدفِ سب وشتم بناتے اور شانِ اقدس واطہر میں گستاخیاں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) اس شاعر اور دیوانے کے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو تھوڑا چھوڑ دیں گے۔ ہم اللہ کے ساتھ ان کی پرستش برابر کرتے رہیں گے، ہم انہیں کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

اگلی سورت میں اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ مشرکین سے متعلق ارشاد فرمایا:

۲. وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ○ (پارہ ۲۳۔شروع سورہ صٓ)

اور کافروں نے کہا (معاذ اللہ) یہ جادوگر ہے۔ جھوٹا۔ کیا اس نے اتنے معبودوں (کی جگہ) ایک ہی معبود بنا دیا۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور ان میں سے سردار (یہ کہتے ہوئے) چل کھڑے ہوئے کہ چلو! اور اپنے معبودوں (کی عبادت) پر جمے رہو۔ بیشک اس بات میں کوئی نہ کوئی غرض ہے۔

مشرکین مکہ صرف ایک معبود کے تصور ہی سے بیگانہ تھے، خدائے واحد کو معبودِ واحد ماننے میں انہیں نہ صرف تامل و تردد بلکہ سخت تعجب تھا۔ محض خدائے واحد کی الوہیت و عبادت کی دعوت پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانۂ جور و جفا اور ہدف سب و شتم بنایا گیا۔ کبھی شاعر و مجنون کہا گیا تو کبھی ساحر و کذاب یعنی جادوگر اور جھوٹا۔ نیز یہ بہتان بھی باندھا گیا کہ اس میں آپ کی کوئی ذاتی غرض پوشیدہ ہے، حکومت و بادشاہی کا کوئی منصوبہ ہے۔ (معاذ اللہ) بارگاہِ رسالت میں یہ گستاخیاں محض اس وجہ سے تھیں کہ آپ ہمارے معبودوں کی نفی کر کے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔ یہ بات نا قابل فہم و قبول اور باعثِ حیرت و استعجاب ہے۔ عمائدینِ کفر اور رؤساء قریش اس بات پر طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے: اگر آپ ہمارے معبودوں کی جڑیں کاٹنے پر اڑے ہوئے ہیں تو صبر و تحمل سے ہم بھی اپنے معبودوں کی حمایت و عبادت پر ڈٹے رہیں گے۔ تو ان اشرار کا سارا جوش، غصہ، ملال اور اشتعال محض لا الٰہ الا اللہ پر تھا۔ غیر اللہ کی عبادت کی نفی پر وہ مشتعل ہو جاتے تھے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غیظ و غضب اور بغض و عداوت کی آگ میں جل مرتے تھے۔

قرآن کریم کی تیسری شہادت ملاحظہ ہو:

۳. وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○

(پارہ ۱۵، بنی اسرائیل رکوع ۵)

اور جب آپ قرآن میں اکیلا اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

یوں تو وہ خود خدا کا ذکر کرتے تھے، دُکھ درد میں خدا کو پکارتے تھے، لیکن جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف خدائے واحد کا ذکر کرتا دیکھتے تھے تو برداشت نہیں کر سکتے تھے، وفورِ نفرت سے مجبور ہو کر اُلٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے۔

چوتھی جگہ ارشاد فرمایا:

۴. وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ۝ (پارہ ۲۴. زمر. ع ۵)

اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

مشرکین کا حال ملاحظہ ہو کہ جب اللہ واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل نفرت و کراہت اور غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں، توحید الٰہی سے ناگواری کے باعث ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل گھٹ گھٹ جاتے ہیں، اور غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ ملایا جائے تو مارے خوشی کے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں، باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو:

۵. ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ. (پارہ ۲۴، مومن ع ۲)

یہ اس واسطے ہے کہ جب اکیلا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے، پس یہ خدائے علی و کبیر کا فیصلہ ہے۔

مشرکین جہنم میں اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت پوچھیں گے۔ رب العزت کی طرف سے جواب دیا جائے گا کہ یہ دردناک ہمیشگی کا عذاب محض اس وجہ سے ہے کہ تم خدائے واحد کی وحدانیت کا کفر و انکار کرتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا تھا تو فوراً ایمان و یقین لے آتے تھے۔ اس پر خدائے علی و عظیم کا فیصلہ یہی ہے

ل اِشْمَأَزَّتْ، اِشْمِئْزَازٌ سے ماضی کا صیغہ۔ لغت میں اِشْمِئْزَازٌ کے معنی ہیں کراہت سے رونگٹے کھڑے ہونا، مکروہ جاننا، منقبض ہونا، کراہت کی وجہ سے نفرت کرنا (المنجد) اشمئزاز کے معنی ہیں غم و غصہ سے اس طرح بھر جانا کہ چہرے سے رکاوٹ اور نفرت کا اظہار ہونے لگے۔ (لغات القرآن)

کہ تم جہنم میں ہمیشہ جلتے رہو۔

حقیقت صاف صاف اور واضح طور پر سامنے آگئی کہ اللہ کی پکار کے وہ منکر و مخالف نہ تھے، ان کا کفر و انکار صرف اللہ واحد کی پکار پر تھا۔ اگر اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر کے پکارا جاتا تو وہ اس کو مانتے تھے، سارا خلاف، سارا کفر ایک اللہ کی عبادت پر تھا، وہ منکر تھے تو وحدتِ الوہیت و وحدتِ عبادت کے! وہ مخالف تھے تو توحید باری تعالیٰ کے! وہ تعدد الٰہ و کثرتِ الوہیت کے نہ صرف مقر و معترف تھے بلکہ اس پر سخت مصر تھے۔

مشرکین سابقین: قرآن کریم سے صاف و صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کفارِ قریش اپنے اس طرز عمل میں منفرد نہ تھے، بلکہ انسانیت کی پوری تاریخ میں ہر دور کے مشرکین کا یہی حال رہا ہے۔ قومِ نوحؑ سے لے کر مشرکینِ مکہ تک تمام مشرک قوموں کے حالات کا ذکر ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

٦۔ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ.

کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ (یعنی) قومِ نوحؑ، عاد (قومِ ہودؑ) اور ثمود (قومِ صالحؑ) کی، اور جو ان کے بعد ہوئے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان کے پیغمبر ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے

تو ان تمام مشرک اقوام نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دلائل واضحہ پر مشتمل دعوتِ توحید کا کفر و انکار کرتے ہوئے کہا:

قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ۝ (پارہ ۱۳، ابراہیم، ع ۲)

انہوں نے کہا تم تو ہماری طرح محض ایک آدمی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمارے آباء (واجداد) جس چیز کی عبادت کرتے تھے اس سے ہم کو روک دو۔ سو کوئی صاف معجزہ دکھلاؤ۔

ان تمام مشرکین سابقین کا کفر و انکار محض اس بنا پر تھا کہ حضرات انبیاءؑ و رسلؑ ان کو اللہ کے سوا دوسرے تمام معبودوں کی عبادت سے روکتے تھے۔

اس اجمال کی تفصیل:

اس اجمال قرآنی کی تفصیل بھی قرآن ہی سے ملاحظہ ہو:

قوم نوحؑ: حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی صفات اور اس کے انعامات و احسانات کا ذکر کر کے قوم کو لیل و نہار دعوتِ توحید دی، جس کے جواب میں اکابر قوم نے اپنے تابعین سے کہا:

۷. وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ○ (۲۹: نوح)

اور کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا (بالخصوص) نہ ودّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔

قوم عاد: قوم عاد نے بھی اپنے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کی دعوتِ توحید کا یہی جواب دیا تھا:

۸. قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ج

(پارہ ۸، اعراف ع ۹)

انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان کو چھوڑ دیں؟

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے تو وہ قائل تھے، البتہ وحدتِ عبادت کے منکر تھے۔ صرف اللہ واحد کی عبادت کی دعوت ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ ان کے لیے اللہ کے نبیٔ برحق کی یہ دعوت کہ دوسرے تمام معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کرو، ناقابل قبول، ناقابل یقین بلکہ باعث حیرت و استعجاب تھی۔

دوسری جگہ یہ الفاظ ہیں:

۹. قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (پارہ ۲۶، احقاف، ع ۳)

کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو

بالآخر نبی کی دعوتِ حق کا انہوں نے یہ جواب دیا:

۱۰. قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ (پارہ ۱۲، ہود، ع ۵)

کہا اے ہود! آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور ہم آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں (کی عبادت) کو چھوڑنے والے نہیں۔ اور ہم آپ پر یقین کرنے والے نہیں

تو سارا جھگڑا، اختلاف اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی عبادت پر تھا۔ اللہ کے نبی اس کی اجازت قطعاً نہیں دے سکتے تھے اور کفار مشرکین انہیں چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

قوم ثمود: حضرت صالح علیہ السلام نے بھی قومِ ثمود کو غیر اللہ کی پرستش سے روکا تو ان کی قوم نے ان کو جواب دیا:

۱۱. قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ (پارہ ۱۲۔ ہود، ع۶)

ان لوگوں نے کہا اے صالح ہمیں تو اس سے پہلے آپ سے بڑی اُمیدیں تھیں کیا تم ہم کو ان کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا) کرتے آئے ہیں اور تو ہم کو جس دین کی طرف بلا رہا ہے بیشک ہم تو اس بارے میں شک میں ہیں جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔

اہلِ مدین: حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوتِ توحید کا اہلِ مدین نے جواب دیا:

۱۲. قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا.

(۱۲۔ ہود، ع۸)

کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تم کو حکم کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں (کی پرستش) کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ (دادا) عبادت کرتے تھے۔

۱۳. فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَکَفَرْنَا بِمَا کُنَّا بِهٖ مُشْرِکِیْنَ ۝

(پارہ ۲۴۔ آخر سورہ مومن)

پھر اور انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے اب ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں کے ہم منکر ہوئے جن کو ہم اس کے ساتھ شریک کرتے تھے۔

اقوام واُمم سابقہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضرات انبیاء ورُسُلؑ کی دعوتِ حق کا تحول

اُڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا۔ جب عذاب الٰہی سامنے آیا تو ہوش ٹھکانے آیا۔ اس وقت خدائے واحد پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ یعنی خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کا انکار کر کے ایک خدا کی الوہیت و معبودیت پر ایمان لانے کی سوجھی۔ مگر اب توبہ و انابت کا کیا فائدہ؟ توبہ و ایمان بحالتِ اختیار مقبول ہے، حالتِ اضطرار میں قبول نہیں، اب وقت گزر گیا۔

وقت پر قطرہ ہے بہتر ابر خوش ہنگام کا!
جل گیا جب کھیت مینہ برسا تو پھر کس کام کا؟

خلاصہ: قرآنِ کریم کی ان تصریحات و تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور کے مشرکین وحدتِ الوہیت اور توحیدِ الٰہی کے منکر و مخالف تھے، اور تعددِ اِلٰہ و کثرتِ الوہیت کے قائل! نہ صرف قائل و مقر بلکہ اس پر مصر تھے، شدید مصر!

اِدھر اسلام: اِدھر اسلام اِلٰہ واحد کی الوہیت کا علمبردار ہے اور توحید کا داعی، یہ اللہ تعالیٰ کے بعد متعدد اور بے شمار اِلٰہ تو کجا! کسی دوسرے اِلٰہ کے تصور تک کا تحمل نہیں کرتا۔ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

خاتم النبیین ﷺ

۱. اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ط قُلْ لَّا اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ٥ (پارہ ۷، سورہ انعام، ع ۲)

کیا تم (سچ مچ) یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں آپ کہہ دیجئے میں تو یہ گواہی نہیں دیتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

امام المرسلین ﷺ نہ صرف اِلٰہ واحد کی وحدت و توحید کے داعی و مدعی ہیں بلکہ اللہ واحد کے سوا دوسرے تمام معبودانِ باطل سے بری و بیزار ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۲. وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ٥

(پارہ ۱۴، نحل، ع ۷)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم دو معبود مت بناؤ معبود تو بس وہی ایک ہے۔ پس مجھ

ہی سے ڈرو۔

دینِ اسلام میں دعوتِ محمدی میں دوسرے متعدد معبودوں کی گنجائش کہاں؟ یہاں تو اللہ کے بعد کسی ایک معبود کی بھی جگہ نہیں۔ یہاں اِلٰہ واحد کو تسلیم کرنے کا حکم ہے۔ مسلمان عبادت کرے گا تو ایک اللہ کی، اور ڈرے گا تو ایک اللہ سے! یہاں توحید کا ڈنکا بجتا ہے، یہاں وحدتِ عبادت کا علم لہراتا ہے، یہاں کثرت کہاں؟ یہاں تو دوئی کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تو مشرکین اور اہل اسلام کے درمیان وجہِ نزاع و خلاف، خدا تعالیٰ کی معرفت و عبادت نہیں بلکہ باعثِ عناد و فساد یہ ہے کہ اسلام وحدتِ عبادت توحید الٰہی کا علمبردار ہے۔ یہاں عبادت والوہیت میں دوئی اور شرک، کفر ہے۔ اُدھر مشرکین کو وحدتِ الوہیت و توحیدِ ربانی سے چڑ ہے۔ اسلام وحدتِ عبادت کا داعی ہے اور دوسرے سب معبودوں کی مطلق نفی کرتا ہے، جسے اہل شرک برداشت نہیں کر سکتے، چنانچہ داعیِ توحید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت دیتے ہیں، جس پر روساء مشرکین مشتعل ہو جاتے ہیں۔

امام احمدؒ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ دیلی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے عہد جاہلیت میں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار ذوالمجاز میں فرماتے تھے:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا.

لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے!

آپ کا چچا ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا اور کہتا، انه صابی کاذب (معاذ اللہ) یہ بے دین اور جھوٹا ہے۔ بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ نیز بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ابولہب کہہ رہا تھا، لوگو! یہ تم کو تمہارے آباء و اجداد کے دین سے برگشتہ نہ کر دے، یہ روایت ابونعیم نے بھی دلائل میں وارد کی ہے۔

پھر بیہقی نے کنانہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بازار ذوالمجاز میں فرماتے تھے: ”لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے۔“ ابوجہل آپ کے پیچھے پیچھے آپ پر مٹی پھینکتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، لوگو! یہ تم کو تمہارے دین کے بارے میں دھوکا نہ دے دے، یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑ دو۔[1]

---

[1] ”البدایہ والنہایہ“ جلد ۳ صفحہ ۱۳۹، ۱۴۱۔

یہ شقی ازلی یہ بد بخت و لعین ابولہب و ابو جہل محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اس درجہ آتش زیر پا کیوں ہیں، جب کہ یہ خود اللہ رب العزت کو مانتے ہیں، واحد مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ یہ سارا اشتعال، یہ سارا غم و غصہ، یہ ساری بدزبانی و بے حیائی، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں یہ گستاخی و بدتمیزی، یہ مظاہرہ رذالت و کمینگی یہ سب اس وجہ سے ہے کہ "یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کی عبادت چھوڑ دو" یہ توحید کا علمبردار یہ جمیع حضرات انبیاء و رُسلؑ کا سیّد و سردار اللہ کے سوا دوسرے سب معبودوں کی نفی کیوں کرتا ہے؟ اللہ کی عبادت تو ہم بھی کرتے ہیں، یہ ہمارے معبودوں کی عبادت سے کیوں روکتا ہے، یہ ہمارے باپ دادا کے طور طریقوں سے ہمیں برگشتہ کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف و منہمک کیوں ہے؟

رحمتِ عالم کا استہزاء:

اسی "جرم" کی پاداش میں کفار نابکار رحمتِ عالم کو ہدفِ تضحیک و نشانۂ استہزاء بناتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے، ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ وَاِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ط (۱۹ فرقان، ع ۴)

اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے استہزاء و تمسخر کرنے لگتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ) کیا یہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، بیشک قریب تھا کہ یہ ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا دیتا اگر ہم ان پر (مضبوطی سے) قائم نہ رہتے۔

۲۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّکُمْ عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُکُمْ ج (۲۲۔ سباء، ع ۵)

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محض ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں (کی عبادت) سے باز رکھے جن کو تمہارے آباء (واجداد) پوجتے تھے۔

صاحبِ خلقِ عظیم پر سبّ و شتم کا الزام:

اللہ واحد کی وحدانیت اور غیر اللہ کی الوہیت و معبودیت کی نفی کے "جرمِ عظیم" کی بناء پر کفارِ قریش و اشرارِ مکہ اس ذات پاک پر سبّ و شتم کا ناپاک اور

کمینہ الزام عائد کرتے تھے۔ جس ذات پاک کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام قدیم، قرآن کریم میں "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" سے خطاب فرمایا ہے۔

ابوجہل لعین ہمیشہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے آزار رہتا تھا تو اسی بناء پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ واحد کے سوا دوسرے معبودانِ باطل کی نفی فرماتے تھے، چنانچہ ایک دن اس شقی ازلی نے کہا: اے قریش! اِنَّ مُحَمَّدًا.... شَتَمَ اٰلِھتنا بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے، میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کل ایک بڑا پتھر جسے میں اُٹھا سکوں گا لے کر بیٹھوں گا، جس وقت آپ سجدہ میں ہوں گے اس پتھر سے آپ (کے دشمنوں) کا سر پھوڑ دوں گا۔[1]

بروایت امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو توحید باری تعالیٰ کی دعوت دی تو عتبہ و شیبہ ابنائے ربیعہ، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہم اشرافِ قریش نے مل کر ابو طالب سے کہا:

اِنَّ ابْنَ اَخِیْکَ قَدْ سَبَّ اٰلِھَتَنَا....[2]

تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے....

دیوبندی "نبی کریمؐ کے گستاخ" اور "اولیاء اللہ کے منکر" ہیں:

گالی دینا نبی کریمؐ، صاحب خلقِ عظیم کی شانِ اقدس واطہر سے قطعاً بعید ہی نہیں بلکہ یکسر خلاف ہے۔ گو مشرکینِ مکہ کے بت ہی سہی، مگر ان کو بھی آپ کے گالی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں آپ ان کے معبودانِ باطل کی نفی ضرور فرماتے تھے۔ اور وہ بدنہاد اسی کو سبّ و شتم سے تعبیر کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح آج علماء حق جب غیر اللہ کی الوہیت اور حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کی معبودیت کی نفی کرتے ہیں تو علماء سوء اور جاہل صوفی اور مشرک پیر سب یہی کہتے ہیں کہ یہ دیوبندی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہیں (معاذ اللہ) اور اولیاء اللہ کے منکر و دشمن ہیں (ثم معاذ اللہ)۔

اُسوۂ خلیلؑ:

اُسوۂ حبیب محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُسوۂ خلیلؑ ملاحظہ ہو:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم بھی اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی

---

[1] "سیرت ابن ہشام" جلد اوّل صفحہ ۳۱۹۔ [2] "سیرت ابن ہشام" جلد اوّل صفحہ ۲۸۲۔

پرستش کرتی تھی۔ حضرت خلیلؑ نے انہیں وحدتِ الوہیت کی دعوت دی اور خدائے واحد کی توحید پر ایمان لانے کے لیے فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ

(پارہ ۲۸، ممتحنہ، رکوع اوّل)

بیشک تمہارے لیے ابراہیمؑ اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

جب تک تم صرف خدائے واحد کی عبادت نہیں کرتے، اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی پرستش کرتے ہو، ہم تم سے بری و بیزار ہیں، ہمارے تمہارے درمیان محبت و الفت کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا، ہماری تمہاری کھلی دشمنی ہے، ہم تم سے برملا بغض و عداوت رکھتے ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں اور تمہارے معبودانِ باطل کا بھی انکار کرتے ہیں، ہم ان سے بھی بری و بیزار ہیں

معلوم ہوا اہل توحید اور اہل شرک میں رسم و راہِ محبت و اخوت غلط ہے۔ موحدین و مشرکین میں باہم بغض و عداوت لازم ہے۔ یہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اُسوۂ حسنہ معمول و دستور اور طور طریقہ تھا۔ اور ہمیں اسی کی اتباع و تقلید کا حکم دیا گیا ہے۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ.

مگر آہ! آج عجیب زمانہ ہے کہ موحد مسلمانوں کے مشرکین کے ساتھ نہ صرف دوستی و محبت کے روابط و تعلقات ہیں، بلکہ باہم عقد و مناکحت تک کے رشتے قائم ہیں۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. باہمی محبت کی بنیاد تو توحید ہے، اللہ واحد پر ایمان ہے، جب تک یہ بنیاد موجود نہ ہو، محبت کیسی؟

غزوۂ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن مشرکینِ مکہ کے ساتھ ہو کر اہل توحید سے برسرِ پیکار تھے۔ جنگ کے بڑی مدت بعد ایک دن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ غزوۂ بدر کے دوران آپ میری تلوار کی زد پر آ گئے تھے مگر میں نے آپ کے باپ ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے وار نہ کیا۔

پاسِ ناموسِ حقوقِ پدری نے روکا
دوسری سمت کو رُخ اپنا لیا میں نے بدل
سن کے یہ حضرت صدیقؓ نے ارشاد کیا
راہِ حق میں نہیں رشتے کی رعایت کا محل
تو مری زد پہ جو آتا تو نہ بچ کر جاتا
یہ مری تیغ تھی تیرے لیے پیغامِ اَجل
دشمنِ دین سے مسلماں کی قرابت کیسی؟
اس کا رشتہ ہے فقط حبِ خدا عَزَّ وَ جَلّ

(شبلی نعمانیؒ)

محبت و الفت اور قرابت و یگانگت کا رشتہ توحید ہے، خدا اور رسول کی محبت ہے، مشرک سے مسلمان کی محبت و اخوت کے کیا معنیٰ؟ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اُسوۂ یعقوبؑ و ابنائے یعقوبؑ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو خدائے واحد ہی کی عبادت کی تعلیم دی اور اپنی وفات کے وقت بھی اس کا امتحان کر کے انہوں نے اپنی تسلی کر لی کہ میرے بعد میری اولاد الٰہ واحد ہی کی عبادت کرے گی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ. (پارہ اوّل آخری رکوع)

کیا تم موجود تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے آباؤ (واجداد حضرات) ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے (یعنی اسی کی) جو معبود واحد ہے اور ہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

وحدتِ الوہیت: حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، خلیل اللہ علیہ السلام نے حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ اور ابنائے یعقوب علیہ السلام نے اِلٰهًا وَّاحِدًا کے الفاظ سے اللہ واحد کی الوہیت کا اعلان فرمایا ہے، نہ صرف ان حضرات علیہم السلام نے بلکہ اللہ کے ہر نبی نے وحدتِ الوہیت اور توحیدِ الٰہی کی دنیا کو دعوت دی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا ہے وہاں غیر اللہ کی عبادت کی صراحت اور شدت سے نہی فرمائی ہے۔ مثلاً

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

(پارہ ۱۴، سورہ نحل، رکوع ۵)

ہم ہر اُمت میں (اس بات کی تعلیم کے لیے) پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم (خاص) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچتے رہو۔

امام مالکؒ، امام ابواسحاق، امام ابن جریر طبری، امام راغب اصفہانی وغیرہم اجلہ ائمہ دین کے نزدیک طاغوت سے مراد ہر وہ چیز ہے، جس کی خدا کے سوا عبادت کی جائے۔

امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ خدا کے سوا جس کی عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے۔

اِنْسَانًا كَانَ ذٰلِكَ الْمَعْبُوْدُ اَوْ شَيْطَانًا اَوْ وَثَنًا اَوْ صَنَمًا اَوْ كَائِنًا مَا كَانَ مِنْ شَیْءٍ. (تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳ ص ۱۲)

خواہ وہ معبود انسان ہو یا شیطان، بت ہو یا مورتی، یا کوئی سی چیز ہو۔

تو اللہ کے ہر رسول نے اپنی اپنی اُمت کو توحید کی دعوت دی، اللہ واحد کی عبادت کا حکم دیا اور غیر اللہ کی پرستش سے روکا۔

مومنین ومشرکین کا کفر وایمان!

مشرکین اللہ وحدہ کی وحدت، عبادت کے منکر و کافر تھے، اور معبودانِ باطل پر ان کا ایمان تھا۔ مسلمان اللہ واحد کی وحدت و توحید پر ایمان رکھتے ہیں اور معبودانِ باطل کے کافر و منکر ہیں۔ چنانچہ سابقہ معذب و معتوب قوموں نے جب عذابِ الٰہی میں اپنے آپ کو مبتلا و گرفتار پایا تو اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ[1] کا نعرہ لگایا (۲۴، آخر سورہ مومن)۔ تو مشرکین

---

[1] ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور دوسرے سب باطل معبودوں کا ہم نے کفر کیا۔

و مسلمین دونوں کفر و ایمان دونوں صفات کے حامل ہیں۔ مسلمان خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں یعنی وحدتِ الٰہی پر ان کا ایمان و یقین ہے اور دوسرے سب باطل معبودوں کے یہ کافر و منکر ہیں، یعنی عبادت کا حق یہ کسی کو نہیں دیتے، اور مشرکین وحدتِ الوہیت کے کافر و منکر ہیں اور دوسرے معبودوں کی عبادت و الوہیت پر ان کا ایمان ہے۔

ذیل کی روایت سے یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے:

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

جب دوپہر شعلۂ جوالہ بن جاتی تو اُمیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شہر سے نکال کر مکہ کی ریتلی اور کنکریالی زمین پر لے جاتا، جلتی ریت پر لٹا دیتا۔

ثُمَّ يَأْمُرُ بِالصَّخْرَةِ الْعَظِيْمَةِ فتوضع عَلٰى صَدْرِهٖ، ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ، لَا وَاللّٰهِ لَا تَزَالُ هٰكَذَا حَتّٰى تَمُوْتَ، اَوْ تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، وَتَعْبُدَ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى فَيَقُوْلُ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ الْبَلَاءِ.

پھر حکم دیتا اور پتھر کی چٹان ان کے سینہ پر رکھ دی جاتی (تاکہ جنبش نہ کر سکیں) پھر ان سے کہتا، خدا کی قسم! تو اسی حال میں مر جائے گا یا تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر دے، اور لات و عزیٰ کی پرستش کرے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی عالم ابتلاء و آزمائش میں فرماتے، احدٌ احدٌ۔[1]

اس روایت سے مشرکین مکہ اور اصحابِ رسولؐ کے عقیدہ و تصور اور ایمان و یقین کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور دونوں کا فرق کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ:

کفارِ قریش، مشرکینِ مکہ خدا کو مانتے ہوئے، اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے غیر اللہ کی عبادت لات و عزیٰ کی پرستش کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لے آنے والا شمع توحید کا پروانہ بلالؓ صرف خدائے واحد کی عبادت کا اعلان کرتا ہے۔ احد احد کہہ کر غیر اللہ کی نفی کرتا ہے۔ وہ موت تو قبول کر سکتا ہے مگر خدائے واحد کی عبادت سے ہٹ کر لات و عزیٰ کی عبادت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسی حقیقت کا انکشاف ایک اور روایت سے ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) زنیرہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں رقمطراز ہیں:

---

[1] "سیرت ابن ہشامؒ" جلد اوّل صفحہ ۳۳۹، ۳۴۰ و "طبقات ابن سعدؒ" جلد ۳ ص ۲۳۲۔

وہ سب سے پہلے اسلام لانے والوں اور ان صحابہؓ میں سے تھیں جو اللہ کی راہ میں مبتلائے عذاب ہوئے۔ ابوجہل (لعین) آپ کو تعذیب و تکلیف دیا کرتا تھا اور آپ ان سات اشخاص میں سے ہیں جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر عذاب سے چھڑایا۔

فاکہی اور ابن مندہ (رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ:

حضرت زِنِّیرَہ رضی اللہ عنہا رومیہ تھیں، اسلام لائیں تو ان کی بینائی جاتی رہی۔

فَقَال المشر کون اعمتها اللَّات وَالعزّٰی، فَقَالت اِنّی کفرتُ باللّات والعزّی، فرد اللّٰه الیهَا بَصَرَها[1]

مشرکین کہنے لگے کہ انہیں لات وعزّیٰ نے نابینا کر دیا ہے، حضرت زنیرہ نے فرمایا: میں لات وعزّیٰ کا انکار کرتی ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت پھر بحال کر دی (اور وہ بینا ہو گئیں)

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام ابن اسحاق رحمہ اللہ سے حضرت عروہ (بن زبیرؓ) کی جو روایات نقل کی ہے اس میں ہے:

فقال المشر کون اعتمها اللّٰاتُ والعزّٰی لکفرها باللّاتِ والعزّی.[2]

مشرکین نے کہا کہ چونکہ اس نے لات وعزّیٰ کا کفر کیا ہے لہٰذا لات وعزّیٰ نے اسے نابینا کر دیا ہے۔

تو اسلام توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور غیر اللہ کی عبادت کی نفی کا نام ہے۔ جب ایک شخص اسلام قبول کرتا اور نورِ ایمان سے منور ہوتا ہے تو خدائے واحد پر ایمان لانے کے ساتھ معبودانِ باطل کا کفر وانکار کرتا ہے، اس کے بغیر خدائے واحد پر ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی، چنانچہ مشرکین اس حقیقت کو خوب جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدائے محمد پر ایمان لانا لات وعزّیٰ کا انکار کرنا ہے، اس لیے وہ کہتے تھے کہ (حضرت) زنیرہؓ، ہمارے معبودوں لات وعزّیٰ کا کفر و انکار کرتی ہے۔ قریشِ مکہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ دعوتِ محمدی پر ایمان لانے کے بعد لات وعزّیٰ وغیرہ معبودانِ باطل کی پوجا پاٹ کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس لیے تو وہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتے تھے کہ محمد (کریم) کا کفر وانکار کرو اور لات وعزّیٰ کی

[1] "اصابہ" مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳۰۵ ترجمہ حضرت زنیرہؓ۔

[2] "استیعاب" ترجمہ حضرت زنیرہؓ۔

عبادت کرو۔ مگر وہ شمع توحید و نبوت کا پروانہ زہرہ گداز و جانگسل مصائب کو انتہائی صبر و ثبات سے برداشت کرتا اور زبان سے احد، احد کہتا تھا۔

تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و خدائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کو معبودانِ باطل کا کفر لازم ہے۔ اگر دعوتِ محمدیؐ پر صحیح ایمان و یقین ہے تو ہر غیر اللہ کی الوہیت و معبودیت کا انکار کرنا ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ مبِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَانْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (پارہ ۳، بقرہ، رکوع ۳۴)

سو جو شخص شیطان کا کفر کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جو (کبھی) ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

بہر حال شرک واللہ واحد کی وحدتِ عبادت و وحدتِ الوہیت سے کفر و انکار کا نام ہے اور اسلام خدائے واحد کے سوا تمام معبودانِ باطل کے کفر و انکار سے عبارت ہے۔ یہی مشرکین جب تک کافر و مشرک تھے صرف خدائے واحد کی عبادت کے مخالف و معاند تھے، اور ماسوی اللہ اپنے معبودوں کی عبادت پر انہیں شدید اصرار تھا، صرف ایک خدا کے ذکر یا اللہ واحد کی عبادت پر چراغ پا اور کف بدہن ہو جاتے تھے، مگر یہی لوگ جب نور ایمان سے منور و مستنیر ہوئے تو اپنے انہی معبودانِ باطل کو گرایا، جلایا، گندی نالیوں میں بہایا، پاؤں تلے روندا اور کچلا۔

مشرکینِ عرب کے معبودانِ باطل کا انجام!

قریش کے باطل معبودوں کی جو درگت خود قریش کے ہاتھوں بنی، ذرا اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

۱۔ فتح مکہ کے دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، اس سے بتوں کو ضرب لگاتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے، جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا[1]

۲۔ سیرت کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لکڑی کی کمان تھی۔ آپ جس بت کے

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۃ الفتح، و صحیح مسلم باب فتح مکہ (ترمذی، نسائی اور عبدالرزاق نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (ابن کثیر)

پاس سے گزرتے اسی کمان سے اس بت کی طرف اشارہ فرماتے اور فرماتے، جَآءَ الْحَقُّ ..
اور بت منہ کے بل گر جاتا، ہر بت کا یہی حال ہوا۔[1]

ہبل: ہبل اعظم الاصنام تھا۔ حضرت ابو سفیانؓ نے جنگِ اُحد کے موقع پر اسی کی جے پکاری تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کمان کے سرے سے اس کی آنکھوں میں کچوکے دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے اسے توڑ دیا گیا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان سے فرمایا: غزوۂ اُحد میں جس ہبل پر تجھ کو فخر و غرور تھا اور تیرا زعم باطل تھا کہ اس نے تمہارے اوپر فضل کیا، وہ ہبل آج توڑ دیا گیا۔ حضرت ابو سفیانؓ نے کہا: اے ابن العوام! ان باتوں کو جانے دیجئے۔

فقد اری لو کان مع الٰہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیرٌ لکان غیر ما کان۔[2]

اب یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الٰہ واحد کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو آج یہ معاملہ نہ ہوتا۔

معبود پیروں تلے کچلے گئے: فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور قیامت پر، وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رہنے دے بلکہ اسے توڑ دے، فلا یدع فی بیتہٖ صنمًا اِلّا کَسَرہٗ. اور جب (ابو سفیانؓ کی اہلیہ) حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائیں تو اپنے بت کے پاس آئیں جو ان کے گھر میں تھا۔

وَجَعَلَتْ تضربہ بالقدوم وتقول کُنَّا منک فی غرورٍ.[3]

اور اسے اپنے پاؤں تلے کچلنے لگیں اور کہتی جاتی تھیں، ہم تیری وجہ سے بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے تھے۔

لات: اب ذرا لات کا حال ملاحظہ ہو جو طائف میں بنو ثقیف کا مشہور بت تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ کو حضرت خالدؓ بن ولید کی زیرِ سیادت لات کو توڑنے اور مندر کو ڈھا دینے پر مامور فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جا کر بت کو توڑ کر

---

[1] "طبقات ابن سعد" جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، و "سیرت ابن ہشام" جلد ۲ ص ۵۹۔
[2] "سیرت حلبیہ" جلد ثانی صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱، مطبوعہ مصر۔ [3] ایضاً صفحہ ۲۷۷۔

مندر کو ڈھا دیا، اور آگ لگا دی۔ شداد بن عارض جشمی شاعر نے قبیلہ ثقیف کو لات کی دوبارہ پرستش سے روکتے ہوئے کہا:

لَا تَنْصُرُوا اللَّاتَ اِنَّ اللّٰهَ مُهْلِكُهَا وَكَيْفَ نَصْرُكُمْ مَنْ لَيْسَ يَنْتَصِرُ، اِنَّ الَّتِيْ حُرِّقَتْ بِالنَّارِ فَاشْتَعَلَتْ وَلَمْ تُقَاتِلْ لَدٰى اَحْجَارِهَا هَدَرٌ۔[1]

لات کی حمایت نہ کرو، حقیقت میں اللہ اس کو غارت کرنے والا ہے، جو خود اپنی مدد نہیں کرسکتا وہ تمہاری مدد کیسے کرسکتا ہے؟ جس کو آگ میں جلا دیا گیا اور آگ بھڑک اٹھی اور وہ اپنے پتھروں کے پاس نہ لڑ سکا، اس کی بربادی ناقابل معاوضہ ہے۔[1]

ابن ہشامؒ کی روایت ہے کہ لات کو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کدال کی پیہم ضربوں سے پیوندِ زمین کر دیا۔[2]

کل تک جو لات ان کے زعم باطل میں ان کی حفاظت اور مدد کرتا تھا اور پوجا جاتا تھا آج کدال کی پیاپے ضربوں سے توڑ پھوڑ کر نذر آتش کر دیا گیا۔ آگ کے شعلوں نے اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

مناۃ: اب مناۃ کا حشر ملاحظہ ہو، جو عرب کے سارے قبائل کا معبود تھا۔ خصوصاً اوس و خزرج (انصار) اس کی عبادت و پرستش میں اشد تھے۔ انصار، ازد اور غسان اس کا حج کرتے تھے، بروایت اُم المومنین سیدہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا انصار اور غسان مناۃ پر مراسم حج ادا کرتے تھے۔[3]

فتح مکہ ہی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ اسے پیوندِ خاک کرنے کے لیے بھیجا، انہوں نے جا کر بت کو منہدم کر دیا۔[4]

یہ مناۃ کا انجام ہوا، جو انصار و غیر انصار سب کا معبود تھا۔ آج اسے منہدم کر کے خاک میں ملا دیا گیا۔

عُزّٰی: اب عزیٰ کا انجام ملاحظہ ہو، جو قریش کا بہت مشہور اور سب سے بڑا بت تھا۔ حضرت ابوسفیانؓ نے غزوۂ اُحد میں اسی پر فخر و ناز کرتے ہوئے کہا تھا، لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى

---

[1] "لغات القرآن" جلد پنجم صفحہ ۱۹۸، ۱۹۹۔ [2] "سیرت ابن ہشام" مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۱۸۶۔
[3] صحیح بخاری کتاب الحج و کتاب التفسیر (سورہ النجم)۔ [4] "طبقات ابن سعد" جلد ۲ صفحہ ۱۴۷۔

لکُمۡ. فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسے منہدم کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ تیس سواروں کے ساتھ ۲۵ رمضان ۸ھ کو روانہ ہوئے۔[1]

امام ابن کثیرؒ اور علامہ علی بن برہان الدین الحلبیؒ لکھتے ہیں:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جا کر عزیٰ کو گرا دیا، گراتے وقت آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے ۔

یَا عُزّٰی کُفۡرَانَکِ، لَا سُبۡحَانَکِ، اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اللّٰہَ قَدۡ اَھَانَکِ.

اے عزیٰ! میں تیرا انکار کرتا ہو، تیری پاکی نہیں، بلاشبہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ نے تجھے ذلیل کر دیا۔

کل غزوۂ اُحد کے موقع پر جس کی جے پکاری جا رہی تھی، آج اسی عزیٰ کو ڈھا کر خاک میں ملا دیا گیا، اور انہی اکابر قریش کے ہاتھوں، آج اس کا کفر و انکار کیا جا رہا ہے اور انہی عمائدینِ کفر و رؤساء قریش کی زبان سے!

تو جب تک معبودانِ باطل، غیر اللہ کی معبودیت و الوہیت کا کفر و انکار نہ کیا جائے اللہ کی توحید اور ایمان و اسلام کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اسلام نام ہی اللہ واحد پر ایمان لانے اور معبودانِ غیر اللہ کے کفر و انکار کرنے کا ہے، قولہٗ تعالیٰ:

فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَیُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَا انۡفِصَامَ لَھَا.

خلاصہ: توحید اللہ تعالیٰ کی عبادت کا نام نہیں، توحید اللہ ہی کی عبادت کا نام ہے، اسلام اللہ واحد کے سوا ہر معبود کی نفی کرتا ہے، اور توحید کی حقیقت شرک کی نفی ہے۔

ایک عجیب نکتہ: پورے قرآن میں توحید کا لفظ نہیں ہے، جس توحید کے لیے قرآن نازل ہوا، بلکہ تمام کتب سماویہ نازل ہوئیں، قرآن کریم میں اس توحید کا لفظ بھی نہیں ؏

بہار میرے لیے اور میں تہی دامن

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی عموماً توحید کا لفظ نہیں۔ جس توحید کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریفین خونِ اطہر سے تربتر ہوئیں،

---

[1] "طبقات" جلد ۲ ص ۱۴۵۔ [2] "لغات القرآن" جلد ۳ صفحہ ۲۹۶ بحوالہ تفسیر ابن کثیر طبع مصر جلد ۴ صفحہ ۲۵۳۔

[3] "سیرت حلبیہ" مطبوعہ مصر جلد ۲۔

دندانِ مبارک ٹوٹے، چہرہ اقدس زخمی ہوا اور پورا وجود پاک لہو میں نہا گیا، اُحد کی سرزمین لالہ زار بن گئی، ساری عمر آپ کی زبانِ پاک پر اس "توحید" کا لفظ نہیں آیا۔ پوری انسانیت کو نبی اُمّی نے آخر دم تک اللہ کی توحید کا درس دیا مگر لسانِ نبوت عموماً توحید کے لفظ سے آشنا نہ ہوئی۔

اس عجیب نکتہ میں توحید کی حقیقت کا سارا راز مستور و مخفی ہے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انداز و اسلوب سے اس حقیقت کی غمازی ہوتی ہے کہ توحید کی حقیقت شرک کی نفی ہے۔ توحید نام ہی نفی شرک کا ہے۔ شرک کے جھاڑ جھنکار کاٹ چھانٹ لو، خارزارِ شرک سے دل کی دنیا کو پاک صاف کر لو، توحید کے گل و گلزار خود بخود نمودار ہوں گے، چمنستان و گلستانِ توحید از خود آباد ہو جائیں گے۔

چنانچہ قرآن و حدیث میں ہر جگہ شرک کی نفی فرمائی گئی ہے، پورا قرآن اور احادیثِ پاک کا سارا دفتر شرک کی تردید و مذمت سے معمور و لبریز ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرک کی نفی ہی توحید کا اثبات ہے۔ جب تک شرک کا کلیۃً سدِ باب اور قلع قمع نہیں ہوتا توحید ثابت و متحقق نہیں ہو سکتی۔

توحید نفی شرک کا نام ہے۔ چنانچہ کلمہ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ شرک کی نفی پر مشتمل ہے۔ جس میں ایک اللہ کے سوا ہر معبود کی نفی کی گئی ہے۔

نفی و اثبات:

اسلام خدائے واحد پر ایمان و یقین اور معبودانِ باطل کے کفر و انکار سے عبارت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت و معبودیت کا اثبات اور غیر اللہ کی عبادت کی نفی!

حضرات انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد:

یوں تو انسان نے فطرت کے تقاضے کے تحت اللہ تعالیٰ کو ایک جانا ہے اور اپنے رنگ ڈھنگ سے ہمیشہ اس کی عبادت بھی کی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے رحیم و کریم مولا نے اپنی عبادت کا صحیح حق ادا کرنے کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے خاص الخاص، منتخب اور برگزیدہ بندوں کو بھیجا، حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے ہر حالت میں ہر قیمت پر بندوں کو اللہ کی عبادت کی، کما حقہٗ عبادت کی تعلیم دی، جان کی بازی لگا کر خلقِ خدا کو توحید کا درس دیا، اور توحید کی حقیقت اور اللہ کی عبادت کا حق یہ بتلایا کہ صرف اسی ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ عبادت حق ہی اللہ واحد کا ہے۔ اس ذات اَحد و صَمَد کے سوا نہ عبادت کسی کا حق ہے اور نہ کسی دوسرے کی عبادت کی جائے۔

پہلے نفی اور پھر اثبات:

اور ہر رسولؑ نے اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت و توحید کا جو درس دیا، اس میں پہلے غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے، اللہ کی الوہیت و معبودیت کا ذکر و اثبات بعد میں ہے۔ لا الٰہ پہلے ہے اور الّا اللہ بعد میں۔ ہر پیغمبر نے اپنی اُمت کو جہاں اللہ جل جلالہٗ کی عبادت کی دعوت دی، وہاں غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کا حکم ساتھ دیا۔ بلکہ اللہ کی عبادت سے پہلے غیر اللہ کی الوہیت کی نفی کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ (پارہ ۱۷۔ سورہ الانبیاء، رکوع ۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدۂ توحید باری تعالیٰ پر جمیع حضرات انبیاء و مرسلین کا اتفاق و اجماع رہا ہے اور اللہ کے تمام پیغمبر غیر اللہ کی عبادت کی نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دینے آئے تھے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ وحی الٰہی میں پہلے غیر اللہ کی الوہیت و معبودیت کی نفی ہے بعد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم!

۲۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۔ (پارہ ۱۴۔ سورہ نحل، رکوع اوّل)

وہ فرشتوں (جبرئیلؑ) کو وحی یعنی اپنا حکم دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں نازل فرماتے ہیں، یہ کہ ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ سے ڈرو۔

اس ارشادِ ربانی سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو دعوتِ توحید کا حکم دیا گیا اور شرک کی نفی حضرات انبیاء کی مشترکہ شریعت ہے۔ جمیع حضرات انبیاءؑ و رُسُلؑ نے اپنی اپنی اُمت کو اسی وحی الٰہی کا سبق دیا کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔

توحید کی دعوت اور شرک کی ممانعت تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماعی عمل، متحدہ کردار بلکہ ان کا مقصدِ بعثت و منصبِ رسالت ہے۔

رسولِؐ خاتم کی دعوتِ توحید:

جہاں آپؐ سے پہلے جمیع حضرات انبیاء و رُسل علیہم السلام کی بعثت کا مقصد، توحید کی دعوت تھا، وہاں نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بھی خدائے واحد کی عبادت اور شرک کی مذمت و مخالفت پر مشتمل تھی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اسلام لانے سے قبل) میں بنو مالک کے ساتھ مقوقس (شاہِ مصر) کے پاس گیا۔ تو مقوقس نے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کن باتوں کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم نے کہا:

يَدْعُوْنَا اِلٰى اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَخْلَعَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا[1]

آپ ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم صرف خدائے واحد کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور ہمارے آباء و اجداد جن کی عبادت کرتے آئے ہیں ان کو بالکل چھوڑ دیں۔

---

[1] رواہ الواقدی کذا فی الجواب الصحیح ("ترجمان السنۃ" جلد سوم ص ۱۷۱)

(٦)

شرک وتوحید کی نفی واثبات کے متعدد اسلوب و انداز!

قرآن حکیم اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انداز و متعدد اسلوب سے توحید باری تعالیٰ کی تعلیم دی ہے، یعنی خدائے واحد کے لیے وحدتِ عبادت کا اثبات و ایجاب اور غیر اللہ کی الوہیت و معبودیت کی سراسر نفی فرمائی ہے، اور ایک انداز سے نہیں، بلکہ کئی انداز سے! کتاب و سنت سے یہ عجیب و اثر انگیز تفصیل ملاحظہ ہو۔

انداز ۱

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ!

(اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں)

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام
۲۔ حضرت ہود علیہ السلام
۳۔ حضرت صالح علیہ السلام
۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام

قرآنِ کریم کے تین پاروں (۸، ۱۲، ۱۸) میں تین سورتوں (اعراف، ہود، مؤمنون) کے اندر نو ۹ مقامات[۱] پر ہے کہ ان چاروں حضرات نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ. تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام: حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی غیر اللہ کی معبودیت کی نفی کرتے ہوئے بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں:

۱۰. قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ.

(پارہ ۹، سورہ اعراف، رکوع ۱۶)

---

[۱] دو دو مقامات پر ان چاروں حضرات کے اسماء مبارکہ مذکور ہیں۔ اور سورہ مؤمنون رکوع دوم میں بلا اسم گرامی ایک رسول کا ذکر ہے، انہوں نے فرمایا: اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ.

کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی اور معبود تلاش کروں، حالانکہ اس نے تمہیں
تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

۶۔ امام المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: خاتم الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر اللہ کی ربوبیت والوہیت کی نفی کا حکم ہوتا ہے۔

۱۱. قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ.

(پارہ ۸. سورۃ انعام. رکوع ۲۰)

آپ فرما دیجئے، کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں، حالانکہ وہی ہر
چیز کا پروردگار ہے۔

دوسرے مقام پر زیادہ زوردار اور شدید انداز میں عبادت غیر اللہ کی نفی ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۱۲. قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْنِّیْ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ. (پارہ ۲۴۔ زمر آخری رکوع)

آپ کہہ دیجئے اے جاہلو! کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کا حکم کرتے ہو؟

جہالت وحماقت کی انتہا:

اس ارشادِ ربانی سے یہ حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ غیر اللہ کی عبادت انتہائی جہالت وحماقت اور نادانی و بلادت ہے

۱۳. قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ.

(پارہ ۷. انعام. رکوع ۲)

آپ کہئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بناؤں جو آسمانوں اور زمین کے پیدا
کرنے والے ہیں اور جو (سب) کو کھلاتے ہیں اور ان کو کوئی نہیں کھلاتا۔

خلاصہ: یہ کل تیرہ[۱۳] مقامات ہیں جن میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرات انبیاء علیہم السلام نے غیر اللہ کی پرستش کی عجیب موثر انداز اور شدید الفاظ میں نفی کی ہے۔

انداز ۲

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

(اللہ کے سوا کون معبود ہے؟)

دیکھئے کس عجیب انداز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدتِ معبودیت کے ساتھ غیر اللہ کی نفی کی

جاری ہے۔ مثلاً:

۱. قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ (پارہ ۷، انعام، رکوع ۵)

آپ کہئے! کہ یہ بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت، تمہاری بینائی لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو اللہ کے سوا اور کون معبود ہے جو تم کو یہ (واپس) لادے

۲. قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ. (۲۰ قصص، رکوع ۷)

۳۔ متصل اگلی آیت میں بھی ہے: مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ.

۴. اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. (۲۷۔ طور، آخری رکوع)

کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

خلاصہ: یہ چار مقامات پر غیر اللہ کی الوہیت وعبادت کی نفی کی گئی ہے۔

''غیر اللہ'' کے افراد: امام المرسلین سمیت تمام اجلہ انبیاء ورسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نے عبادت، اللہ رب العزت ہی کا حق فرمایا ہے اور غیر اللہ کی عبادت کی کلیۃً نفی فرمائی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر اللہ کی عبادت کو حماقت و جہالت بھی قرار دیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''غیر اللہ'' سے کیا مراد ہے اور اس کے افراد کون کون ہیں؟ اس سوال کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ غیر اللہ سے مراد اللہ کے سوا ہر چیز ہے۔ شجر، حجر، قبر، صنم، وثن، شمس و قمر، ستارے، فرشتے، جن، انسان، ولی اور نبی سب غیر اللہ کے افراد ہیں۔ الغرض ماسوی اللہ ہر چیز اور ہر شخص غیر اللہ میں داخل وشامل ہے۔

تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی وغیرہا اکثر تفاسیر میں آیت کریمہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ... کے شانِ نزول میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ ابو رافع قرظی وغیرہ علماء یہود و نصاریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے محمد! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں ہم آپ کی عبادت کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ نَعْبُدَ غَیْرَ اللّٰہِ اَوْ نَأمُرَ بِعِبَادَةِ غَیْرِہٖ مَا بِذٰلِکَ بَعَثَنِیْ وَلَا بِذٰلِکَ اَمَرَنِیْ۔[1]

خدا کی پناہ اس سے کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کریں یا غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا، اور نہ ہی مجھے اس کا حکم دیا ہے۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات پاک کو غیرہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ تو امام المرسلین بھی غیر اللہ کے افراد ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

ناخدا ترسی کا بدترین مظاہرہ اور سادہ مسلمانوں کو ایمان سوز مغالطہ:

بعض وہ بندگانِ خدا جن کے دل خوفِ خدا سے خالی ہیں، اور جنہیں شاید مر کر خدا کے پیش نہیں ہونا، انتہائی بیباکی سے سیدھے سادے عوام مسلمین کو یہ فریب دیتے ہیں کہ "غیر اللہ کی عبدت کو تو ہم بھی شرک سمجھتے ہیں، بھلا کون ہے جو غیر اللہ کی عبادت کو جائز سمجھے؟ البتہ سوال یہ ہے کہ حضرات انبیاء و اولیاء خصوصاً محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی غیر اللہ میں داخل ہیں؟ ہم تو انہیں غیر اللہ نہیں مانتے، غیر اللہ سے مراد تو صرف بت اور پتھر وغیرہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور اللہ کے سب ولی تو اللہ کے اپنے ہیں، انہیں کون غیر اللہ کہہ سکتا ہے، انہیں غیر اللہ میں شامل کرنا تو انتہائی گستاخی ہے، جس کا ارتکاب دیوبندی وہابیوں کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ ہمارے نزدیک تو یہ اللہ کے اپنے ہیں، غیر نہیں، غیر تو بت وغیرہ ہیں لہٰذا بتوں کی پوجا حرام ہے، اولیاء اللہ کی قبروں کی چوما چاٹی، ان کے سجدے، خانقاہوں پر چڑھاوے، منّت منوتی، اماموں نبیوں کی دُکھ سکھ میں پکار، دعا، یہ تو سب عین دین ہے، کون ہے جو ان کے جواز میں کلام کر سکے۔"

جب ایک سیدھا سادا عامی مسلمان "حضرت شیخ التفسیر یا شیخ الحدیث" یا "پہنچے ہوئے پیر صاحب" کی زبان "درافشان" سے یہ "محبت آمیز" "عشق انگیز" تقریر "دلپذیر" سنتا ہے تو سر دھنتا ہے اور کہتا ہے واقعی "حضرت صاحب" سچ کہتے ہیں، یہ دیوبندی واقعی وہابی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور اولیاء اللہ کے منکر ہیں کہ محبوبِ خدا کو بھی "غیر اللہ" میں داخل کرتے ہیں، حالانکہ وہ تو اللہ کے اپنے ہیں، غیر کہاں؟

---

[1] تفسیر "روح المعانی" جلد ۳ صفحہ ۲۰۷ تفسیر آیت مَا کَانَ لِبَشَرٍ....

دیوبندی اگر وہابی ہیں تو ”حضرت صاحب“؟

مگر وہ سادہ سا مسلمان اتنا نہیں سوچ سکتا کہ دیوبندی تو رسولِ خدا و اولیاء اللہ کو غیر اللہ میں شامل کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور گستاخ اور اولیاء اللہ کے منکر بنے، (معاذ اللہ) مگر یہ ”حضرت صاحب“ جو اپنے والد محترم تک کو غیر سمجھتا ہے، بھائی کو غیر سمجھتا ہے، بھتیجوں بھانجوں کو غیر سمجھتا ہے، اس کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

میری نسبت جو ہوا ارشاد میں نے سن لیا
یہ تو کہیے! اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟

باپ بھائی سب غیر ہیں:

یہ اللہ کا بندہ کہتا ہے کہ نکاح میرا ہے، میری اہلیہ صرف میرے لیے حلال ہے، غیر پر حرام ہے، اور پھر غیر میں باپ، بھائی سب کو شامل کرتا ہے، کہتا ہے کہ باپ ہے تو میرا باپ، میرا اپنا ہے، مگر میری سیج کے معاملے میں یہ بھی غیر ہے، بھائی ہے تو میرا اپنا، مگر سیج کے بارے میں یہ اپنا ہو کر بھی غیر ہے، جہاں تک میری بیوی اور اس سے تمتع کا سوال ہے باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجے، بھانجے، سب میرے اپنے ہو کر بھی غیر ہیں، میری زوجہ پر صرف میرا حق ہے، وہ میرے سوا باقی سب کے لیے حرام ہے۔

اللہ اللہ! وہ آدم زاد جس کی اصل پیشاب کا ایک قطرہ ہے، ایک قطرہ بھی نہیں، بلکہ جانبین سے دو قطرے! پھر اسے غیرت کا ایک قطرہ ملا ہے، اس کی غیرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ سیج کے معاملے میں باپ، بیٹے، بھائی تک کو غیر سمجھتا ہے، اور یہ غیرتمند کہتا ہے کہ میری سیج پر میرا باپ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔

اور اس ذات پاک واجب الوجود، منبع و مصدر صفات و کمالات...... جو غیرت کا مالک ہی نہیں بلکہ خالق ہے...... کی عبادت کی مسند پر اس کے پیارے انبیاء و اولیاء کو بٹھانا گوارا کر لیا جائے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر ایک شریف انسان کے باپ بھائی وغیرہ اپنے ہو کر، اپنی اصل و فرع ہو کر، اپنا گوشت پوست ہو کر، اپنا خون ہو کر بھی سیج کے معاملے میں غیر ہیں، اور اس ”غیریت“ سے ان کی قرابت و خویشگی پر آنچ نہیں آتی، نہ اس سے ان کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو حضرات انبیاء و اولیاء اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں کو اگر عبادت کے معاملے میں غیر سمجھا جائے تو اس

"غیریت" سے ان حضرات کی توہین کیسے ہوگئی؟ اور ایسا سمجھنے والا ان کا دشمن و منکر کیسے ہوگیا؟

نہ توحید صحیح سمجھے نہ شرک

توحید و شرک کو سمجھنے میں انسانیت نے ہمیشہ یہ ٹھوکر کھائی ہے کہ لوگ اللہ کی معرفت و عبادت کو توحید سمجھتے رہے ہیں اور صرف بتوں کی عبادت کو شرک، حالانکہ نہ صرف اللہ کی عبادت توحید ہے اور نہ صرف بتوں کی پرستش، شرک! توحید صرف اللہ واحد کی عبادت ہے۔ بندہ اللہ کی عبادت کرے اور عبادت صرف اللہ واحد کا حق سمجھے، اللہ کے سوا کسی کو عبادت کے لائق و قابل تصور نہ کرے اور شرک یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے کے ساتھ شجر و حجر، صنم و قبر، شمس و قمر، جن و ملک، ولی و امام، حتیٰ کہ نبی و رسول کی پرستش کرے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کر کے کسی چیز کی بھی عبادت کرے گا تو مشرک ہو جائے گا۔ بندہ ہزار نمازیں پڑھے، تہجد میں راتیں گزار دے، لاکھ درود پڑھے، تلاوتِ قرآن کرے، حاجی ہو، روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف، مجاہد اور غازی ہو، مگر بایں ہمہ کسی بزرگ یا ولی کو ساری عمر میں ایک بار مصیبت کے وقت پکار لے یا نذر منت مان لے، بس مشرک ہوگیا۔ اب اس کی نجات کی کوئی صورت نہیں، یہ بالیقین جہنمی ہے، ابدی جہنمی!

ایک مثال!

جیسے ایک بدکردار عورت، خاوند کی پوری پوری خدمت کرے، اس کے بال بچوں کی پرورش کرے، اس کے مہمانوں تک کے لیے ناشتہ، کھانا تیار کرے، اس کے گھر بار، مال و دولت کی حفاظت کرے، اس کے نکاح کا حق پورا ادا کرے، سال بہ سال ایک بچہ جَن کر دے، لیکن اگر ساری عمر میں کسی غیر مرد کے ساتھ صرف ایک بار منہ کالا کر لے تو اب کوئی بھی شریف انسان اسے اپنے گھر میں نہیں رکھے گا، اب یہ ذلیل، خاوند کے گھر سے نکالی جائے گی، ہمیشہ کے لیے مردود ہوگی۔

عورت کی شرافت اپنے مرد کے حقوق کی ادائیگی ہی کا نام نہیں، بلکہ عورت کی شرافت کا جوہر یہ ہے کہ غیر مرد کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دے۔ شوہر کے حقوق کی ادائیگی اس کی اور اس کے بال بچوں کی خدمت تو بدکردار سے بدکردار عورت بھی کرتی ہے، اچھا حلوہ، زردہ، پلاؤ پکا کر کھلانا اور بال بچوں کی دیکھ بھال، ان کی تعلیم و تربیت کا خیال یہ تو ہر گھر والی کرتی ہے، جو بھی نکاح کے بندھن سے بندھ کر آئی ہے وہ خاوند کے حقوق تو ادا کرے گی، گھر کی جھاڑ پھونک، صفائی، ستھرائی کا دھیان رکھے گی، یہ تو عورت ذات کا کوئی کمال نہیں، عورت کا کمال، اس کی شرافت کا کمال تو اس کا بے داغ کردار ہے، یعنی اگر کوئی غیر مرد اس کی طرف میلی نظر سے دیکھے تو اس کی

آنکھیں نکال لے، اگر کسی نامرد کو اپنی عزت و آبرو، عفت و ناموس کا دشمن پائے تو بھوکی شیرنی کی طرح اس کی تکا بوٹی کر دے۔

جیسے عورت کی شرافت اور کمال مرد کے حقوق نکاح کی ادائیگی نہیں، بلکہ حقوق زوجیت خاص اپنے مرد کے لیے مخصوص کر دینے کا نام ہے اور کسی حال میں کسی غیر کو اپنی ہذات سے تمتع کی اجازت قطعاً نہ دینے کا نام ہے، شریف عورت مر تو سکتی ہے مگر کسی غیر کو اپنی متاع عصمت لوٹنے کی اجازت دینے کا تصور تک نہیں کر سکتی خواہ وہ غیر شوہر کا باپ ہو یا بھائی کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

آبے ست آبرو، کہ نہ آید بجوئے باز
از تشنگی بمیر و مریز آبروئے خویش!

اسی طرح توحید اللہ واحد کے حقِ عبادت کی ادائیگی کا نام نہیں، بلکہ حقِ عبادت کو خاص اپنے خالق و مالک کے لیے مخصوص کر دینے کا نام ہے، اور کسی غیر اللہ کو کسی حال میں بھی عبادت کا مستحق نہ سمجھنے کا نام ہے۔ ایک مردِ موحد کٹ تو سکتا ہے، جل تو سکتا ہے مگر کسی غیر اللہ کی عبادت نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ غیر اللہ، جن و ملک ہو یا بشر، ولی ہو یا نبی! کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

بہر حال یہ منطق کہ غیر سے مراد صرف بت ہیں، اور بتوں کی عبادت شرک ہے، حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام تو اللہ کے اپنے ہیں، لہٰذا ان کی عبادت جائز ہے، یہ کوئی شرک نہیں، اس منطق سے ملتی جلتی ہے کہ غیر سے مراد صرف اغیار ہیں اور کسی کی زوجہ کا اپنے مرد کے دشمنوں سے زن و مرد کے تعلقات رکھنا حرام کاری ہے، رہے اپنے مرد کے خویش و اقارب، دوست، احباب، بھائی برادر! تو وہ تو مرد کے اپنے ہیں، لہٰذا ان سے خاص نکاح والے تعلقات استوار کرنا جائز ہے، یہ کوئی حرام نہیں۔ (معاذ اللہ)

ظاہر ہے کہ کوئی صاحبِ عقل و خرد اور اہل غیرت و حمیت اس غلیظ اور گندی منطق کی تصویب و تحسین نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کوئی اس منطق کی بھی تائید و تصدیق نہیں کر سکتا کہ صرف بتوں کی پوجا حرام ہے، اولیاء اللہ اتقیا اور حضرات انبیا و رسلؑ کی پکار، منت، نذر و غیرہ عبادت جائز ہے۔ الٹا اسے ایک الحاد و بے دینی کا مظاہرہ، ایک ایمان سوز مغالطہ اور ایک بدترین فتنہ قرار دے گا۔

انداز ۳

لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا[1]

(اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو)

اللہ علام الغیوب کو قیامت تک پیش آنے والے ان فتنوں کا علم تھا۔ اس لیے رحیم و کریم مولیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے ان فتنوں کا دروازہ اپنے قرآن کریم میں بند کر دیا۔ چنانچہ اس ایمان سوز مغالطہ...... جو دوسروں کو مغالطہ دینے سے زیادہ اپنی حماقت و جہالت اور بیبا کی و ناخدا ترسی کا بدترین مظاہرہ ہے...... کا یوں ازالہ فرمایا کہ صرف ''غیرہ'' اور ''غیر اللہ'' کی عبادت سے منع نہیں فرمایا بلکہ اللہ کی عبادت میں کسی بھی شے (شَيْئًا) کی شرکت کو جرم قرار دیا اور اپنی کتاب پاک میں کئی موقعوں پر صراحت سے اس کی نہی و ممانعت فرما دی۔

ارشاد ہوتا ہے:

١. قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

(پارہ ۳، سورہ آلِ عمران، رکوع ۷)

آپ کہہ دیجئے، اے اہل کتاب! ایک (ایسی) بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مُسلّم) ہے۔ (وہ) یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو ربّ نہ بنا دے۔

اس ارشاد ربانی سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ توحید جو اہل اسلام اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں مشترک اور برابر مُسلّم ہے وہ صرف اللہ کی عبادت نہیں بلکہ اللہ کی عبادت کے ساتھ اللہ کی عبادت نیز اس کی ربوبیت میں کسی بھی دوسری ذات کی عدم شرکت ہے۔

---

[1] شیی کے معنی ہیں چیز۔ ''المنجد'' میں ہے: اَلشَّيْئُ چیز، جو چیز جانی پہچانی جائے اور اس کی خبر دی جا سکے۔ ''مفردات القرآن'' امام راغبؒ میں ہے: یہ اسم مشترک ہے جو اللہ تعالیٰ پر بھی بولا جاتا ہے اور باقی موجودات بلکہ معدومات کو بھی شے کہہ سکتے ہیں۔ ''لغات القرآن'' میں ہے: لفظ شئی اعم العام ہے، جس طرح اللہ اخص الخاص ہے، یہ جوہر و عرض، قدیم و حادث، بلکہ محال و معدوم تک کے لیے آتا ہے۔

۲۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا. (پارہ ۵، سورہ نساء، رکوع ۲)

اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

یعنی صرف اللہ کی عبادت کافی نہیں بلکہ عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرنا اصلِ توحید ہے۔

۳۔ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا.

(پارہ ۸، سورہ انعام، رکوع ۱۹)

کہہ دیجئے، آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے ربّ نے تم پر حرام فرمایا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ. (پارہ ۱۲، سورہ یوسف، رکوع ۵)

اور میں نے اپنے باپ دادوں کا دین اختیار کر رکھا ہے، ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا! ہم کو کسی طرح روا نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں۔

ملتِ ابراہیمی اور جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کا دین یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کریں۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ بتلاتے ہوئے پہلا حکم یہی دیا:

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا (پارہ ۱۷، حج، رکوع ۴) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا

۶۔ اللہ ربّ العزت اہل ایمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خلافت کا وعدہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اقتدار و حکومت، تمکینِ دین اور امن و اطمینان کے دَور و عہد میں وہ:

یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا. (۱۸، سورہ نور، رکوع ۷)

میری عبادت کریں گے (اس شان سے کہ عبادت میں) کسی کو میرا شریک نہ کریں گے

۷۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْئًا..... (پارہ ۲۸، آخر الممتحنہ)

اے نبی! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں، اس بات پر آپ سے بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی۔

خلاصہ: یہ سات مقامات پر شرک کی نہی و نفی کے ساتھ شَیْئًا اور شَیْئٌ کا لفظ فرمایا گیا ہے، کیا اس کے بعد بھی اس بات کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ کی عبادت میں کسی چیز کا حصہ ہو؟ اور کسی برگزیدہ نبی یا ولی کو خدا کے ساتھ شریک کیا جائے؟

احادیثِ نبویؐ: کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری[1]، صحیح مسلم[2]، مؤطا مالک[3]، مسند احمد[4]، ابوداؤد[5]، ترمذی[6]، نسائی[7]، ابن ماجہ[8]، طبرانی[9] اور حاکم[10] وغیرہ کی صحیح احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرک کی نہی و

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ علم حدیث کے بڑے جلیل القدر امام ہیں۔ آپ کی تالیف صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے۔ پیدائش ۱۹۴ھ اور وفات ۲۵۶ھ ہے۔

[2] امام مسلم رحمہ اللہ فن حدیث کے عظیم المرتبت امام ہیں۔ صحیح بخاری کے بعد آپ کی صحیح مسلم کو عظیم و صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ سن پیدائش ۲۰۴ھ اور وفات ۲۶۱ھ ہے۔

[3] امام مالک رحمہ اللہ فقہ و حدیث میں امام الحجاز بلکہ امام الناس ہیں۔ آپ کی تالیف مؤطا حدیث کی تمام کتب میں اسبق و اقدم ہے اور علم حدیث میں بڑی معتبر، صحیح اور شہرہ آفاق کتاب ہے۔ ۹۵ھ سن پیدائش اور ۱۷۹ھ سن وفات ہے۔

[4] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) بھی فقہ و حدیث کے بڑے جلیل و عظیم امام ہیں۔ امام شافعیؒ آپ کے شیوخ میں اور امام بخاری امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہم آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ مسند احمد آپ کی بڑی معروف کتاب ہے۔

[5] ابوداؤد رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۵ھ) حدیث کے بڑے معروف و جلیل القدر امام ہیں۔ آپ کی تالیف سنن ابی داؤد حدیث کی بڑی مشہور و متداول کتاب ہے۔

[6] ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) حدیث کے بڑے مشہور و معروف امام ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم کے شاگرد ہیں۔ جامع ترمذی آپ کی مشہور و مقبول اور مفید کتاب ہے۔

[7] احمد بن شعیب نسائی حدیث کے عالی قدر امام ہیں۔ امام طحاویؒ و طبرانیؒ وغیرہم کے شیخ ہیں۔ سنن نسائی آپ کی مشہور تالیف ہے۔ ۳۰۳ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

[8] ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ) آپ کی تالیف سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہے۔

صحاحِ ستہ، یعنی حدیث کی چھ صحیح کتابیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔

[9] طبرانی رحمہ اللہ امام نسائی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ کی حدیث میں کئی تالیفات ہیں، جن میں سے تین معجم بڑے مشہور ہیں۔ ۳۶۰ھ میں وفات پائی۔

[10] حاکم امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) حدیث کے شہرہ آفاق امام ہیں۔ مستدرک حاکم فن حدیث میں آپ کی عظیم کتاب ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے تلخیص المستدرک کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔

ممانعت کے ساتھ شَیْئًا کا لفظ ملاحظہ ہو:

۱۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک اہل نار سے فرمائیں گے،.... جب تو آدم کی پشت میں تھا تو میں نے تجھ سے یہ عہد لیا تھا۔ اَنْ لَا تُشْرِکَ بِیْ شَیْئًا. کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا مگر تو نے انکار کیا اور (دنیا) میں میرے ساتھ شرک کیا[1] یعنی یوم الست میں میں نے اپنی ہی الوہیت و ربوبیت کا عہد و میثاق لیا تھا، جس کا بندوں نے خلاف کیا، شرک میں مبتلا ہو کر نقض عہد کیا۔

۲۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مَنْ لَقِیَ اللّٰہَ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ.[2] جو اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہوا۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوت توحید لے کر طائف پہنچے، کسی نے بھی توحید کو قبول نہ کیا، الٹا سنگباری سے حضرت کو لہولہان کر دیا۔

حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک الجبال[3] میرے پاس آیا۔ مجھے سلام کیا پھر کہا: حضرت اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان انہیں کچل دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسے لوگ پیدا کرے گا۔

مَنْ یَعْبُدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا. (متفق علیہ)[4]

جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے ایسا عمل بتلا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] متفق علیہ ("مشکوٰۃ المصابیح" باب صفۃ النار واہلہا) "مشکوٰۃ المصابیح" صحاح ستہ، موطا مالک، مسند احمد، دارمی، بیہقی وغیرہا کی منتخب احادیث کا مجموعہ ہے، جسے شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب رحمہ اللہ نے ۷۳۷ھ میں مرتب کیا۔

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم۔ [3] وہ فرشتہ جسے ربّ العزت نے پہاڑوں پر مقرر فرمایا ہے۔ [4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب المبعث وبدء الوحی۔

تَعْبُدِ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا و تقیم الصلٰوۃ وَتُوتی الزکٰوۃ وَتَصِل الرحم[1]

اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور نماز پڑھ اور زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر۔

۵۔ حضرت عبداللہ لیشکری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ قیس کے ابن المنتفق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: نارِ جہنم سے مجھے کون سا عمل بچا سکتا ہے اور جنت میں کون سا عمل داخل کر سکتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ تو نے سوال بہت مختصر کیا ہے مگر بات بڑی عظیم وطویل دریافت کی ہے۔ اچھا تو اب مجھ سے سمجھ لے:

اُعْبُدِ اللّٰہَ لَا تُشْرِک بِہٖ شَیْئًا..... (رواہ احمد)[2]

۶۔ حضرت ابو صالح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم سے تین باتوں پر خوش ہوتا ہے اور تین باتوں پر ناراض ہوتا ہے۔

یَرْضٰی لَکُمْ اَنْ تَعْبُدُوْہُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا..... [3]

تم سے اس پر خوش ہوتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(''ترجمان السنۃ'' جلد۲، ص ۱۹۸)

۷۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ کر عورتوں کو بیعت فرمایا کرتے تھے کہ:

لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا. تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک نے سوائے آپ کی مملوکہ عورتوں (باندیوں) کے کسی

---

[1] صحیح بخاری باب وجوب الزکوٰۃ۔ [2] ''ترجمان السنۃ'' جلد اول حدیث ۲۳۵۔
''ترجمان السنۃ'' حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی ثم مہاجر مدنی کی عظیم تالیف ہے۔ صحاح ستہ، مسند احمد، حاکم، بیہقی، طبرانی، بزار وغیرہ کی ہزاروں منتخب احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ ہے۔
[3] ''موطا امام مالک'' کتاب الجامع باب ماجاء فی اضاعۃ المال۔

عورت کو مس نہیں کیا۔ (صحیح بخاری)[1]

اللہ اکبر! جب نبیٔ معصوم امام الرسلین نے بیعت کے وقت بھی کسی اجنبی عورت کو اپنا مقدس ہاتھ نہیں لگایا تو پھر کسی اور کو یہ حق کہاں حاصل ہے؟ آہ! آج مشرک اور بدعتی پیشہ ور شہوت پرست ''پیرانِ'' عصر ''تقدس'' کے پردے میں شکار کھیلتے ہیں اور غیر محرم مستورات و خواتین کو نہ صرف ہاتھ سے مس کرتے ہیں بلکہ اس پر مستزاد......

۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قیصرِ روم ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جبکہ آپ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے متعلق پوچھا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، وہ فرماتے ہیں:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا....[2]

ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرو۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا ہوئیں، پانچ نمازیں[1]، سورہ بقرہ کی آخری آیات[2] اور

غُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَيْئًا.... (رواہ مسلم)[3]

آپ کی اُمت میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا اس کی مغفرت![3]

۱۰۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ابن آدم جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے اُمید رکھے گا میں تیرے گناہ معاف کرتا رہوں گا اگرچہ تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں اور تو مجھ سے طلبِ بخشش کرتا رہے میں تجھے بخش دوں گا، مجھے کوئی پروا نہیں، اور اے ابن آدم اگر تو زمین کو گناہوں سے بھر کر (قیامت میں) میرے ساتھ ملاقات کرے پھر (شرط یہ ہے کہ) لَا تُشْرِكُ بِیْ شَيْئًا.... تو میرے ساتھ شریک کسی کو نہ ٹھہرائے، تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ میں اتنی ہی وسیع مغفرت کے ساتھ پیش آؤں گا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام احمد اور

---

[1] ''ترجمان السنۃ'' جلد اوّل حدیث نمبر ۲۲۶۔

[2] صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی۔

[3] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب فی المعراج۔

دارمی نے بھی روایت کیا ہے مگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے![1]

آدمی توحید پر مرے، شرک کرکے نہ مرے، خواہ اس کے گناہ اور خطائیں جتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہوں، مگر اللہ کی رحمت اور مغفرت اس سے بھی زیادہ اور وسیع ہے، اللہ اس کی خطائیں معاف فرما دے گا۔

۱۱۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا:

لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَ اِنْ قُتِلْتَ اَوْ حُرِّقْتَ.... (رواہ احمد)[2]

اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے....

۱۲۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی:

اَنْ لَا تُشْرِکَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِعْتَ وَحُرِّقْتَ....[3]

کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا جلا دیا جائے....

۱۳۔ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا، دوشنبہ اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، ہر مسلمان بندے کو بخش دیا جاتا ہے۔ لَا یشرک باللّٰہ شیئًا.

(رواہ مسلم)[4]

۱۴۔ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (حضرت) یحییٰؑ کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ ان پر خود عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں۔ اَوَّلُھُنَّ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا.

(رواہ الترمذی)[5]

عبرت وانتباہ: یہ چودہ۱۴ حدیثیں ہیں، علاوہ ازیں صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، مسند احمد میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ اور مستدرک حاکم میں حضرت سلمہؓ بن قیس، حضرت عقبہؓ بن عامر، حضرت ربیعہؓ بن عباد، حضرت

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاستغفار۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء۔
[4] "مشکوٰۃ" باب ما نہی عنہ من التہاجر۔ [5] "ترجمان السنۃ" حدیث نمبر ۶۰۳۔

جریرؓ بن عبداللہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اور شرح السنۃ میں حضرت ابن عباسؓ، ابن ماجہ میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور بیہقی میں اس مضمون کی سترہ[۱۷] احادیث مروی ہیں، اور اس کتاب کے دوسرے باب (تمہید) میں تیرہ احادیث پاک ایسی گزر چکی ہیں، گویا کل چوالیس[۴۴] احادیث ایسی پیش کی جا چکی ہیں جن میں شرک کے ذکر کے ساتھ شیئاً کا لفظ مذکور ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں سات مقامات پر شرک کی نہی و نفی کے ساتھ شَیْئًا اور شَیْئٍ کا لفظ موجود ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و سنت، قرآن و حدیث کا یہ عام اسلوب ہے کہ جب اور جہاں بھی شرک مذکور ہوگا، شَیْئًا کا لفظ ساتھ ہوگا۔ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا یہ سنت و معمول ہے کہ شرک کے باب میں شَیْئًا کا لفظ ضرور بیان فرمائیں گے۔

کیا اس انداز و اسلوب کی اکاون نصوص صریحہ کتاب و سنت کے بعد بھی اس مغالطہ و فریب کاری کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خدا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ائمہؒ و اولیاءؒ کی عبادت جائز ہے یہ شرک نہیں؟

انداز ۲

لَا اُشْرِکُ بِہٖ اَحَدًا

(میں اس (خدا) کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا)

دیکھئے! ایک اور انداز سے اسی حقیقت واحدہ کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ شَیْئًا کی جگہ اب اَحَدًا کا لفظ فرمایا گیا ہے۔

۱۔ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا۔ (پارہ ۱۶۔ خاتمہ سورۂ کہف)

پس جو شخص اپنے ربّ سے ملنے کی اُمید رکھے تو وہ نیک عمل کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

۲۔ قرآن کریم سن کر جن ایمان لے آئے اور قرآنی تعلیمات کے نتیجے میں اعلان کیا:

وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا۔ (پارہ ۲۹۔ ابتدا سورۂ جن)

اور ہم اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

۳۔ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ (سورۂ جن رکوع اوّل)

اور جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖٓ اَحَدًا. (جن)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

۵۔ ایک مسلمان موحد اپنے کافر ملاقاتی سے کہتا ہے:

لٰکِنَّا ھُوَ اللّٰہُ رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِکُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا. (پارہ ۱۵۔ سورہ کہف، رکوع ۵)

لیکن میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

۶۔ اپنے باغ کی بربادی پر وہ کافر ہاتھ ملتے ہوئے کہنے لگا:

یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِکْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا. (کہف۔ رکوع ۵)

اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔

خلاصہ: کتاب اللہ کی چھ آیات میں شرک کی نہی ونفی کے ساتھ اَحَدًا کا لفظ موجود ہے جس کے معنیٰ ہیں ایک، یعنی اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی شرکت کا حق نہیں۔

کیا شَیْئًا کے بعد اَحَدًا کی تصریح وتاکید اور تکرار کے بعد بھی کسی برگزیدہ ہستی کا خدا کی عبادت میں ساجھا اور حصہ ممکن ہے؟ ہرگز نہیں، قطعاً نہیں!

انداز ۵

اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

(معبود تمہارا بس ایک معبود ہے)

اب دیکھئے ایک اور انداز سے صرف ایک اللہ ربّ العزت کی معبودیت بیان فرمائی جاتی ہے۔ پورے قرآن میں متعدد مقامات پر وحدتِ الوہیت کے ذکر وارشاد سے یہ حقیقت واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ توحید الٰہ واحد کی عبادت کا نام ہے، اور الٰہ واحد ہی الٰہ ومعبود ہے، اس سلسلہ میں چند آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (پارہ۲۔بقرہ،رکوع۱۹) اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

۲۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (پارہ۶۔نساء،رکوع۲۳) سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے۔

۳۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (پارہ۶سورۂ مائدہ۔رکوع۱۰) اور ایک معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

۴۔ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (پارہ۷۔انعام۔رکوع۲) آپ (لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ بس وہ بس ایک ہی معبود ہے

۔ یہود ونصاریٰ کو بھی الٰہ واحد کی عبادت کا حکم تھا۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا. (۱۰۔توبہ،رکوع۵) اور ان کو صرف یہ حکم کیا گیا کہ فقط ایک معبود کی عبادت کریں

۶۔ اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (پارہ۱۳۔آخر سورہ ابراہیم)

۷۔ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (۱۴۔نحل۔رکوع۷)

۸۔ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (نحل،رکوع۳)

۹۔ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (پارہ۱۶،کہف آخری رکوع)

۱۰۔ پارہ۱۷۔آخر انبیاء و پارہ۲۴،حم السجدہ میں یہی الفاظ مبارکہ ارشاد ہیں۔

۱۲۔ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. (۱۷۔حج،رکوع۵)

۱۳۔ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ. (۲۳۔آغاز الصافات)

۱۴۔ اہل ایمان اہل کتاب سے کہہ دیں:

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ. (۲۱۔عنکبوت،رکوع۵)

۱۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قیدی رفیقوں سے فرمایا:

ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. (۱۳۔یوسف،ع۵)

کیا متفرق معبود اچھے یا ایک اللہ اچھا ہے جو غالب ہے۔

۱۶۔ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ. (۲۳۔ص۔ع۵)

۱۷۔ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۲۳۔زمر،رکوع اوّل)

۱۸۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. (۲۴۔مومن،ع ۲)

خلاصہ: یہ قرآنِ کریم میں ۱۸ مقامات پر الٰہ اور اللہ کے ساتھ واحد کا لفظ موجود ہے، نیز اس کتاب کے پانچویں باب "توحید کی حقیقت" میں ۶ مقامات پر اللہ کے ساتھ وحدہ اور ۲ جگہ اِلٰھًا کے ساتھ واحدًا مذکور ہے۔

یہ کُل ۲۶ مقامات پر الٰہ اور اللہ کے ساتھ واحد، وحدہ اور احداً کا لفظ آنے کے بعد بھی ایک اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا سوال پیدا ہوتا ہے؟ قطعاً نہیں!

انداز ۶

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ!

(اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکار!)

اب ایک اور انداز سے عبادت کو ذات پاک ربّ العزت ہی کے لیے خاص قرار دیا جارہا ہے، اور دوسرے کسی معبود کی بشدت وتاکید نفی کی جارہی ہے۔

۱۔ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی قُلْ لَّا اَشْهَدُ. (۷۔ انعام، رکوع ۲)

کیا تم لوگ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے میں تو (یہ) گواہی نہیں دیتا۔

۲۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○

(پارہ ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل، رکوع ۲)

اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت بناورنہ تو بدحال، بے یارومددگار ہو کر رہ جائے گا۔

۳۔ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○

(بنی اسرائیل۔ رکوع ۴)

اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت بناورنہ تو ملامت کیا ہوا، راندہ ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

۴۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ. (پارہ ۱۸، رکوع آخر، مومنون)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے جبکہ اس کے معبود ہونے کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہوگا بالیقین کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔

۵۔ عبادالرحمٰن (اللہ کے مومن مسلم بندوں) کی ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (پارہ۱۹،فرقان آخری رکوع)

اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے۔

۶۔ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ. (پارہ۱۹۔الشعراء آخری رکوع)

سو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا، پس تو معذبین میں سے ہو جائے گا

۷۔ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (۲۰۔آخر سورہ قصص)

۸۔ اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ. (پارہ۱۴۔آخر سورہ الحجر)

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں، پس وہ عنقریب جان لیں گے۔

۹۔ بدبخت جہنمی کافر کے متعلق فرمایا ہے:

اَلَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيَاهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ

(پارہ۲۶،سورۂ ق، رکوع۲)

جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود بنایا ہو، سو اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔

۱۰۔ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (۲۷۔الذاریات، آخری رکوع)

خلاصہ: دس آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنانے سے بتاکید شدید منع فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت پر عذابِ جہنم کی وعید شدید فرمائی گئی ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اللہ واحد کے ساتھ کسی دوسری عظیم شخصیت کو الٰہ و معبود بنانے کی کوئی وجہ جواز باقی رہ جاتی ہے؟

شرک کی حقیقت: ان تمام آیاتِ کریمہ میں "مع اللہ" کا لفظ موجود ہے جس کے معنی اللہ کے ساتھ ہیں یعنی اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنانے پر عذابِ آخرت جہنم کی وعید ہے۔

جس سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ شرک الٰہ آخر یعنی دوسرے کسی معبود ہی کی عبادت کا نام نہیں کہ بندہ اپنے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش کرے اور اسے مشرک کہا جائے، بلکہ شرک یہ

ہے کہ بندہ اپنے اللہ کی بھی عبادت کرے اور اپنے اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسرے کسی معبود کی بھی عبادت کرے۔

اس سے نفس کے اس فریب کا بھی ازالہ ہو گیا کہ ہم تو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ہم اولیاء اللہ کو پکارنے ان کی منتیں ماننے سے مشرک کیسے بن گئے؟ ان آیاتِ قرآنی نے اس فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے واضح کر دیا ہے کہ اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کرنے کا نام شرک ہے اور مشرک اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عبادت کرتا ہے اور اسی مع اللہ الٰہ اخر بنانے سے روکا گیا ہے۔

چنانچہ مفسرِ قرآن حبر اُمت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اَلْمُشْرِکُ الَّذِیْ عَبَدَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا غیرہ۔[1]

یعنی مشرک وہ ہے جو اللہ کے ساتھ دوسرے کسی معبود کی عبادت کرے۔

صرف شرک کے لفظ پر غور کر لیجئے!

تم اس قدر قریب کہ دل ہی میں مل گئے
میں جا رہا تھا دُور کا ساماں کیے ہوئے

قرآن کریم کی آیات میں غور وفکر کرنے اور لفظ مع اللہ کی حقیقت سمجھنے کے بعد شرک کی جو حقیقت واضح ہوتی ہے وہ صرف لفظ شرک سے بھی سمجھ میں آسکتی ہے بشرطیکہ انسان کا فکر صحیح و سلیم ہو، اس کی مت نہ ماری جائے۔

لفظ شرک کے معنی ہیں شراکت، ساجھا، حصہ داری، اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والے کو مشرک کہا جاتا ہے۔ اب جب تک کسی چیز میں فریقین کا ساجھا نہ ہو، شراکت اور حصہ نہ ہو، وہ باہم شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر کسی جائداد میں میرا حصہ نہیں تو میں اس جائیداد میں کسی کا شریک کیسے ہو سکتا ہوں، اور اگر میرے مکان یا میری دکان میں کوئی دوسرا حصے دار نہیں تو وہ میرا شریک کیسے ہو گا؟

تو شرک وشراکت کے لیے حصے داری ضروری ہے۔ اب اگر مشرک عبادت میں اللہ کا حصہ نہیں دیتا، ساری عبادت غیر اللہ کی کرتا ہے تو اس کا یہ فعل شرک کیسے ہو گا؟ اور وہ مشرک

[1] صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، سورہ رعد۔

کیونکر بنے گا؟ لفظ شرک کا تقاضا اور معنیٰ ہی یہ ہے کہ اللہ کی عبادت بھی کرے اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت بھی کرے، تب یہ عبادت میں شرک ہوگا اور اس کا مرتکب جبھی تو مشرک بنے گا۔

ایک اور باریک نکتہ: پھر ایک اور لطیف و باریک نکتہ ملاحظہ ہو کہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی شرک کا ذکر ہے، شرک باللہ مذکور ہے۔ مثلاً:

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ، وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ، لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ وغیرھا.

اس انداز و اسلوبِ ارشاد و بیان سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ مشرک بنیادی طور پر اوّل ہمیشہ اللہ کی عبادت کرتا ہے بعدہٗ کبھی کسی غیر اللہ کی عبادت کر کے اسے اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے، تو نہ صرف مشرکین اللہ کی عبادت کرتے تھے بلکہ وہ مستقلاً ہمیشہ تو اللہ کی عبادت کرتے تھے ہاں کبھی کسی دوسرے کی عبادت کرتے تھے۔ اس طرح وہ شرک کا ارتکاب کر کے مشرک کہلائے۔ قرآن و حدیث میں اس انداز و اسلوب کے برعکس آپ کہیں دوسرا انداز نہیں پائیں گے، جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ اوّل اور مستقلاً تو غیروں کی عبادت کرتے تھے، پھر کبھی خدا کی عبادت بھی کرتے تھے۔ نہ! ہرگز ایسا اسلوبِ بیان آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ یہ نکتہ اہل دانش و اربابِ بصیرت کے لیے محلِ فکر و تدبر ہے۔

اندازِ ۔۔

ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ؟

(کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. (پارہ ۲۰. سورہ نحل. رکوع ۵)

آیا وہ کون ہے جو بے قرار آدمی کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں جانشین بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اس ایک ہی رکوع میں یہ پاک کلمہ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ پانچ بار آیا ہے، کیا اس کے بعد بھی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا امکان ہے؟ ہرگز نہیں!

انداز ۸

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ

(سو اللہ کی عبادت کر، عبادت اسی کے لیے خالص کر کے!)

قرآن کریم میں متعدد بار اللہ رب العزت نے اس انداز سے عبادت کو اپنے لیے خاص فرمایا ہے۔ مثلاً: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے:

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ. (پارہ ۲۳۔ ابتداء سورہ زمر)

سو اللہ کی عبادت کر عبادت اسی کے لیے خالص کر کے، خبردار! عبادت خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔

معلوم ہوا کہ مطلق عبادت نہ مطلوب ہے نہ مقبول۔ مطلوب و مقبول اللہ کی وہ عبادت ہے جو خالص اللہ ہی کی عبادت ہو، غیر اللہ کی عبادت کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی خالصۃً للہ عبادت کا امر و حکم ہے اور آپ اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ o وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ o قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ o قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِیْ o فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ.

(پارہ ۲۳. زمر، رکوع ۲)

آپ کہہ دیجئے مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، عبادت کو اس کے لیے خالص کر کے، اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے مسلمان۔ آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے اگر (بفرضِ محال) میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اپنی عبادت کو اسی کے لیے خالص کرکے، سو تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سب سے اوّل فرمانبردار بندے ہیں۔ آپ کو اللہ ہی کی خالص عبادت کا فرمان ہوا اور آپ کی عبادت خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں، ان کے لیے قیامت کے دن عذابِ الٰہی تیار ہے۔

۵۔ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ.

(پارہ ۲۴۔ المومن، رکوع ۲)

پس تم اللہ کو پکارو، عبادت اسی کے لیے خالص کر کے، گو کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

کفار و مشرکین اللہ کی عبادت سے ناخوش و ناراض نہیں ہوتے، اللہ کی عبادت تو وہ خو[د] کرتے ہیں، مگر جب عبادت اللہ ہی کے لیے خاص کر دی جائے اور سوائے اللہ کے سب سے عبادت کا حق چھین لیا جائے تو یہ ان کے لیے ناگوار ہے اور اس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔

۶۔ هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ.

(پارہ ۲۴۔ المومن، رکوع ۷)

وہ (ہمیشہ سے ہمیشہ تک) زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم عبادت کو اس کے لیے خالص کر کے اسی کو پکارو۔

۷۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (۸۔ اعراف، رکوع ۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور نماز کے وقت اپنا رُخ سیدھا رکھا کرو۔ اور اس کو (اس طور پر) پکارو کہ عبادت خالص اس کے لیے ہو۔

۸۔ اہل کتاب کو بھی خالص اللہ کی عبادت کا حکم تھا، ارشاد فرمایا:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (پارہ ۳۰۔ سورۃ البینہ)

اور ان کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں، (اس طور پر کہ) عبادت اسی کے لیے خاص رکھیں۔

۹۔ مشرکین مکہ بھی مشکلات و مصائب میں خاص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (سورہ عنکبوت، آخری رکوع)

جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں عبادت کو اسی کے لیے خاص کر کے۔

۱۰۔ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ.

(پارہ ۲۱۔ لقمان، ع ۴)

اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں کی طرح گھیر لیتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں عبادت کو اسی کے لیے خاص کر کے۔

۱۱۔ اسی نوعیت کے مضمون کے بعد ہے:

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (پارہ ۱۱۔ یونس، ع ۳)

خلاصہ: گیارہ مقامات پر عبادت کو ذات پاک اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنے کا ارشاد ہے۔ کفار عرب، مشرکین مکہ بھی عبادت خالص اللہ تعالیٰ ہی کی کرتے اور ابتلاء و مصائب میں خاص اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ اس کے بعد بھلا کسی غیر اللہ کی عبادت کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اور وہ بھی مدعیانِ اسلام و توحید کے لیے!

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

انداز ۹

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ!

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)

اللہ رب العزت نے اپنی پاک کتاب قرآن کریم میں عبادت کو کئی انداز و اسلوب بیان سے اپنے لیے خاص فرمایا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. کتنا عجیب انداز ہے۔ پہلے ہر معبود کی نفی کی گئی ہے پھر اللہ رب العزت کی معبودیت کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اس انداز کے بعد اگر انسان کی مت نہ ماری جائے اور اللہ نے اس کی قسمت میں عذاب جہنم نہ لکھ دیا ہو تو اس حقیقت کے وضوح میں ذرہ بھر شبہ نہیں رہ جاتا کہ معبودِ حقیقی صرف اللہ ہے...... اور اللہ کے سوا کسی کو بھی عبادت کا حق حاصل نہیں۔

یہ انداز و اسلوب ایسا مؤثر و دل نشین ہے کہ اسے کلمۂ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. کا جزو اوّل قرار دیا گیا ہے۔ جب تک کوئی شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہ کرے اور اس کی شہادت نہ دے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

مجرمین، کفار و مشرکین کے ذکر میں فرمایا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ. (پ ۲۳ الصّٰفّٰت)

(رکوع ۲)

وہ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، تو وہ تکبر کرتے تھے۔

انسان جب تک سچے دل سے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ پڑھ لے، مسلمان نہیں ہوسکتا اور کافر و مشرک یہ کلمہ پاک سن نہیں سکتا۔ سوائے اللہ واحد کے دوسرے تمام معبودوں کی کلیۃً نفی وہ کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ اسی لیے وہ تکبر کرتا ہے۔

۲۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا جاتا ہے:

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (پ ۲۵. سورہ محمدؐ)

آپ اس کا یقین رکھئے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

۳۔ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ. (۳. آلِ عمران. رکوع ۶)

اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

خلاصہ: تین آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے تمام معبودوں کی نفی کر کے غیر اللہ کی الوہیت و معبودیت کا پتا ہی کاٹ دیا گیا ہے۔

احادیثِ نبویؐ: اب یہ انداز احادیث پاک میں ملاحظہ ہو:

چونکہ کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دینِ اسلام کی اساس و بنیاد ہے، کوئی شخص یہ کلمہ توحید پڑھے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتا، اس لیے ارشاداتِ نبویہ میں بہ تکرار اس کا ذکر موجود ہے اور اس کی عظیم و جلیل قدر و شان بیان فرمائی گئی ہے۔

۱۔ افضل شعبۂ ایمان: بروایت حضرت ابوہریرہؓ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

ایمان کی ستر سے چند اوپر شاخیں ہیں، ان سب میں افضل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور ادنیٰ راستے سے ایذا دینے والی چیز (مثلاً کانٹا، پتھر وغیرہ) ہٹا دینا ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم[1])

اس ارشاد نبویؐ میں ایمان کے جمیع شعبوں میں سے افضل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو فرمایا گیا ہے تو دوسرے

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الایمان۔

ارشادِ گرامی میں اسے ''افضل الذکر'' قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ افضل الذکر: بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:

افضل الذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سب سے بہتر ذکر (الٰہی) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ[1]، مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔ (جلد اوّل صفحہ ۴۹۸)

۳۔ اجرِ عظیم: اب اس کلمۂ مبارکہ کا اجر و ثواب ملاحظہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ زمین آسمان کے درمیان (خلاء) کو بھر دیں گے۔

اسے دارمیؒ نے روایت کیا ہے[2] یعنی اس قدر ثوابِ عظیم و کثیر ان کلماتِ طیبہ پر عطا ہوگا کہ مابین السماء والارض ساری فضا اس سے بھر جائے گی۔

اجر و ثواب اور وزن و جزا سے متعلق دوسرا ارشاد ملاحظہ ہو:

۴۔ بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے پروردگار مجھے کوئی چیز تعلیم فرما دیجئے جس کے ذریعے میں تجھے یاد کیا کروں، اور تجھے پکارا کروں۔ ارشاد ہوا: موسیٰ! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا کرو۔ عرض کیا: پروردگار! یہ تو تیرے سارے بندے پڑھتے ہیں، میں تو ایسی چیز چاہتا ہوں جو خاص میرے لیے فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! اگر سات آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اور سات زمینیں ترازو کے ایک پلڑے میں اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا وزن زیادہ ہوگا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)[3]

۵۔ دفعِ کرب و درد: دنیوی کرب و بلا اور دکھ درد کے دفع و ازالہ کے لیے یہ کلمۂ پاک، دعاء مسنون ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرب (دکھ، درد، رنج و غم) کے وقت یہ کہا کرتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا

---

۱ ''مشکوٰۃ'' باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر۔

۲ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الطہارۃ۔

۳ ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر۔

اَللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔[1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت بزرگ اور بڑے حوصلے والے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرشِ عظیم کے مالک ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کے مالک، زمین کے مالک اور عرش کریم کے مالک ہیں۔

۶۔ جنت ملتی ہے: بروایت حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ۔[2]

جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا وہ جنت میں داخل ہوا، اور اس کے لیے جنت واجب ہوگئی جہاں دنیوی درد و غم اور کرب و مصیبت کے دفع و ازالہ کے لیے یہ مفید و مسنون ہے، وہاں اُخروی فوز و فلاح بھی اسی کلمۂ طیبہ پر منحصر ہے۔

۷۔ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (متفق علیہ)[3]

جس بندے نے بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا، پھر اسی پر وفات پائی، وہ جنت میں داخل ہوا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

صدقِ دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور اسی پر ثابت قدم رہا، اللہ نے استقامت بخشی، چنانچہ اسی علم و یقین پر جان نکلی، تو بفضلہٖ تعالیٰ جنت نصیب ہوگی۔

۸۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ مسلم)[4]

جو اس علم و یقین پر مرا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوا۔ (صحیح مسلم)

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔ (جلد اوّل ص ۷۲)

آخری کلام کلمہ ہو!

توحید کے علم و ایمان کے ساتھ اگر موت کے وقت زبان پر کلمۂ توحید جاری ہو تو زہے نصیب!

---

[1] ''مشکوٰۃ'' باب الدعوات فی الاوقات۔ [2] مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۲۵۱۔

[3] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الایمان الفصل الاوّل۔ [4] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الایمان۔

۹۔ بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ ابو داؤد)[1]

جس کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ (جلد اوّل، ص ۵۰۰، ۳۵۱)

تلقین: چنانچہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاں بلب، قریب المرگ مسلمانوں کے قریب بیٹھ کر انہیں اسی کلمۂ توحید کی تلقین کا حکم فرمایا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ مسلم)[2]

اپنے قریب الموت اشخاص کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو۔

جانکنی کا وقت سخت مشکل وقت ہے۔ لہٰذا امر نہ کریں، کہیں موت کی سختی و سکرات سے انکار نہ کردے، بلکہ مرنے والے کے پاس بیٹھ کر خود کلمہ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد کرتے رہیں، حتیٰ کہ وہ خود بخود کلمہ پاک پڑھ لے۔ اگر اللہ کے فضل و کرم سے مرنے والے کا آخری کلام لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو تو خاتمہ بخیر ہے، اب آگے رحمت ہی رحمت ہے، اور جنت میں دخول ان شاء اللہ یقینی ہے۔ خدا ہم سب کا خاتمہ کلمہ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر فرمائے۔ آمین

جہنم سے نجات: اگر کوئی مسلمان اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ڈالا بھی جائے گا تو اس کلمۂ پاک کی وجہ سے آخر جہنم سے نکالا جائے گا۔

۱۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قیامت کے دن شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک طویل روایت مروی ہے، اس کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں کہوں گا مجھے ہر اس شخص کی شفاعت کی اجازت عطاء ہو جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ آپ کا کام نہیں۔

وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (متفق علیہ)[3]

---

[1] مشکوٰۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً باب الحوض والشفاعۃ۔

لیکن مجھے اپنی عزت، جلال، بڑائی، اور عظمت کی قسم ہے میں ہر اس شخص کو جہنم سے نکالوں گا جس نے (کلمۂ توحید) پڑھا۔

مدارِ شفاعت: شفاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدار و انحصار بھی کلمۂ توحید پر ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے کلمہ گو بہرہ مند ہوگا، شرط یہ ہے کہ صدقِ دل سے کلمہ پڑھا ہو اور توحید باری تعالیٰ پر دلی یقین ہو۔

۱۲۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

قیامت کے دن میری شفاعت کی وجہ سے سب سے زیادہ خوش نصیب وہ شخص ہوگا:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ. (رواہ البخاری)[1]

جس نے صدقِ دل سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہوگا۔ (صحیح بخاری)

۱۳۔ نیز ارشاد فرمایا: شَفَاعَتِیْ لِمَنْ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا یُصَدِّقُ قلبه لسانه و لسانه قلبه.

میری شفاعت اس کے لیے ہوگی جس نے خلوص کے ساتھ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے دل نے اس کی زبان کی اور اس کی زبان نے اس کے دل کی تصدیق کی۔[2]

شفاعت گنہ گار کے لیے ہے، کافر و مشرک کے لیے نہیں!

ان ارشادات سے واضح ہو گیا کہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حضرت کی اُمت کے فرد کے لیے ہے، کلمہ گو موحد مسلمان کے لیے ہے، گنہگار کے لیے ہے، کافر و مشرک کے لیے نہیں۔

۱۴۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

شفاعتی لاهل الکبائر من اُمّتی. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و رواہ ابن ماجہ عن جابر)[3]

میری شفاعت میری اُمت کے گنہگاروں کے لیے ہے۔

یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ (جلد اول ص ۶۹)

منکرِ کلمہ سزاوارِ جہنم ہے: وہی سرکش و متمرد اور کافر و مشرک عذابِ جہنم میں ہمیشہ مبتلا و گرفتار رہے گا جس نے اس پاک کلمہ کا انکار کیا ہوگا۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الحوض والشفاعۃ۔ [2] مستدرک حاکم جلد اول ص ۷۰۔ [3] "مشکوٰۃ" باب الحوض والشفاعۃ

۱۵۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِیْ یَتَمَرَّدُ عَلَی اللّٰهِ وَ اَبٰی اَنْ یَقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ ابن ماجہ)[1]

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دیں گے، سوائے اس متمرد کے جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کرتا ہے۔

تو کلمۂ طیب، افضل شعبۂ ایمان، افضل الذکر، خزانہ اجر عظیم، دفعیہ کرب، موجب جنت، باعثِ نجاتِ آخرت، کلمۂ اخلاص، ذریعۂ فوز و فلاح، مقصدِ بعثتِ نبویؐ، مدارِ شفاعتِ رسولؐ یہی کلمۂ پاک ہے، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اس کلمۂ توحید کے بغیر عذابِ جہنم سے نجات اور دخولِ جنت کی قطعاً کوئی شکل و صورت نہیں۔ اس کا منکر یقیناً معذّب اور داخلِ جہنم ہوگا۔

خلاصہ: تین آیات کریمہ اور پندرہ احادیث شریفہ، قرآن و حدیث کی کل اٹھارہ نصوص صریحہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد اللہ ربّ العزت کی ذات پاک کے ساتھ کسی اور ہستی کی عبادت کا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ ہرگز نہیں!

انداز ۱۰

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

(اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں)

پارہ ۲ سے لے کر پارہ ۲۹ تک سورہ بقرہ، آل عمران، نساء، انعام، اعراف، توبہ، ہود، رعد، طٰہٰ، مومنون، قصص، فاطر، زمر، مومن، دخان، حشر، تغابن اور مزمل میں مختلف سیاق و سباق میں اٹھائیس ۲۸ بار لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ آیا ہے۔

تکرار: بعض سورتوں اور بعض رکوع میں دو بلکہ ایک آیت[2] میں دو بار اور سورہ آلِ عمران میں تین بار یہ کلمہ پاک موجود ہے۔ کیا اس تکرار و تعدد کے بعد بھی تعددِ الٰہ کی کوئی صورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اس ذاتِ احد کے علاوہ کسی عظیم سے عظیم ہستی کی عبادت جائز ہو سکتی ہے؟

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب اسماء اللہ تعالیٰ۔ [2] شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (الآیۃ) (۳۔آل عمران۔ رکوع ۲)

انداز ۱۱

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا

(میرے سوا کوئی معبود نہیں)

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے بعد ایک نئے انداز کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فرمایا گیا ہے۔

۱۔ حضرات انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی۔

اَنْ اَنْذِرُوْا اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ (۱۴۔شروع نحل)

یہ کہ ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ سے ڈرو۔

۲۔ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ. (۱۶. طٰه)

بلاشبہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری عبادت کرو۔

۳۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

(۱۷. سورہ انبیاء رکوع ۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔

خلاصہ: قرآنِ کریم میں تین مقامات پر اللہ رب العزت نے پہلے اپنی ذات کے سوا ہر معبود کی نفی فرمائی، پھر اپنی عبادت کا حکم دیا، اور اپنے ہر رسول کو یہی حکم دیا۔

کیا اس کے معنی یہی ہیں کہ میرے سوا میرے محبوب و معزز بندوں نبیوں، ولیوں کی عبادت بھی کرتے رہو۔ معاذ اللہ

اُنداز ۱۲

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ!

(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں)

حضرت یونس علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا:

۱ . فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. (۱۷ انبیاء، رکوع ۶)

پس اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، میں بیشک قصوروار ہوں۔

احادیثِ نبوی ﷺ

کتاب اللہ کے بعد احادیث نبوی ﷺ میں بڑی کثرت سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کا ورد و وظیفہ موجود ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تہجد کے لیے اٹھتے تو کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ.... لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ.

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)[1]

الٰہی! ساری تعریفیں آپ کے لیے ہیں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور بغیر آپ کے کوئی معبود نہیں۔

۲۔ دوسری روایت کے بھی آخری الفاظ ہیں:

اَنْتَ اِلٰهِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.[2] آپ میرے معبود ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

۳۔ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ. (صحیح بخاری، صحیح مسلم)[3]

اے اللہ! میں نے تیری اطاعت کی، میں تجھ پر ایمان لایا، اور میں نے تجھ پر بھروسہ کیا، اور میں نے تیری طرف رجوع کیا، اور میں تیری مدد سے (دشمنانِ دین سے) لڑتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری عزت کے ذریعے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، کہ تو مجھے گمراہ کرے۔ تو زندہ ہے جو کبھی نہیں مرے گا اور جن وانسان سب مریں گے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب مایقول اذا قام من اللیل۔

[2] مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی ("ترجمان السنۃ" جلد اوّل حدیث نمبر ۲۹)

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاستعاذہ۔

سیّد الاستغفار: ۴۔ بروایت حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

سَیِّدُ الْاِسْتِغْفَار اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ وَ اَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

سید الاستغفار یہ ہے کہ تو کہے، الٰہی! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا، میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے ساتھ جو اقرار اور وعدہ کیا ہے اس پر قائم ہوں۔ جہاں تک میری طاقت ہے۔ میں اپنی برائیوں کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، میں اپنے اُوپر تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، آپ میرے گناہ بخش دیں۔ سوا تیرے کوئی گناہ بخشنے والا نہیں۔

ارشاد فرمایا جس نے ان کلمات پر یقین رکھتے ہوئے انہیں دن کو کہا اور اس دن مر گیا وہ اہل جنت میں سے ہے اور جس نے ان کلمات پر ایمان رکھتے ہوئے انہیں کہا اور رات کو مر گیا وہ اہل جنت میں سے ہے۔ (صحیح بخاری باب افضل الاستغفار)

پانچواں کلمہ: یہ کلماتِ مبارکہ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ.... لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ جہاں بارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سید الاستغفار ہیں، وہاں اسلام کا پانچواں کلمہ بھی ہیں۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کے بعد فرماتے

وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.... اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الملک لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ.

اے اللہ تو بادشاہ ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف تو۔ (صحیح بخاری باب افضل الاستغفار)

۶۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم "جو کسی مجلس میں بیٹھے اور وہاں لایعنی (اور فضول) بات چیت ہو اور وہ وہاں سے کھڑا ہونے سے پہلے کہے: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ تو اس کے اس

مجلس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔" (ترمذی و بیہقی)[1]

۷۔ بروایت اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کہتے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ.

(رواہ النسائی)[2]

۸۔ بروایت حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ دکھ اور تکلیف کی دعا ارشاد فرمائی صلی اللہ علیہ وسلم

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْا فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. (رواہ ابو داؤد)[3]

اے اللہ! میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں، پس تو مجھے ایک لحہ بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرما اور میرے سارے کام درست فرما دے، تیرے سوا کوئی بھی عبادت کے قابل نہیں۔

۹۔ بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو فرماتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَ اَسْاَلُکَ رَحْمَتَکَ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ. (رواہ ابو داؤد)[4]

اے اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے، اور سب تعریف تیرے لیے ہے۔ میں آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا خواستگار ہوں۔ اے اللہ! میرا علم زیادہ فرما، میرے دل میں کجی پیدا نہ ہونے دے، بعد اس کے کہ تو نے مجھے ہدایت عطاء فرمائی ہے اور اپنی بارگاہ سے مجھے رحمت عطاء فرما، بیشک تو ہی بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔

خلاصہ: ا آیت کریمہ اور ۹ احادیثِ صحیحہ کل ۱۰ نصوص کتاب وسنت سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ... کا وِرد ثابت ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اس کلمۂ پاک کی برکت سے مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبح وشام، سوتے اُٹھتے، تہجد و نوافل سے پہلے ہر گھڑی، ہر

---

[1]، [2] ("مشکوٰۃ المصابیح" باب الدعوات فی الاوقات)

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الدعوات۔ [4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب مایقول اذا قام من اللیل۔

وقت کا یہ وظیفہ ہے۔ کیا اس سے بھی سبق ہمیں ملتا ہے کہ اللہ کے ساتھ اللہ کے محبوب و مقبول بندے بھی معبود و الٰہ ہیں، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کا یہی معنی و مقصد ہے؟

انداز ۱۳

لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ

(تیرے سوا کوئی معبود نہیں)

۱۔ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اُٹھتے تو فرماتے:
اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ.... وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ. (متفق علیه)[1]

۲۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو (سو کر) اُٹھتے تو اللہ اکبر فرماتے، پھر فرماتے:
سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ.[2]

اے اللہ تو پاک ہے اور سب تعریف تیرے لیے ہے اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بلند ہے اور سوا تیرے کوئی معبود نہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تو فرماتے
سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ. (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابی سعیدؓ)[3] بیہقی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔[4]

ثنا: چنانچہ اُمت بھی تکبیر تحریمہ کے بعد ان کلماتِ مبارکہ سے نماز شروع کرتی ہے، انہیں ثنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۴۔ یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ہے، اس میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تکبیر (تحریمہ) پڑھتے پھر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک انگوٹھے مبارک کان مبارک کے برابر ہو جاتے پھر کہتے: سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ.... (دار قطنی)[5]

یہ صرف چار احادیث پاک پیش کی گئی ہیں، جن میں لَا اِلٰـهَ غَیْرُکَ. کا اعلان موجود

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب ما یقول اذا قام من اللیل۔ [2] ایضاً۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب ما یقرأ بعد التکبیر۔ [4] "زجاجۃ المصابیح" باب ما یقرء بعد التکبیر۔ [5] ایضاً۔

ہے۔ ہر نمازی اپنی ہر نماز کی پہلی رکعت میں ثنا کے آخر میں یہ اقرار و اعلان کرتا ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، کیا اس کے بعد بھی کسی غیر اللہ کے معبود ہونے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

انداز ۱۴

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں)

دینِ اسلام کا دوسرا کلمہ، کلمۂ شہادت ہے، مسلمان سچے دل سے گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

۱۔ ایک کافر اگر مسلمان ہوتا ہے تو کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے۔

۲۔ ایک مسلمان بچہ پیدا ہوتا ہے، گو وہ زبان سے توحید الٰہی کی شہادت نہیں دے سکتا، تاہم اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کے ذریعے چار دفعہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور چار دفعہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکار پکار کر کہہ دیا جاتا ہے تاکہ ایک مسلمان بچے کے کان میں دنیا کے اندر قدم رکھتے ہی پہلی آواز گونجے تو شہادت توحید و رسالت ہی کی گونجے اور اس کے بالکل صاف لوحِ دل پر اگر نقش ثبت ہو تو کلمۂ شہادت کا۔

۳۔ تین چار سال کی عمر میں جب مسلمان بچہ علم و شعور کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے اسے کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت پڑھایا جاتا ہے۔

۴۔ پانچ سات سال کی عمر میں یہ نماز پڑھتا ہے، نماز کے لیے وضو کرتا ہے تو وضو کے بعد کلمۂ شہادت پڑھتا ہے۔

۵۔ نماز سے پہلے اذان ہے۔ اذان میں دو دو دفعہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بآوازِ بلند کہا جاتا ہے۔

۶۔ اذان سننے والا ہر مسلمان اجابت کرتا ہے اور مؤذن کے بعد کلمۂ شہادت پڑھتا ہے۔

۷۔ اذان کے بعد تکبیر میں بھی دو دو دفعہ کلمۂ شہادت دہرایا جاتا ہے۔

۸۔ پھر نماز ختم نہیں ہوتی جب تک ہر قعدہ میں تشہد کے اندر کلمۂ شہادت نہ پڑھا جائے۔

۹۔ جمعہ کا خطبہ ہو یا عیدین کا، اس کا اہم رکن شہادتِ توحید ورسالت کے کلمے ہیں۔
۱۰۔ مجلسِ نکاح منعقد ہو گی تو خطبۂ نکاح میں کلمۂ شہادت پڑھا جائے گا۔
۱۱۔ جس طرح مسلمان پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے کلمۂ شہادت سنتا ہے اسی طرح ایک مسلمان مرنے سے پہلے جو کلمہ زبان پر لاتا ہے اور آخری بات جو اس کے منہ سے نکلتی ہے وہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہے۔
۱۲۔ دنیا تو دنیا، آخرت کی پہلی منزل قبر میں بھی ایک مسلمان منکر نکیر کے سوال پر جواباً کہتا ہے:
اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

تو مسلمان زندگی میں قدم قدم پر بلکہ زندگی کے بعد قبر میں بھی کلمۂ شہادت پڑھتا سنتا ہے۔ اس کی پوری حیات، کلمۂ شہادت کے محور کے گرد گھومتی ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے اس کلمۂ پاک کی اہمیت وعظمت ملاحظہ ہو:

بناءِ اسلام: ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کلمۂ شہادت کو بناءِ اسلام فرمایا گیا ہے:

۱۔ بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا:
بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. (متفق علیه)[1]
پانچ امور پر اسلام کی بنیاد ہے، (اول) اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عین اسلام: دوسرے ارشادِ گرامی میں کلمۂ شہادت کو خود اسلام فرمایا گیا ہے:

۲۔ بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:
اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. (رواہ مسلم)[2]

الایمان باللہ: ایک حدیث میں توحید ورسالت کی شہادت کو ایمان فرمایا گیا ہے۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس کو ایمان

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الایمان، الفصل الاوّل۔ [2] ایضاً۔

باللہ وحدہ کا حکم فرمایا، فرمایا کیا تم جانتے ہو "ایمان باللہ وحدہ" کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ...
(متفق علیہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم)[1]

اوّلین دعوتِ اسلام: اہل اسلام کے لیے اسلام کی اوّلین دعوت شہادتِ توحید و رسالت ہے۔

۵۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو فرمایا: (سب سے پہلے) انہیں اس کی دعوت دینا کہ وہ

شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ. (متفق علیہ)[2]

اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اجر و وزن: اس کلمۂ پاک کا اجر و ثواب اور وزن کس درجہ عظیم و کثیر ہے اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے ہوگا۔

۶۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

قیامت کے دن میری اُمت کے ایک شخص کے (گناہوں کے) بہت بڑے ننانوے رجسٹر ہوں گے، ہر رجسٹر بقدرِ وسعتِ نظر لمبا ہوگا، (دوسری طرف) ایک چھوٹا سا پرزہ ہوگا جس میں (لکھا) ہوگا، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. ایک پلڑے میں وہ رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے پلڑے میں وہ چھوٹا سا پرزہ، (جب وزن ہوگا) تو وہ رجسٹر ہلکے ہوں گے اور وہ (کلمۂ شہادت والا) پرزہ (ان ننانوے لمبے چوڑے رجسٹروں سے) بھاری ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)[3] کیا عظمت شان ہے، کلمۂ شہادت کی! سبحان اللہ۔

دنیا میں حفاظت: جس اللہ کے بندے نے یہ کلمہ پاک پڑھ لیا اس نے دنیا میں اپنی جان اور اپنے مال کو محفوظ و مامون کر لیا۔

۷۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ

---

[1] "مشکوۃ المصابیح" کتاب الایمان۔ [2] "مشکوۃ المصابیح" کتاب الزکوۃ فصل اوّل۔
[3] "مشکوۃ المصابیح" باب الحساب والقصاص والمیزان، مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے (جلد اوّل ص ۶)

اللّٰہِ.... (متفق علیہ)[1]

مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (بخاری، مسلم)

آبرو کی حفاظت:

نکاح آبرو کی حفاظت اور عزت و ناموس کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ نکاح میں خطبہ مسنون ہے۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز اور حاجت (نکاح وغیرہ) میں تشہد سکھایا، حاجت (نکاح) کا تشہد ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَهٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.... (اسے احمد ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی نے روایت کیا)[2]

سکونِ برزخ:

جہاں دنیا میں جان و مال اور ناموس و آبرو کی حفاظت کلمۂ شہادت سے ہے، وہاں عالمِ برزخ کا سکون اور قبر کا آرام اسی کلمۂ پاک سے ہے۔

۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو نیلی آنکھوں والے سیاہ فرشتے منکر اور نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. اس پر اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے: (آرام سے) سو جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے دوبارہ زندہ کر کے کھڑا کریں گے.. (رواہ الترمذی)[3]

تو قیامت تک سکون و آرام اور قبر کی کشادگی و نورانیت اسی کلمۂ پاک کی برکت سے ہوگی

القول الثابت:

۱۰۔ بروایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا: جب مسلمان سے قبر میں سوال کیا جائے گا۔

یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ.

وہ گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

---

[1] ایضاً کتاب الایمان الفصل الاوّل۔ [2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب اعلان النکاح۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب اثبات عذاب القبر۔

یہی اس کا (وہ) قول ہے (جس کے متعلق قرآن میں آیا ہے) یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ.... (متفق علیہ)[1]

تو دنیا و آخرت میں، آخرت کی پہلی منزل قبر میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اسی قول ثابت کلمۂ شہادت کی وجہ سے مضبوط و ثابت قدم رکھیں گے۔ ("مشکوٰۃ" باب اثبات عذاب القبر)

کلیدِ جنت: بہشت کی کنجی یہی کلمۂ شہادت ہے۔

۱۱۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ.

(رواہ احمد "مشکوٰۃ" باب الحوض والشفاعۃ)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دینا جنت کی کنجی ہے۔ (مسند احمد)

اسے ابوداؤد، حاکم اور بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ ("ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۲۹۷)

۱۲۔ بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:
اَنَّہٗ مَنْ شَھِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صَادِقًا بِھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ. (رواہ احمد والطبرانی)
بلاشبہ جس نے صدق دل سے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

("ترجمان السنۃ" جلد اوّل حدیث ۵۵)

بس شرط یہ ہے توحید باری تعالیٰ پر قلبی یقین اور صحیح ایمان ہو۔ ایک اور حدیث میں بھی مِنْ قَلْبِہٖ کے الفاظ پاک ہیں، یعنی دلی تصدیق و یقین سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے تو جنت میں داخل ہوگا۔

۱۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن اذان میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تم میں سے کوئی کہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، پھر مؤذن کہے، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، یہ کہے، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، پھر وہ کہے، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، یہ کہے، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، پھر مؤذن کہے، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، یہ کہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، پھر وہ کہے، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، یہ کہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، پھر وہ کہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، یہ کہے، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، پھر وہ کہے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ. یہ دل سے کہے، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ.

جنت میں داخل ہوگا۔رواہ مسلم ("مشکوۃ المصابیح" باب فضل الاذان)

جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہیں:

کیا عظمت شان و جلالتِ قدر ہے اس پاک کلمے کی کہ اس کے پڑھنے والے پر جنت کے آٹھوں دروازے کھلے ہوں گے۔

۱۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے جو کوئی وضو کرے اور اچھی طرح کامل وضو کرے، پھر کہے، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور ایک روایت میں ہے، پھر کہے، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُه وَرَسُوْلُهٗ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھولے جائیں گے، جس دروازے سے وہ چاہے گا داخل ہوگا۔اسے مسلم[1] نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے (اس کے ساتھ) یہ زیادہ کیا ہے کہ (کلمۂ شہادت کے بعد کہے)

۱۵۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ.[2]

الٰہی! مجھے توبہ کرنے والوں میں بنادے اور مجھے پاک صاف بندوں سے بنادے

خلاصہ: حدیث کی ان پندرہ نصوصِ صریحہ...شہادتِ توحید....کے بعد بھی شرک کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے! اس حقیقت کی قلبی گواہی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کوئی معبود نہیں مگر اللہ کے معنیٰ یہی ہیں کہ اللہ کے ساتھ اس کے محبوب و مقرب بندے بھی معبود ہیں۔انا للہ....

انداز ۱۵

وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

(وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں)

دین اسلام کی بنیاد توحید پر ہے اور توحید کی بنیاد غیر اللہ کی نفی پر! اس لیے اسلام کے بنیادی کلمات میں پہلے ماسوی اللہ تمام معبودوں کی نفی کی گئی ہے بعدہٗ اللہ واحد کی الوہیت و معبودیت کا اعلان کیا گیا ہے۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ گویا "لا" ہی نے تمام معبودانِ باطل کی ہستی کا طلسم توڑ دیا، اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد کسی دوسرے معبود کے لیے کوئی

[1] نسائی میں حضرت ثوبان سے اس مضمون کی روایت ہے (زجاجۃ المصابیح، باب فضائل الوضو)۔

[2] "مشکوۃ المصابیح" کتاب الطہارۃ۔

گنجائش نہیں رہی جو الہٰ واحد کا شریک ہو سکے۔ پھر بھی مزید...... شدید کے طور پر کلمۂ شہادت میں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کا اضافہ کردیا گیا ہے، تاکہ اللہ کی وحدانیت اور اس کا لاشریک ہونا زیادہ مؤکد و مشدد ہو جائے۔ اس بحث میں آپ دیکھیں گے کہ اسلام میں اس جملے کی کیا اہمیت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاداتِ عالیہ میں اس کی کتنی اہمیت و عظمت بیان فرمائی ہے۔ اس کے پڑھنے پر کتنے عظیم و کبیر اجر و ثواب کی بشارت دی ہے اور خود اپنے وظائف و اذکار میں اس پاک کلمہ کو رات دن، صبح شام کس کثرت سے جگہ دی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

افضل قولِ انبیاءؑ و بہترین کلمۂ رُسُلؑ:

یہ جملہ پاک نہ صرف سیّد الانبیاء امام الرسل کا بہترین قول ہے بلکہ جمیع انبیاء و رُسل کا افضل کلام ہے۔ علیہم السلام

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بہترین دعا یومِ عرفہ کی دعا ہے اور بہترین بات جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہی، (یہ ہے): لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رواه الترمذی)[1]

مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں بھی یہ حدیث حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ تک ہے۔

وظائفِ نبوی ﷺ

چونکہ یہ کلمۂ پاک افضل قولِ رسول و بہترین کلمۂ انبیاء ہے، علیہم السلام، اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف و اذکار میں بکثرت موجود ہے۔ صبح و شام، بعد نماز، بوقتِ حج، بحالتِ جنگ حضرت سے اس کا اکثر ورد ثابت ہے۔

بعد نماز:

۲۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں سلام پھیرتے تو بآوازِ بلند فرماتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الوقوف بعرفۃ۔

الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ. (رواہ مسلم)[1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، سب قدرت اور قوت اللہ ہی کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، فضل واحسان اسی کا ہے اور بہترین تعریف بھی اسی کا حق ہے، نہیں کوئی معبود مگر اللہ، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں گو کافروں کو ناگوار گزرے۔ (صحیح مسلم)

سنن ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

معلوم ہوا کہ کفار ومشرکین پر جو چیز گراں اور ناگوار گزرتی ہے وہ خاص اللہ کی عبادت ہے...... ایک اللہ کی عبادت...... اس پر وہ بگڑتے ہیں۔ ورنہ باطل معبودوں کے ساتھ خدا کی عبادت تو وہ بھی کرتے ہیں۔

صبح وشام کا ورد وظیفہ:

بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم شام کے وقت دعا فرماتے صلی اللہ علیہ وسلم

۳. اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ....

ہم شام میں داخل ہوئے اور سارا ملک شام میں داخل ہوا، ملک اللہ ہی کا ہے اور حمد بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں....

....اور جب صبح ہوتی تو یہی کچھ فرماتے۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی)[2]

جنگ کے موقع پر:

حج وعمرہ کے علاوہ غزوات کے موقع پر یا جنگوں سے واپسی پر بھی یہ کلمہ وردِ زبان ہوتا، گویا یہ ارشاد آپ ﷺ کا ہر سفر پر معمول نظر آتا ہے

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لڑائی یا حج یا عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو ہر بلندی پر تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر فرماتے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ.

(متفق علیہ صحیح بخاری، صحیح مسلم)[3]

---

[1] "مشکوٰۃ" باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔ [2] ایضاً باب مایقول عند الصباح والمساء۔ [3] ایضاً باب الدعوات فی الاوقات

عظیم و کثیر اجر و ثواب: اب دیکھیے لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کلمۂ مبارک کا کیا اجر و ثواب بیان فرمایا جاتا ہے۔

۵۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّةٍ كَانَ كَمَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيلَ۔[1]

جس نے دن میں دس بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہا، اس نے گویا اولادِ اسمٰعیل (علیہ السلام) میں سے ایک غلام آزاد کیا۔

۶۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی روایت ہے۔

("مستدرک حاکم" جلد اول ص ۵۰۱، کتاب الدعاء)

۷۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جس نے صبح کی نماز کے بعد کہا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

تو اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کی مثل ہے۔[2]

دوسری روایت میں دن میں یہ کلمۂ پاک سو بار پڑھنے پر اجر و ثواب کی کثرت و عظمت ملاحظہ ہو:

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دن میں سو بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ پڑھا، اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے، اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو برائیاں مٹادی جاتی ہیں، اور یہ کلمات اس دن اس کے لیے شیطان (کے شر) سے محافظ ہوں گے، یہاں تک کہ شام ہو۔ اور کوئی شخص اس سے (قیامت میں) بہتر عمل نہیں لائے گا، سوائے اس شخص کے جس نے اس سے بھی زیادہ (یہی) عمل کیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۹۔ مؤطا مالکؒ میں بھی یہ روایت ہے (کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی ذکر اللہ تعالیٰ) اور

---

[1] صحیح بخاری کتاب الدعوات باب فضل التھلیل۔ [2] ابن ماجہ باب فضل لا الٰہ الا اللہ۔

"مستدرک حاکم" میں بھی (کتاب الجنائز)

وظیفہ ہر نماز کے بعد:

مسلمان ہر نماز کے بعد اس کلمۂ پاک کا ورد کرے تو اس کی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں۔

۱۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر (فرض) نماز کے پیچھے ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اور ۳۳ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، یہ ۹۹ بار ہوگیا، پھر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. پڑھ کر سو پورا کرلیا، غُفِرَتْ خَطَایَاہُ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواہ مسلم)[1]
اس کی خطائیں معاف کردی جائیں گی گو وہ سمندر کی جھاگ کی مثل ہوں۔

نمازِ مغرب اور نمازِ صبح کے بعد وظیفہ:

اب صرف دو نمازوں کے بعد اس کلمۂ پاک کے ورد وظیفہ کا اجرِ عظیم ملاحظہ ہو:

۱۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مغرب اور صبح کی نماز کے بعد نماز کی جگہ سے پھرنے اور (ہیئتِ تشہد سے) پاؤں بدلنے سے پہلے دس بار کہے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. تو ہر ایک دفعہ پر اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی دس برائیاں مٹائی جاتی ہیں، اور اس کے دس درجات بلند کیے جاتے ہیں اور یہ اس کے لیے ہر مکروہ اور شیطانِ رجیم سے بچاؤ کرتی ہیں اور سوائے شرک کے اور کوئی گناہ اسے ہلاک نہیں کرسکتا اور یہ عمل کے اعتبار سے افضل الناس ہوگا سوائے اس شخص کے جو اس سے افضل کلمات کہے (یا یہی کلمات زیادہ بار کہے)۔ اسے احمدؒ نے روایت کیا ہے۔

۱۲۔ اور ترمذی نے اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

---

[1] "مشکوٰۃ" باب الذکر بعد الصلوٰۃ، سنن ابی داؤد میں بھی یہ روایت مروی ہے (باب التسبیح بالحصی)

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

رات کو جاگے تو کہے: ۱۳۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رات کو جاگے اور کہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.... پھر کہے: رَبِّ اغْفِرْلِیْ یا فرمایا پھر دعا کرے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ پھر اگر وضو کرے اور نماز (تہجد) پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوتی ہے۔ (رواہ البخاری)[1]

نماز تو وضو کے بعد ہوگی، اور یہ کلمات مبارکہ بغیر وضو کے پڑھ کر بارگاہِ ربّ العزت میں دعاء طلب ہو تو بفضلہٖ تعالیٰ دعا قبول ہوگی۔

کلمۂ تمجید: اس ذکر پاک کا پہلا حصہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تک "کلمۂ توحید" کے بعض اجزاء پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ سے لے کر آخر تک "کلمۂ تمجید" کہلاتا ہے۔

بازار میں داخل ہو تو کہے: ۱۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بازار میں داخل ہو اور کہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اللہ اس کے لیے لاکھوں نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کی لاکھوں برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے لاکھوں درجے بڑھا دیتا ہے اور اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔

رواہ الترمذی وابن ماجہ ("مشکوٰۃ" باب الدعوات فی الاوقات)

بازار چونکہ ذکرِ الٰہی سے غفلت اور تجارت وغیرہ میں اشتغال کا مقام ہے، اس لیے اس مقام پر ذکرِ الٰہی کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

کلمۂ توحید: عرف و اصطلاح میں مندرجہ بالا کلمات مبارکہ کو "کلمۂ توحید" کہا جاتا ہے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب ما یقول اذا قام من اللیل۔ ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔

حقیقتِ ایمان: ۱۵۔ حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ تحرق بِالنَّارِ اَحَبُّ اِلَيْكَ مِنْ اَنْ تُشْرِكَ بِاللّٰهِ.

تو اس کی گواہی دے کہ معبود کوئی نہیں مگر اللہ، جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں، اور اللہ اور اس کا رسول تجھے تمام ماسوی اللہ سے زیادہ محبوب ہوں۔ اور آگ میں جل جانا تجھے اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے زیادہ پسند ہو۔ اور جن سے تیرا نسب (ورشتہ) کا کوئی تعلق نہیں تو ان سے اللہ عزوجل ہی کے لیے محبت کرے۔ جب تو ایسا ہو جائے، فَقَدْ دَخَلَ حُبُّ الْاِيْمَانِ فِيْ قَلْبِكَ. تب تیرے دل میں ایمان کی محبت داخل ہو گئی....

احمد ("ترجمان السنہ" جلد اول حدیث نمبر ۳۳)

اس ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں توحید و رسالت کی شہادت کے ساتھ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شرک سے قلبی بغض و نفرت اور اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کرنے کو بھی ایمان کی حقیقت میں داخل فرمایا گیا ہے۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تمام ماسواہما سے اشد اور زیادہ ہو یہ ایمان کی اساس و بنیاد ہے۔ اور ان کے بعد کسی سے محبت ہو تو بھی اللہ ہو۔ یہی مقتضائے ایمان ہے۔ کسی سے محبت ہو تو اللہ کے لیے اور کسی سے بغض ہو تو بھی اللہ ہی کے لیے، اگر یہ نہیں تو قلب میں ایمان راسخ نہیں۔

خلاصہ: ان پندرہ ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لا إلٰہ الا اللہ کی صراحت کے ساتھ وحدہ لا شریک لہ کا اضافہ موجود ہے۔ لا إلٰہ الا اللہ خود غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے، پھر وحدہ لا شریک لہ میں شرک کی مزید صاف و صریح نفی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا صاف اقرار و اعلان ہے۔

اللہ واحد کی معبودیت کے اثبات اور غیر اللہ کی معبودیت و شراکت کی نفی دونوں کے اعادہ

وتکرار کے معنی کیا یہی ہیں کہ اللہ کے سوا صرف بت معبود نہیں اور اللہ کے برگزیدہ ومقبول بندے معبود ہیں، وہ اللہ کے شریک ہیں اور ان کی عبادت جائز ہے۔ معاذ اللہ!

انداز ۱۶

اَلَّا تَعْبُدُوْ اِلَّا اللّٰہِ!

(اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو)

ایک نئے انداز سے بجز اللہ تعالیٰ اور سب کی عبادت سے روکا جا رہا ہے۔

۱۔ بنی اسرائیل سے عہد و میثاق لیا گیا تھا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ. (پارہ اوّل، بقرہ، رکوع ۱۰)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول وقرار لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرنا

۲۔ اہل کتاب کو امر مشترک کی دعوت دی جا رہی ہے۔

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ. (۳، آل عمران ع ۷)...کہ ہم بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کریں

۳۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ (۱۱ہود) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ. (۱۲۔ہود، رکوع ۳)

۵۔ عاد و ثمود کے آگے پیچھے اللہ کے رسولؑ آئے، انہوں نے یہی دعوت دی۔

اِذْ جَآءَتْہُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ وَ مِنْ خَلْفِہِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ.

(۲۴. حٰم السجدہ. ع ۲)

جبکہ ان کے پاس ان کے آگے پیچھے سے پیغمبر آئے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو۔

۶۔ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم عاد کو ڈرایا: اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ. (۲۶ احقاف ع ۳)

خلاصہ: ان چھ مقامات پر اللہ کے سوا ہر کسی کی عبادت سے روکا گیا ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جمیع انبیاء و رُسل علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو یہی دعوت دی کہ "نہ عبادت کرو مگر اللہ کی"۔ کیا ہر زمانے میں

انبیاء اللہ کی اس متحدہ ومشترکہ دعوت کے بعد بھی اللہ کے ساتھ اللہ کے محبوب ومکرم بندوں کی عبادت کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

انداز ۱۷

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ

(بجز اس کے کسی کی عبادت نہ کرو)

۱۔ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ. (پارہ۱۲۔یوسف، رکوع۵)

حکم صرف اللہ کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو۔

۲۔ وَاشۡکُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ. (پارہ۲۔بقرہ، ع۲۱)

اور اللہ کا شکر کرو اگر تم خالص اسی کی عبادت کرتے ہو۔

۳۔ وَاشۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ. (۱۴سورہ نحل، ع۱۵)

۴۔ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ. (۱۵۔بنی اسرائیل ع۳)

اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت نہ کرو۔

خلاصہ: یہ چار آیاتِ مبارکہ میں سوائے ذات پاک اللہ تعالیٰ کے باقی سب غیر اللہ کی عبادت سے بصراحت نہی وممانعت فرمائی گئی ہے۔

انداز ۱۸

فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ

(خالص میری ہی عبادت کرو)

اس انداز سے خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا امر وحکم ہو رہا ہے۔

۱. یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ. (عنکبوت)

اے ایمان دار بندو! بلاشبہ میری زمین وسیع ہے، لہٰذا خالص میری عبادت کرو۔

۲. اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ○ (سورہ فاتحہ)

(ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ. میں عبادت کو اپنی ذات کے لیے خاص کرنے کا مطالبہ

فرمایا تو اللہ کے بندوں نے امرِ الٰہی کی تعمیل میں اعلان کیا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ.
نہ صرف ہر نماز کی ہر رکعت میں بندہ یہ اعلان کرتا ہے، بلکہ دعا قنوت میں بھی کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یعنی اے اللہ ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. دونوں جملوں میں ایاک مفعول کو نعبد اور نستعین فعل پر مقدم کیا گیا ہے، تا کہ حصر کا فائدہ دے، یعنی ہم خاص اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

اللہ کے سوا کسی پیغمبر، یا ولی کی نہ تو عبادت جائز ہے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی سے مافوق الاسباب مدد مانگنا جائز ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ:

الفاتحة سِرّ القراٰن و سِرّهَا هٰذِهِ الكلمة (اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ).

(تفسیر ابن کثیر جلد اول تفسیر آیت ایاک نعبد)

سارے قرآن کا مرکزی حصہ سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کا مرکزی حصہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے۔

تو گویا سارے قرآن کی تعلیماتِ مقدسہ کا خلاصہ وحقیقت یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کی جائے، یہ خاص اللہ کا حق ہے، اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے روا و زیبا نہیں۔

انداز ۱۹

فَاعْبُدُوْنِ

(پس میری ہی عبادت کرو)

۱. وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. (پارہ ۱۷۔ انبیاء، رکوع ۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو۔

ہر رسول کو اللہ ربّ العزت نے اپنی ہی عبادت کی وحی فرمائی۔ کوئی پیغمبر اس دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اللہ ہی کی عبادت کا حکم نہ دیا ہو۔ ہر نبیؐ نے خلقِ خدا کو غیر اللہ کی عبادت سے روک کر اللہ واحد کی عبادت کی تعلیم دی۔

سورۂ انبیاء میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم سے لے کر حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہم السلام تک اولوالعزم اور جلیل القدر انبیاء و مرسلین کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

۲۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ. (پارہ ۱۷۔ انبیاء، رکوع ۶)

یہ تمہارے دین کے لوگ ہیں سب ایک دین پر، اور میں ہوں تمہارا رب، سو تم میری عبادت کرو۔

تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے۔ سب اصول میں متحد ہیں، سب نے توحید کی تعلیم دی ہے۔ پروردگار سب کا الٰہ واحد ہے اور عبادت صرف اسی ذات پاک کا حق ہے

۳۔ جن و انس کی تخلیق و پیدائش کا مقصد ہی الٰہ واحد کی عبادت ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (پارہ ۲۷۔ آخر ذاریات)

اور میں نے جن اور انسان کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

خلاصہ: تین آیاتِ کریمہ میں خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا امر و ارشاد ہے۔

انداز ۲۰

فَاعْبُدْنِیْ!

(میری ہی عبادت کرو)

کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

۱۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ. (پارہ ۱۶۔ طٰہٰ، رکوع اوّل)

بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میری ہی عبادت کرو۔

۲۔ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (پارہ ۲۳۔ یٰس۔ رکوع ۴)

اور یہ کہ میری ہی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

اللہ واحد کی عبادت یعنی توحید ہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی دعا نمازی ہر نماز میں کرتا ہے۔

خلاصہ: دو مقام پر عبادتِ الٰہی کا امر فرمایا۔

انداز ۲۱

فَاعْبُدُوْهُ

(پس اسی کی عبادت کرو)

۱. ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ.

(پارہ ۷۔انعام ع ۱۳)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، پس تم اس کی عبادت کرو۔

۲. ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ. (پارہ ۱۱۔شروع یونس)

یہ اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس تم اس کی عبادت کرو۔

۳. اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (پارہ ۳۔آل عمران ع ۵)

بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

۴. اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○

(پارہ ۲۵۔زخرف ع ۶)

بیشک اللہ، وہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

۵. وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ. (پارہ ۱۶، مریم، ع ۲)

اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

صراط مستقیم: ہر مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں بارگاہِ ربّ العزت میں دعا کرتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ. (ربّ العزت) ہم کو سیدھا راستہ بتلا دیجئے سو دین کا وہ سیدھا راستہ جس کی طلب و دعا کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی، یہی توحید ہے۔ خالص خدا کی عبادت کرنا صراطِ مستقیم ہے۔

۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ٥

(پارہ ۲۰۔ عنکبوت۔ ع ۲)

پس تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو، اور اسی کی عبادت کرو، اور اسی کا شکر کرو، تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۷۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ. (پارہ ۱۲۔ آخر ہود)

اور آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے، اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے، پس اب اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے۔

۸۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ.

(پارہ ۱۶۔ مریم۔ رکوع ۴)

وہ آسمانوں، زمین اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہے (سب) کا پروردگار ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے:

۹۔ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ. (پارہ ۲۴۔ زمر۔ رکوع ۷)

بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا اور اللہ کا شکر گزار رہنا۔

خلاصہ: ان نو مقامات پر خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے۔

انداز ۲۲

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(اور اللہ کے بغیر کسی کو نہ پکار)

دُون کے معنی ہیں غیر، سوا[1]

اس نئے انداز و الفاظ میں اللہ رب العزت نے اپنے قرآن پاک میں بیسیوں مقامات پر شرک کی نہی و ممانعت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر صرف چند مقامات ملاحظہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

۱. قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (۱۱ یونس، ع ۱۱)

آپ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم کو میرے دین کے بارے میں شک ہے تو (سن لو کہ) میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو لیکن میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حکم ہوتا ہے:

۲. قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (پارہ ۷۔ انعام، رکوع ۷)

آپ کہہ دیجئے بالیقین مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو میں ان کی عبادت کروں۔

۳۔ (پارہ ۲۴، سورہ مومن، رکوع ۹) میں بالکل یہی الفاظ ارشاد ہیں:

۴. قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ. (پارہ ۷، انعام، رکوع ۹)

آپ کہہ دیجئے کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں جو ہم کو نہ نفع دے نہ

---

[1] دُون، غیر (المنجد)...... "مفردات القرآن" امام راغب اصفہانیؒ میں ہے: من دون اللہ کے معنی غیر اللہ ہیں، "لغات القرآن" میں ہے دون، ورے، سوائے، غیر۔ (جلد سوم)

نقصان، اور کیا ہم اس کے بعد کہ اللہ نے ہم کو ہدایت دی، اُلٹے پھر جائیں؟

۵۔ کفار و مشرکین سے مرتے وقت فرشتے پوچھیں گے۔

اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ. (پارہ ۸۔ اعراف، رکوع ۴)

اللہ کے سوا جن کو پکارتے تھے، اب وہ کہاں ہیں؟

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین و مذہب بھی یہی ہے۔ اپنے باپ سے فرماتے ہیں:

وَاَعْتَزِ لُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰی اَلَّا اَکُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا○ (۱۶، سورہ مریم، رکوع ۳)

اور میں تم سے اور خدا کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اُمید ہے کہ میں اپنے ربّ کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔

۷۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ ھُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ○ (۱۷۔ ج۔ ع ۸)

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہیں، اور اللہ کے سوا جن چیزوں کو یہ پکارتے ہیں، وہ باطل ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی عالی رتبہ اور بڑا ہے۔

۸۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَھُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَّمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ○ (۱۷۔ ج۔ ع ۹)

اور (مشرک) لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی اور نہ ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے، اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

۹۔ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ.

(۱۴۔ نحل، ع ۲)

اور یہ لوگ اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود مخلوق ہیں۔

۱۰. وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ. (۱۴۔سورہ نحل۔ ع ۱۰)[1]

اور اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو آسمان سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں سے کچھ، اور نہ طاقت رکھتے ہیں۔

سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا محمد رسول اللہ علیہما السلام کا دین و مذہب ہر ''من دُون اللہ'' ہر ''غیر اللہ'' کی عبادت سے بُعد و بیزاری ثابت ہے، ان قرآنی حقائق و شواہد کی موجودگی میں ماسویٰ اللہ کی عبادت کا سوال ہی کب پیدا ہو سکتا ہے، خواہ وہ غیر اللہ کوئی ہو۔

ایک مغالطہ: بعض ضال و مُضل یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ من دون اللہ سے مراد صرف بت ہیں یا درخت جانور وغیرہ غیر ذوی العقول، اولیاء اللہ، حضرات انبیاء، اللہ کے مقبول و مقرب بندے من دُون اللہ کا فرد نہیں، لہٰذا ذیل میں وہ آیاتِ قرآنی پیش کی جاتی ہیں جن میں من دُونِ اللہ (مِن دُونِہٖ) کا اطلاق و استعمال صاف عِبادُ اللہ الصالحین پر ہو رہا ہے۔ یہاں من دُونِ اللہ سے مراد بت وغیرہ غیر ذوی العقول ہو ہی نہیں سکتے، حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام یا ملائکۃ اللہ ہی مراد ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور ملائکۃ اللہ پر مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کا اطلاق!

۱۱. قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ٥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ٥

(پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل، ع ۶)

آپ کہیئے! جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھتے ہو، ذرا ان کو پکارو تو سہی، وہ نہ تم سے تکلیف کو دُور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (اس کے) بدل ڈالنے کا۔ یہ لوگ جن کو (مشرکین) پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے

---

[1] بطور استشہاد صرف دس مقامات پیش کیے گئے ہیں، جن میں من دُون اللہ (ماسویٰ اللہ) کی عبادت کی مذمت اور نہی و ممانعت مذکور ہے، ورنہ قرآن کریم میں اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں، جن کا احاطہ مشکل ہے۔

ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب بنتا ہے، اور وہ اس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرے ربّ کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

یہ طاعت وعبادت کے ذریعے قربِ خداوندی کے متلاشی، اپنے دوسرے ہمسروں سے زیادہ خدا کی نزدیکی کے طلب گار، رحمتِ الٰہی کے اُمیدوار اور عذابِ الٰہی سے خوف کھانے اور ڈرنے والے ظاہر ہے کہ بے جان بت اور غیر ذوی العقول نہیں ہو سکتے۔ یہ شان تو ذوی العقول کی ہے اور خدا کے محبوب ومقبول بندوں کا ذکر ہے۔ حضرات انبیاء مرسلین اور اولیاء وصالحین ہیں، جن کو مشرک لوگ مصیبت وتکلیف کے وقت پکارتے ہیں، یا ملائکہ مقربین اور مسلمان جن

۱۲۔ ''عبادِ مکرمون'' (معزز بندوں) کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ

(پارہ ۱۷۔ انبیاء، رکوع ۲)

اور ان میں سے جو کوئی (بفرضِ محال) یوں کہے کہ میں علاوہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزا جہنم دیں گے۔

غور فرمائیے! کیا چونے، پتھر، مٹی کے بت وغیرہ لوگوں کو کہہ سکتے ہیں خدا کے علاوہ ہم بھی معبود ہیں، ہماری عبادت کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ ذی روح مخلوق کا بیان ہے۔ چنانچہ آیت قبل میں ''عبادِ مکرمون'' کا ذکر ہے یعنی اللہ کے معزز ومحترم بندوں کا۔ منہم میں جو ضمیر ہے وہ انہی ''عبادِ مکرمون'' کی طرف راجع ہے۔

تو ''من دونہٖ'' (من دون اللہ) کا اطلاق انہی ''عبادِ مکرمون'' پر ہو رہا ہے جو ملائکہ مقربین ہیں یا انبیاء معصومین، علیہم السلام۔

۱۳۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰٓؤُلَاۤءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ....

(پارہ ۱۹۔ الفرقان، ع ۲)

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان (مشرکین) کو اور جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے تھے جمع کرے گا، پھر (ان معبودین سے) فرمائے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ (حق) سے گمراہ ہو گئے۔ وہ (معبودین جواب میں) کہیں

گے (توبہ توبہ) آپ تو پاک ہیں، ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سوا اور کارساز بناتے....

تو بارگاہِ الٰہی میں قیامت کے دن یہ جواب حضرات انبیاء علیہم السلام یا اولیاء وصلحاء کا ہو سکتا ہے۔ پتھروں یا چونے مٹی کے بتوں میں کسی کو گمراہ کرنے کی استعداد وصلاحیت ہے کہاں جو ان سے سوال کیا جائے؟ ظاہر ہے یہ سوال حضرات انبیاءؑ واولیاء اللہ سے ہوگا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح وہ سب مشرکین کی عبادت سے اپنی برأت وبیزاری کا اظہار کریں گے۔

مرقع عبرت وانتباہ: اب جو آیات پیش کی جارہی ہیں، ان سے واضح ہوتا...... کہ قیامت کے دن تمام معبود اپنے مشرک عابدین کی عبادت سے برملا برأت وبیزاری کا اظہار کریں گے، بلکہ ان مشرکین کے دشمن ومخالف بن جائیں گے، اور ان کے مشرکانہ ارتکابات پر ان کی مذمت ومخالفت کریں گے۔

اس وقت ان بدقسمت وبدبخت مشرکین کی بدبختی ومحرومی اور حرماں نصیبی قابلِ دید ہوگی۔ یہ بدنصیب کفِ افسوس ملیں گے اور کہیں گے ۔

وائے قسمت! وہ بھی کہتے ہیں بُرا
ہم بُرے سب سے ہوئے جن کے لیے!

یہ آنے والی آیات مشرکین کے لیے مرقع عبرت وانتباہ ہیں۔ اللہ ربّ العزت ہدایت قبول کرنے کی توفیق بخشے۔

قیامت کے دن معبودین اپنے مشرک عابدین سے کہیں گے:

۱۴. فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝

(۱۱۔ یونس، ع ۳)

ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ بیشک ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔

تو قیامت کے دن یہ تقریر اور مشرکین کی عبادت سے اپنی برأت وبے خبری کا اعلان چونے مٹی اور پتھر کے بت تھوڑا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذی روح حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ یا ملائکہ کا خطاب ہے۔

۱۵. وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا. (پارہ۱۶۔مریم)

اور لوگوں نے خدا کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تا کہ ان کے لیے (عنداللہ) باعث عزت ہوں (ایسا) ہرگز نہیں (ہوگا بلکہ) وہ تو ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

تو یہ قیامت کے دن عبادت کرنے والوں کی عبادت کا انکار بت کریں گے اور پتھر ان پجاریوں کے دشمن ہو جائیں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ کام جامد پتھروں کا نہیں بلکہ ذی عقل و ذی ہوش انسانوں کا ہے، یا فرشتوں کا!

مشرکین نے تو ان مقربین بارگاہ خداوندی کی عبادت اس غرض سے کی تھی کہ عنداللہ ان کی عزت کا باعث ہوں گے، مگر اُلٹا وہ دشمن و مخالف ہو جائیں گے۔

۱۶۔ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَ هُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ٥ (۱۴۔نحل، ع۱۲)

اور قیامت کے دن جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہمارے پروردگار یہ ہیں ہمارے وہ شریک کہ جنہیں آپ کے سوا ہم پکارتے تھے، پس وہ (شرکاء) ان (مشرکین) سے کہیں گے کہ تحقیق تم جھوٹے ہو۔

تو یہ اپنے عبادت کرنے والے مشرکین سے مناظرہ بت کریں گے؟ یہ بدیہی بات ہے کہ مشرکین کی عبادت کا انکار ذوی العقول ہی کریں گے اور انہیں کاذب اور جھوٹا ذی ارواح حضرات انبیاء و صلحاء ہی فرمائیں گے، علیہم السلام۔

۱۷۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ٥ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ٥ (پارہ۲۲۔فاطر ع۲)

اور تم اس (اللہ) کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار (اوّل تو) سنیں گے نہیں، اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہاری دعاء قبول نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کرنے کا انکار کریں گے، اور تجھ کو خدائے خبیر کی طرح کوئی نہیں بتلائے گا۔

تو یہ قیامت کے دن مشرکین کے شرک اور ان کی عبادت کا انکار پتھر مٹی وغیرہ کے بت کریں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ ذوی العقول، ذی روح حضرات انبیاءؑ وصالحین کا ذکر ہے۔

۱۸۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ۔ (پارہ ۲۶۔ احقاف، رکوع اوّل)

اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو خدا کے سوا اس کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں اور جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔

تو یہ قیامت کے دن پتھر وغیرہ کے بت تھوڑا ان کی عبادت سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے۔ اور اپنے ان عبادت کرنے والوں کے دشمن یہ شجر و حجر یا شمس و قمر اور ستارے تھوڑے ہو جائیں گے۔ یہ کام تو بہر حال انسانوں کا ہے۔ یہ حضرات انبیاءؑ وصلحاء ہوں گے، جو مشرکین کی شرکیہ بدکرداریوں سے اپنی برأت ظاہر کر کے گویا ان کے دشمن ہوں گے۔

حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ اور علماء ومشائخ سب مِنْ دُوْنِ اللّٰہ میں شامل ہیں

اب قرآن کریم سے وہ آیات بیّنات پیش کی جاتی ہیں جن میں صراحت سے حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ اور علماء ومشائخ کو بھی من دُونِ اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

۱۹۔ یہود ونصاریٰ سے متعلق فرمایا گیا:

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ

(پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ، رکوع ۵)

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے علماء ومشائخ کو ربّ بنا رکھا ہے اور مسیحؑ ابن مریمؑ کو بھی۔

احبار ورہبان یہود ونصاریٰ کے علماء ومشائخ اور حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام تک سب ارباب من دون اللہ میں شامل ہیں۔

۲۰۔ آیت ماسبق میں حضرت مسیح ابن مریم کا ذکر ہے۔ متصلا فرمایا:
قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا.
(پارہ ۶۔ سورہ المائدہ، رکوع ۱۰)

آپ (اہل کتاب نصاریٰ) سے کہئے کیا تم خدا کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ ضرر کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام پر من دُون اللہ کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔

۲۱۔ اس بدبخت قوم نے قیامت کے دن اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو جواب دہ ٹھہرایا۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ.
(پارہ ۷۔ سورہ مائدہ، آخری رکوع)

اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے بھی اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنالو، (عیسیٰ علیہ السلام) کہیں گے (توبہ توبہ) آپ تو شرک سے پاک ہیں، مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔

دیکھیے! حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام پر من دُونِ اللہ کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔

۲۲. مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ. (پارہ ۳۔ آل عمران رکوع ۸)

کسی بشر سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے سوا میرے بندے ہو جاؤ۔ ولیکن کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ۔

اس آیت میں تمام حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام سے متعلق مِنْ دُونِ اللہ فرمایا گیا ہے۔ تفسیر روح المعانی، کبیر اور مدارک وغیرہ میں اس آیت کے شانِ نزول میں یہ روایت نقل ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان وعلو مرتبت کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا وَلٰكِنْ اَكْرِمُوْا نَبِيَّكُمْ وَاعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّسْجَدَ لِاَحَدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَنَزَلَتْ[1]

ہرگز نہیں البتہ اپنے نبی کی تکریم کرو، اور ہر صاحب حق کا حق پہچانو، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے سجدہ کیا جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

نہ صرف دوسرے حضرات انبیاء و مرسلین من دونِ اللہ میں داخل ہیں، علیہم الصلوٰۃ والسلام، بلکہ آیت کے شانِ نزول سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ امام المرسلین، سیّد الانبیاء حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات پاک کو بھی من دون اللہ کا فرد قرار دیا ہے۔

اپنے لیے سجدۂ تعظیم کی نفی و نہی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

خلاصہ: یہ کتاب اللہ کی بائیس نصوص ہیں، قرآن پاک کی ان تمام نصوصِ صریحہ کے بعد بھی یہ ممکن ہے کہ غیر اللہ اور من دون اللہ سے صرف بت وغیرہ مراد ہوں اور حضرات انبیاء و اولیاء اللہ ان سے مستثنیٰ ہوں اور ان کی عبادت جائز ہو؟ ہرگز نہیں! درحقیقت عبادت صرف ذات پاک باری تعالیٰ کا حق ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا بھی حق نہیں، اور اس سلسلہ میں اللہ کے سوا ہر چیز خواہ وہ غیر ذوی العقول ہوں خواہ ذوی العقول، جان دار ہوں یا بے جان، اصنام و اوثان ہوں یا شمس و قمر، اشجار ہوں یا احجار، انسان ہوں یا حیوان، جن ہوں یا ملک، ولی ہوں یا نبی، سب غیر اللہ ہیں، من دون اللہ۔

اُلٹی منطق: جو لوگ حضرات انبیاء و صلحاء کو اللہ کے حقِ عبادت میں شریک کرتے ہیں، اور اپنے زعم و خیال میں اِسے ان حضرات کی عظمتِ شان سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ”جو بھی حضرات اولیاء و انبیاء کو عبادت کے معاملے میں غیر اللہ کا مقام دیتے ہیں اور انہیں عبادت کا حق نہیں دیتے وہ ان حضرات کے دشمن ہیں اور ان کی توہین کرتے ہیں۔“

درحقیقت یہ لوگ خود حضرات انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین کے مقامِ عظیم کی توہین کرتے ہیں، اور ان کی عظمتِ شان و رفعتِ مقام کو نہیں سمجھتے۔

کتاب اللہ قرآن حکیم کی نصِ صریح کے مطابق حاملینِ کتاب و حکمت اور فائزینِ مقامِ نبوت کی شانِ اعلیٰ و ارفع کے یہ لائق و شایاں ہی نہیں کہ اللہ رب العزت تو اپنے سارے بندوں

[1] ”روح المعانی“ جلد ۳ ص ۲۰۷۔

میں سے انہیں چن کر اپنی توحید کی اشاعت اور شرک کی بیخ کنی کے لیے نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمائے اور یہ مبلغین و ناشرینِ توحید و قاطعینِ شرک اپنے منشائے بعثت و منصبِ نبوت کے سولہ آنے خلاف دنیا کو اپنی عبادت کی دعوت دینا شروع کر دیں یا اپنی پرستش پر راضی اور خوش ہوں۔

یہ ممکن ہی نہیں، محال ہے۔ یہ حضرات آروں سے تو چر گئے، آگ میں تو پڑ گئے، ان کے لہو پاک سے اللہ کی سرزمین لالہ زار تو بن گئی، مگر ان قدسیوں نے توحید کا پیغام واشگاف الفاظ میں گھر گھر پہنچا دیا۔ انہوں نے کڑی سے کڑی مصیبت جھیل کر ہر قیمت پر خلقِ خدا کو خدا کی عبادت کی دعوت دی اور غیر اللہ کی پرستش سے روکا۔

ان حضرات کی پوری زندگی کی جگر گداز و جاں گسل جہد مسلسل و شبانہ روز مساعی اور ان کی بعثت و رسالت کے مقصد و منصب کے خلاف خود انہی کی عبادت کا دعویٰ ذرا خدا لگتی کہیے عقل و انصاف کی نگاہ میں ان کی تعظیم و تکریم ہے یا ان کے اعلیٰ و ارفع مقام و منصب کی توہین؟ جن لوگوں نے مبلغینِ توحید...... حضرات انبیاء و اولیاء کو عبادت کا حق دے کر خدا کا شریک بنایا ہے، انہوں نے جہاں خدا کے حق کو کما حقہٗ نہیں سمجھا وہاں نبی اور ولی کے منصب و مقام کو بھی نہیں سمجھا۔ اور در حقیقت مقامِ نبوت و ولایت کی توہین و استخفاف کے مرتکب یہ لوگ ہوئے۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا!

حقوق کی تقسیم: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق شناسی کا سبق دے رہے ہیں، آپ کا حکم ہے: وَاعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ، اہل حق کا حق پہچانو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا حقِ اکرام و تکریم متعین فرما رہے ہیں، وَلٰـكِنْ اَكْرِمُوْا نَبِيَّكُمْ اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق قرار دے رہے ہیں، جو اللہ کے سوا کسی کا بھی حق نہیں، لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّسْجَدَ لِاَحَدٍ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واضح تعلیم اور خدا اور محبوبِ خدا کے حقوق کی تقسیم و تعیین کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاں آپ کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، وہاں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت نہیں کی، نہ کبھی سجدہ کیا، نہ کبھی دُکھ سکھ میں پکارا، نہ کبھی آپ کی قسم کھائی نہ منت مانی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبادت کا جواز پیدا کرنا اور خدا کے ساتھ آپ کو عبادت میں شریک کرنا، صرف بتوں کو عبادت کا حق نہ دینا اور حضرات انبیاء و صلحاء کو عبادت میں شریک ٹھہرانا، یہ اللہ رب العزت کی حق تلفی کے ساتھ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدولِ حکمی و نافرمانی ہے

یا آپ کی اطاعت وفرماں برداری؟ اور آپ کی عدول حکمی ونافرمانی آپ کی عزت وتکریم ہے یا آپ کی شان میں گستاخی اور آپ کی توہین؟

محبت کا معیار: سوال یہ ہے کہ محبت کا معیار کیا ہے؟ محبت محبوب کی اطاعت وتعمیلِ ارشاد کا نام ہے یا محبوب کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی و روگردانی کا؟

عشق وفسق: سچی محبت تو جان دے کر بھی محبوب کی رضا جوئی سے عبارت ہے، عشق نام ہی محبوب کے آگے سرافگندگی، اپنی خواہشات کی سرکوبی اور محبوب کے احکام کی دیوانہ وار تعمیل کا ہے۔ اپنے من کی خوشی اور خواہشِ نفس کی تعمیل تو ہوا و ہوس ہے، فسق ہے، عشق کہاں؟ محبوب کی اطاعت سے انحراف وسرکشی تو اپنے نفس کی اطاعت و پرستش ہے، محبوب کی محبت کہاں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی وعدولِ حکمی کا ارتکاب کرنے کے باوجود اپنے آپ کو محبِ رسول سمجھا اور اُلٹا آپ کی اطاعت کا فرض بجالانے والوں کو آپ کا دشمن اور آپ کی توہین کا مرتکب قرار دینا درحقیقت ایک اعجوبہ اور طرفہ تماشا ہے۔

تَعْصِي الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تَزْعَمُ حُبَّہٗ،
هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الزَّمَانِ بَدِیْعٌ،
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَ طَعْتَہٗ،
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ یُطِیْعٌ،

تو رسول کی نافرمانی کرتا ہے پھر آپ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، خدا کی قسم! یہ زمانے میں نرالی اور عجیب بات ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو آپ کی اطاعت کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب کی فرمانبرداری کرتا ہے

اسلام ادائیگی حقوق کا نام ہے: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حق شناسی کا حکم فرمایا ہے۔ درحقیقت اسلام نام ہی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کا ہے۔ پورے اسلام کا طول وعرض سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جس کا جو حق ہے، ادا کرو...... خدا کا حق ہے ادا کرو...... رسول کا حق ہے ادا کرو...... نبی کا حق ادا کرو...... ولی کا حق ادا کرو...... ماں باپ کا حق ادا کرو...... اولاد کا حق ادا کرو...... بہن بھائی کا حق ادا کرو...... بڑوں

کا حق ادا کرو...... چھوٹوں کا حق ادا کرو...... انسان کا حق ادا کرو...... حیوان کا حق ادا کرو...... کتے کا حق ادا کرو...... بلی کا حق ادا کرو...... جس کا جو بھی حق ہے ادا کرو...... اسی کا نام اسلام ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی تک کے حقوق کی تعلیم دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: ایک شخص نے سرراہ ایک کتے کو دیکھا، (شدت) پیاس سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس نے کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر اسے بخش دیا۔[1]

دوسری حدیث میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: میں نے دوزخ میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں دیکھا۔ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو اسے خوراک دی نہ چھوڑا، حتیٰ کہ وہ بھوک سے مرگئی۔ صحیح مسلم (''مشکوٰۃ'' باب البکاء والخوف)

اشتراکِ حقوق:

بعض حقوق میں اشتراک ہوتا ہے، بعض میں اشتراک نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک گھر میں ایک شخص کی ماں، بیٹی، بہن اور زوجہ رہتی ہیں، کھانا، پینا، کپڑا لتا، چارپائی، بستر، علاج معالجہ سب کا مشترک حق ہے۔ ماں بھی کھائے گی بیٹی بھی، اہلیہ بھی کپڑا پہنے گی بہن بھی، چارپائی اور بستر کا انتظام جس طرح ماں بیٹی کا کرنا ہوگا، زوجہ اور ہمشیرہ کا بھی کرنا ہوگا۔ بیمار ہونے پر دوادارو گھر والی اور بیٹی کا ہوگا تو ماں اور بہن کا بھی ہوگا۔

ان حقوق میں اشتراک ہے۔ اس قبیل کے حقوق گھر کے سب افراد کے مشترک ہیں۔ یہ نہیں کہ ماں کو تو کھانا دیا جائے پر بیٹی کو فاقوں مار دیا جائے۔ یا بیگم صاحبہ کے لباس کا تو انتظام کیا جائے مگر بہن کی پوشاک کا فکر نہ کیا جائے۔ یہ حقوق سب کے مشترک ہیں۔ لہٰذا خاندان کے سربراہ کو ان سب کے ان حقوق کو یکساں ادا کرنا ہوگا۔

منفرد حقوق:

لیکن بعض حقوق منفرد ہوتے ہیں۔ ان میں اشتراک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً سعادت مند برخوردار خدمت ماں کی کرے گا۔ یہ ماں کا حق ہے۔ جنت ماں کے قدموں میں ملے گی، بیگم صاحبہ یا بہن اور بیٹی کے قدموں میں نہیں۔ یہ صرف ماں کا حق ہے، اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ حق مہر خاص اہلیہ کا حق ہے، اس میں ماں بیٹی کا حصہ نہیں، تعلیم و تربیت اور نکاح شادی کا فکر بیٹی اور بہن کا حق ہے، ماں اور زوجہ کا اس میں حصہ نہیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد۔

انفرادی حقوق میں کسی دوسرے کا اشتراک نہیں:

انسانیت اور شرافت اور دین کا حکم اور تقاضا یہ ہے کہ حق مہر گھر والی کا ادا کرو، تعلیم اور رشتے کا فکر بیٹی اور بہن کا کرو، اور خدمت ماں کی! اب اگر کوئی سرپھرا کسی شریف انسان کو ملامت کرتا ہے کہ اس نے اپنی اہلیہ کو تو حق مہر ادا کیا، لیکن ماں کو ادا نہیں کیا، لہٰذا یہ ماں کا گستاخ اور بے ادب ہے، یہ ناخلف ہے، تو اس پر ہر صاحب عقل و ہوش اُلٹا اس ملامت کرنے والے کو بے وقوف اور احمق قرار دے گا۔ اس شریف انسان کو کوئی بھی صحیح الدماغ موردِ الزام نہیں ٹھہرائے گا، کیونکہ حق مہر تو ہے ہی اہلیہ کا حق، یہ ماں کا حق کہاں؟ لہٰذا ماں کو حق مہر ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس طرح اگر کوئی یہ کہے کہ یہ شخص تو اپنی گھر والی کا دشمن ہے، کیونکہ اپنی لڑکی کے لیے موزوں رشتے کی تلاش میں تو سرگرداں ہے مگر اپنی اہلیہ کے لیے اسے رشتے کا کوئی فکر ہی نہیں، اس ہفوات پر ہر خردمند اور دانشور انسان اُلٹا اس معترض کو فاتر العقل اور پاگل سمجھے گا۔ اس شریف انسان کو کوئی بھی ہدفِ ملامت نہیں بنائے گا۔ کیونکہ موزوں رشتے کی تلاش بہن اور بیٹی کا حق ہے، اس میں اہلیہ کا حصہ کہاں؟ اپنی زوجہ کے لیے رشتے کی تلاش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان مثالوں کی روشنی میں اب اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

اللہ اور عباد اللہ کے مشترک حقوق:

جس طرح ماں بیٹی، بہن اور اہلیہ کے کچھ حقوق مشترک ہیں، اسی طرح خدا اور خدا کے نیک اور محبوب و منتخب بندوں کے بھی کچھ حقوق مشترک ہیں۔ مثلاً ایمان[1] خدا پر بھی لانا فرض ہے اور حضرات انبیاء و مرسلین پر بھی، محبت[2] خدا کی بھی ایمان ہے اور محبوبِ خدا کی بھی، صلی اللہ علیہ وسلم! بلکہ آلِ رسولؐ حضرات صحابہؓ اور صلحاؒ کی بھی محبت علامتِ ایمان ہے، اسی طرح اطاعت[3] خدا کی بھی فرض ہے اور رسولِ خدا کی بھی، بلکہ حضرات اولیاء اللہؒ، علماء حقؒ، اور سلف صالحینؒ کی بھی! اتباع[4] احکام خداوندی کا بھی دین ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صدیقین و شہدا و صالحین تمام منعم علیہم بندگانِ خدا کا بھی! رضی اللہ عنہم۔

اللہ کا خاص اور اخص حق:

جہاں ایمان[1]، محبت[2]، اطاعت[3] اور اتباع[4] وغیرہ حقوق میں اللہ اور عباداللہ الصالحین کا اشتراک ہے، اور یہ چاروں حقوق اللہ اور اللہ کے محبوب ومقرب بندوں کے مشترک ہیں، وہاں ایک حق اللہ رب العزت کا ایسا ہے جس میں کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں اور وہ حق ہے عبادت۔

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا قیامت کے دن بارگاہِ رب العزت میں جواب:

سُبْحَانَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ.

(توبہ توبہ) آپ تو شرک سے پاک ہیں، مجھے یہ کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں،

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

لَا وَلٰکِنْ اَکْرِمُوْا نَبِیَّکُمْ، مجھے سجدہ نہ کرو، میری صرف عزت وتکریم کرو

سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ عبادت خاص خدا کا حق ہے، دوسرے کسی کا نہیں، خواہ ماں ہو خواہ بیٹی اور خواہ بہن۔ تو جس طرح ایک خاوند حق مہر صرف اپنی اہلیہ کو ادا کرے گا کسی اور کو نہیں، اسی طرح ایک مرد مسلمان عبادت بھی خدا ہی کی کرے گا کسی غیر کی نہیں۔ یہ مر تو جائے گا، جل تو مرے گا، مگر غیر اللہ کی عبادت نہیں کرے گا، خواہ وہ ولی ہو یا نبی یا امام الانبیاء ہوں، علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

اب اگر کوئی شخص اس پر اس مرد مسلمان کو ملامت کرے اور کہے کہ یہ تو رسول کا گستاخ اور بے ادب ہے، نبی کی توہین کرتا ہے، کیونکہ عبات کا حق نبی کریم کو نہیں دیتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

تو اس کی یہ منطق بالکل ایسی ہوگی جیسی اس پاگل اور فاتر العقل کی، جو کہتا ہے کہ یہ شخص تو ماں کا گستاخ اور بے ادب ہے، ماں کی توہین وتذلیل کرتا ہے، کیوں کہ حق مہر اپنی بیگم صاحبہ کو تو کب کا دے چکا ہے مگر ماں کو نہیں دیتا۔ یا موزوں رشتہ اپنی بیٹی اور بہن کے لیے تو تلاش کر رہا ہے مگر ماں کا اسے قطعاً فکر نہیں۔ ظاہر ہے کوئی بھی صاحب عقل وبصیرت اس بیہودہ منطق کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گا۔ اُلٹا صاحبِ منطق کو پاگل قرار دے گا۔ شریف صاحب خانہ کی بجائے خود اس معترض کو ملامت کرے گا، کہ او مخبوط الحواس! حق مہر میں ماں کا کیا حصہ؟ یہ تو خالص بیوی کا حق ہے۔ یا رشتہ تو بیٹی اور بہن ہی کے لیے تلاش کیا جاتا ہے، ماں کے لیے موزوں رشتے کی جستجو کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بالکل اسی طرح کوئی بھی صحیح الدماغ اور سلیم الفکر انسان اس مشرکانہ منطق کی تائید وحمایت نہیں کرے گا۔ اُلٹا صاحبِ منطق کو فاتر العقل قرار دے گا، اس مردِ مسلماں کو ملامت کرنے کی بجائے اُلٹا اس معترض کو ملامت کرے گا اور کہے گا، عبادت تو خاص خدا کا حق ہے، اس میں کسی غیر اللہ کا حصہ کہاں؟ عبات میں کسی ولی اور نبی کی شرکت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

انداز ۲۳

ایک اور انداز سے عبادت غیر اللہ کی نفی و مذمت کی جاتی ہے

اب قرآن کریم سے وہ آیات پاک پیش کی جاتی ہیں جن میں صراحت ہے کہ

حضرات انبیاء علیہم السلام، ملائکۃ اللہ اور اولیاء کرامؒ کی عبادت شرک ہے

۱. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۝

بیشک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ واقعی اللہ مسیح ابن مریم ہے، اور (خود) مسیح نے کہا، اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو، جو میرا (بھی) ربّ ہے اور تمہارا (بھی) ربّ ہے۔ بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا سو اللہ نے اس پر جنت حرام کی، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

۲. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ.

(۶۔ سورۂ مائدہ، رکوع ۱۰)

بلاشبہ وہ لوگ (بھی) کافر ہوئے جنہوں نے کہا، اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ بجز ایک معبود کے کوئی معبود نہیں۔

نصاریٰ ملعونین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا بھی کہا اور تین میں سے ایک بھی کہا، یعنی خدائے واحد کی جگہ تین خدا تجویز کیے۔ حضرت مسیح، روح القدس اور، یا حضرت مسیح، حضرت

مریم اور اللہ تعالیٰ، اور خود حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو دوسروں کی طرح رب تعالیٰ کا مربوب اور بندہ ہونے کا غیر مبہم اور واضح اعلان فرما کر بنی اسرائیل کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ اور ان کی ذات کو اللہ کہنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہوئے شرک کی مذمت فرمائی اور کہا: مشرک پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

تو ان آیات پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام یا روح القدس (حضرت جبرئیلؑ) کو خدائے واحد کے ساتھ معبود قرار دینے کو اللہ رب العزت نے کفر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شرک فرمایا ہے، اور ان مرتکبین کفر و شرک پر جنت حرام ہے اور یہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جس بشر کو اللہ کتاب و حکمت اور نبوت عطا فرمائے وہ نہ تو لوگوں کو اپنی بندگی کے لیے کہے گا۔ (پارہ ۳۔ آل عمران، ع ۸)

۳. وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اور نہ تم کو یہ حکم کرے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو، کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

تو اللہ رب العزت نے صراحت کے ساتھ فرشتوں اور نبیوں کو رب اور معبود قرار دینے کو کفر فرمایا ہے۔ یہ اللہ کے کسی نبی کی شان کے شایان نہیں کہ وہ خدائے واحد کے ساتھ اپنی ذات کی معبودیت یا دوسرے حضرات انبیاء و ملائکہ کی ربوبیت کی دعوت دے، یہ تو کفر اور شرک ہے، اور نبی سے کفر و شرک کا امر و حکم شرعاً محال ہے۔ اللہ کے ہر نبی نے انسانیت کو اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دی ہے اور اسے خدائے واحد کے در پر جھکایا ہے۔

۱۶۸ آیاتِ کریمہ، ۱۰۲ احادیثِ نبویہؐ اور ۲۲۳ انداز!

خلاصہ: کتاب اللہ قرآنِ کریم کی قریباً پونے دو سو آیات[۱] اور قریباً ایک سو احادیث[۲] پاک میں قریباً دو درجن انداز سے عبادت کو ذاتِ پاک رب العزت ہی کے لیے خاص کر کے ماسوی اللہ ہر چیز کی الوہیت و ربوبیت اور معبودیت کی شدت سے نفی کی گئی ہے۔

صراحت سے حضرات انبیاء علیہم السلام وعباد اللہ الصالحین کو من دون اللہ میں شمار کیا گیا ہے اور بالکل واضح الفاظ میں حضرات انبیاء واولیاء اور ملائکۃ اللہ کی عبادت کو کفر وشرک فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد یہ غلط بحث ختم ہو جانی چاہئے کہ غیر اللہ سے مراد صرف پتھر کے بت اور مٹی چونے کی مورتیاں ہیں۔ ان کی عبادت تو ممنوع اور حرام ہے، لیکن مقربینِ بارگاہِ الٰہی حضرات انبیاء و اولیاء خصوصاً امام الرسل، سیّد الانبیاء، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو غیر اللہ ہیں اور نہ ہی ان کی عبادت حرام ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اپنے ہیں، غیر نہیں، لہٰذا ان کی عبادت مطلوب ومحمود ہے، ممنوع نہیں، قرآن کریم کی درجنوں آیات اور درجنوں احادیث نبویہ سے اس مغالطہ اور باطل فلسفہ کا بطلان ثابت ہو چکا ہے، اور اب فریب خوردگی نیز فریب کاری کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

پھر آپ ہی بتلائیں

تاہم اگر کسی کو ابھی تک اس باطل نظریہ پر اصرار ہے تو پھر ہم اس سے اتنا کہیں گے کہ اب آپ ہی بتلائیں کہ وہ کون سا انداز ہے، جسے اختیار کرنے پر اللہ کے سوا ہر معبود کی نفی آپ تسلیم کرلیں گے؟ اور وہ کون سے الفاظ ہوں جن کی موجودگی میں آپ اپنے باطل دعویٰ اور زعم سے دستبردار ہو سکتے ہیں؟

ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ کوئی ایسا انداز یا ایسے الفاظ نہیں بتا سکیں گے، قیامت تک نہیں بتا سکیں گے، اور اگر آپ اس قسم کا کوئی انداز یا اس نوعیت کے کچھ الفاظ منتخب اور متعین کریں گے تو وہ ان دو درجن انداز اور ان کم وبیش تین سو آیات واحادیث سے باہر قطعاً نہیں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ قدیم قرآنِ حکیم میں ارشاد فرما دیئے ہیں، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث پاک میں! بہر حال اب اسے تسلیم کر لینا چاہئے کہ:

عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ اللہ کے بغیر ہر چیز غیر اللہ ہے، اور ہر غیر اللہ کی عبادت ممنوع، حرام، کفر اور شرک ہے!

---

۱ ؎ صرف انہی آیات واحادیث پر حصر نہیں، پورے قرآن اور کتب احادیث میں سینکڑوں آیات واحادیث اس مضمون کی مل سکتی ہیں۔

۷

عبادت

کتاب وسنت، قرآن وحدیث کی قریباً تین سو نصوص صریحہ سے یہ ثابت وواضح ہو چکا ہے کہ عبادت صرف ایک اللہ کا حق ہے۔ ذات پاک رب العزت کے بغیر ہر غیر اللہ کی عبادت ممنوع وحرام، کفر اور شرک ہے۔

اب عبادت کے معنی ومفہوم، عبادت کی حقیقت، عبادت کے لوازم واصول اور اس کے متعلقات پر تفصیل سے بحث ملاحظہ ہو:

عبادت کے معنی: عبادت کے معنی ہیں بندگی، پرستش، بدرجۂ غایت تذلل وعاجزی اور انتہائی تعظیم واطاعت۔

۱۔ امام راغب[۱] اصفہانی لکھتے ہیں:

اَلْعُبُوْدِیَّۃ کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا، مگر العبادۃ کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے لفظ ''العبادۃ'' ''اَلْعُبُوْدِیَّۃ'' سے زیادہ بلیغ ہے، لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہو سکتی ہے جو بے حد صاحبِ فضل وانعام ہو اور ایسی ذات صرف ذاتِ الٰہی ہی ہے، اسی لیے فرمایا:

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ. کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔[۲]

۲۔ ''لغات القرآن'' میں ہے: مخدوم علی مہائمی اپنی مشہور تفسیر ''تبصیر الرحمن و تیسر المنان بعض ما یشیر الی اعجاز القرآن'' میں رقمطراز ہیں:

۱۔ امام ابوالقاسم حسین راغب اصفہانی رحمہ اللہ پانچویں صدی ہجری کے ائمہ اعلام میں سے ہیں۔ لغت اور تفسیر وغیرہ کے امام ہیں۔ ان کی لغات قرآن سے متعلق کتاب مفردات.... بڑی مقبول اور شہرہ آفاق وبے نظیر کتاب ہے۔ ۵۰۲ھ میں وفات پائی۔

۲۔ ''مفردات القرآن'' معنی العبادۃ۔

اَلْعِبَادۃ تذلّل للغیر عن اختیار لغایۃ تعظیمہ فخرج التسخیر والسخر والقیام والانحنا لنوع تعظیم۔[1]

"عبادت" اپنے اختیار سے دوسرے کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اس کے لیے فروتنی کا نام ہے، لہٰذا تسخیر کی بنا پر یا مذاق کی غرض سے ایسا کرنا نیز تعظیم رسمی کے لیے کسی کے واسطے کھڑا ہو جانا یا جھک جانا عبادت سے خارج ہے۔

مخدوم موصوف نے عبادت شرعی کی یہ بڑی جامع مانع تعریف کی ہے۔ غور فرمایئے بہت سے افعال ہیں جو بظاہر عبادت معلوم ہوں گے، حالانکہ حقیقت میں وہ عبادت کی تعریف میں نہیں آتے۔ ایک شخص پر کسی نے تسخیر کا عمل کر دیا۔ وہ عبادت کے بہت سے کام کرتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے اپنے ارادے اور اختیار کو اس میں دخل نہیں اس لیے اس کو عبادت نہیں کہا جا سکتا۔ اس طرح ایک شخص مذاق کے طور پر رسوم عبادت کو بجالاتا ہے۔ دیکھنے والا جو حقیقتِ حال سے واقف نہیں بظاہر اس کو عبادت ہی خیال کرے گا، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ وہ تعظیم کے لیے ان کو انجام نہیں دے رہا، بلکہ مسخرہ پن کر رہا ہے۔ ایسے ہی "قیام" اور "انحنا" (جھکنا) کا شمار گویا افعالِ عبادت میں ہے، لیکن جبکہ اس سے مقصود غایت تعظیم نہیں جو فی الواقع عبادت ہے بلکہ ایک خاص قسم کی رسمی تعظیم ہے جو سوسائٹی میں رواج پا گئی ہے، تو اس کو عبادت نہیں کہیں گے۔[2]

۳۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ[3] رقمطراز ہیں:

إن العبادۃ عبارۃ عن نہایۃ التعظیم وھی لا تلیق إلّا بمن صدر عنہ غایۃ الانعام۔[4]

عبادت کے معنی ہیں انتہائی تعظیم اور یہ اسی ذات کے لائق ہے جس کے انعام بے حد و نہایت ہوں۔

۴۔ ایک اور مقام پر ہے:

إنّ العبادۃ اعظم انواع التعظیم فھی لا تلیق إلا بمن صدر عنہ اعظم

---

[1] تفسیر مہائمی جلد ۱ ص ۲۲ طبع بولاق مصر۔ [2] "لغات القرآن" جلد چہارم معنی لفظ عبادت۔

[3] امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اُمت کے ائمہ اعلام میں سے ہیں۔ آپ کی تفسیر کبیر نہایت مقبول شہرہ آفاق تفسیر ہے ولادت ۵۴۳ھ اور وفات ۶۰۶ھ ہے۔

[4] تفسیر کبیر جزء اول ص ۲۴۲ تفسیر ایاک نعبد وایاک نستعین، طبع مطبع البہیہ مصر۔

انواع الانعام و ذلک لیس اِلا الحیوۃ و العقل و القدرۃ وَمصالح المعاش والمعاد. فَاِذا کانت المنافع و المضار کلّھا من اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی وَجَبَ اَنْ لَا تلیق العبادۃ اِلّا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ.[1]

بلاشبہ عبادت تعظیم کی تمام انواع و اقسام سے اعظم و اعلیٰ نوع وقسم ہے، لہٰذا یہ سوائے اس ذات کے جس کے انعامات انعام کی تمام انواع و اقسام سے اعظم و اعلیٰ ہوں کسی کو لائق نہیں اور اعظم انعامات زندگی، عقل، طاقت دینا و آخرت کے مصالح ہیں۔

پس جب ہر قسم کا نفع ونقصان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے تو واجب ہے کہ اس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا عبادت کسی کے لائق نہیں۔

تو حضرت امام رحمہ اللہ عبادت کو نہایت التعظیم اور اعظم انواع التعظیم قرار دیتے ہیں۔

اسی تفسیر کبیر میں عبادۃ کو اطاعت قرار دیتے ہوئے ایک نہایت ہی عجیب ونفیس بحث کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

۵. قولہ (لا تعبدوا الشیطان) معناہ لا تطیعوہ، بدلیل ان المنھی عنہ لیس ھو السجود لہ فحسب، بل الانقیاد لامرہ و الطاعۃ لہ، فالطاعۃ عبادۃ.

اللہ تعالیٰ کے کلام لا تعبدوا الشیطان کے معنی ہیں ''تم شیطان کی اطاعت نہ کرو'' اس دلیل سے کہ شیطان کو محض سجدہ کرنا ہی ممنوع نہیں بلکہ اس کے حکم کی متابعت اور اس کی اطاعت بھی منع ہے، پس اطاعت عبادت ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں ہم کو امراء کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو کیا ہم کو امراء کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے؟ (امامؒ فرماتے ہیں کہ)

طاعتھم اذا کانت بامر اللّٰہ لَا تکون اِلّا عبادۃ للّٰہ وَطاعۃ لہ....

ان (امراء یعنی حکام) کی اطاعت جب اللہ کے حکم سے ہو تو وہ اللہ ہی کی عبادت اور اللہ ہی کی اطاعت ہوگی، اور یہ اطاعت کیسے اللہ کی اطاعت نہ ہوگی جبکہ غیر اللہ کا سجدہ اور رکوع تک بھی جبکہ اللہ کے حکم سے ہو اللہ ہی کی عبادت ہوگی، کیا تم نہیں

---

[1] تفسیر کبیر ج ۱۷ صفحہ ۹۵ تفسیر آیت وَیعبدون من دون اللّٰہ ما لا یضرّھم....

دیکھتے کہ ملائکہ نے آدم (علیہ السلام) کا سجدہ (جب اللہ کے حکم سے) کیا اور یہ اللہ ہی کی عبادت تھی۔

وَاِنَّمَا عِبَادَةُ الامراء هو طاعتهم فيما لم ياذن الله فيه.

امراء (حکام) کی اطاعت (فرمانبرداری) ان کی عبادت صرف اس صورت میں ہوگی جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت کا اذن وحکم نہیں دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب ہم شیطان کی کوئی بات نہیں سنتے اور نہ ہی اس کا کوئی اثر پاتے ہیں تو شیطان کی طاعت اور رحمٰن کی طاعت میں کس طرح فرق وامتیاز ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ:

عبادة الشيطان في مخالفة امر الله.

اللہ کے حکم کی مخالفت، شیطان کی عبادت ہے، اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں شیطان کی عبادت نہیں ہوگی کیوں کہ اس کا تو اللہ نے حکم فرمایا ہے:

ففي بعض الاوقات يكون الشيطن يامُرك وهُوَ في غيرِكَ وَفي بعض الاوقات يأمرك وَهو فيكَ.

پس بعض اوقات شیطان تجھے حکم دیتا ہے اور وہ تیرے سوا کسی دوسرے کی صورت میں ہوتا ہے اور بعض اوقات شیطان تجھے حکم دیتا ہے اور وہ خود تیرے اندر ہوتا ہے۔ پس جب کوئی شخص تیرے پاس آئے اور کسی بات کا حکم دے تو دیکھو کہ وہ حکم اللہ کے حکم کے موافق ہے یا موافق نہیں۔

فان لم يكن موافقًا فذلك الشخص معه الشيطان يامرك بما يامرك به.

اگر اللہ کے حکم کے موافق نہ ہو تو یہی شخص ہے جس کے ساتھ شیطان ہے، اس کا حکم شیطان کا حکم ہے۔

فَاِنْ اَطَعْتَهُ فَقَدْ عَبَدْتَ الشيطن.

اس صورت میں اگر تو نے اس شخص کی اطاعت کی تو تُو نے شیطان کی عبادت کی۔

وَاِنْ دَعَتْكَ نَفْسُكَ اِلى فِعْلٍ فَانْظُرْ اَهُوَ ما ذون فيه من جهة الشرع او ليس كذلك. فان لم يكون مَاذُوْنًا فِيه فنفسك هي الشيطان اَوْ

مَعَهَا الشیطان یدعوکَ فان اتَّبَعْتَهٗ فَقد عَبَدْتَهٗ.

اور اگر تیرا نفس تجھے کسی کام کی طرف بلائے تو دیکھو کہ شرع کی رُو سے اس کام کی اجازت ہے یا نہیں، اگر شرعاً اس فعل کی اجازت نہ ہو تو تیرا نفس خود شیطان ہے یا اس کے ساتھ شیطان ہے جو تجھے بلاتا ہے۔ اگر تو نے اس کی پیروی کی تو یقیناً تو نے شیطان کی عبادت کی۔

پھر شیطان پہلے تو ظاہراً اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا حکم دیتا ہے۔

فمن اطاعهٗ فقد عَبَدَهٗ ومن لم یُطِعْهُ فلا یرجع عنه، بل یقول لهٗ اعبد اللّٰه کي لاتهان والیَرتفع عند الناس شانکَ، وینتفع بک اخوانک واعوانک، فان اجاب الیه فقد عَبَدَهٗ.

پس جس نے اس کی فرمانبرداری کی اس نے اس کی عبادت کی، اور جو شیطان کی اطاعت نہیں کرتا شیطان (ہمت ہار کر) اس کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اسے کہتا ہے، تو اللہ کی عبادت کرتا کہ تیری توہین نہ ہو اور لوگوں کی نگاہ میں تیری شان بلند ہو اور تیری ذات سے تیرے بھائی بندوں اور اعوان و انصار کو فائدہ پہنچے۔ پس اگر اس شخص نے اس کی بات مان لی تو بالیقین اس نے شیطان کی عبادت کی۔ (کیونکہ اللہ کی یہ عبادت رضا الٰہی کے لیے نہیں بلکہ ذاتی اعزاز و مفاد اور اغراض کے لیے ہے لہٰذا مردود ہے۔ (بخاری)

لیکن شیطان کی عبادت، عبادت میں فرق و تفاوت ہے، کیونکہ اعمال میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن میں عامل یعنی کام کرنے والے کا دل، اس کی زبان اور اس کے اعضاء و جوارح سب برابر کے شریک ہوتے ہیں اور بعض کام ایسے واقع ہوتے ہیں کہ کرنے والے کا دل اور اس کی زبان اعضاء و جوارح کی مخالف ہوتی ہے۔

بعض لوگ ایک جرم کا ارتکاب اس حال میں کرتے ہیں کہ ان کا دل اس پر خوش نہیں ہوتا اور وہ (اپنی زبان سے) اپنے ربّ سے مغفرت طلب کر رہے ہوتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ کام بُرا ہے، فهو عبادة الشیطان بالاعضا الظّاهره، یہ (صرف) ظاہری اعضاء سے شیطان کی عبادت ہے، اور بعض لوگ گناہ کا ارتکاب اس حال میں کرتے ہیں کہ ان کا دل

خوش ہوتا ہے اور ان کی زبان بھی (اس گناہ کے ذکر و بیان سے) تر ہوتی ہے۔ (یہ ظاہر و باطن دونوں میں شیطان کے عبادت گزار ہیں)[1]

سبحان اللہ! کیا عجیب پُر کیف و بصیرت افروز تقریر ہے، نفسِ شریر کی مکاریوں اور ابلیس لعین کی فریب کاریوں کو کس خوبی سے بے نقاب کیا گیا ہے۔

۶۔ امام ابن کثیر[1] رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) رقم فرماتے ہیں:

وَالْعِبَادَةُ فِي اللُّغَةِ مِنَ الذِّلَّةِ يقال طَرِيْقٌ مُعَبَّدٌ وَبَعِيْرٌ مُعَبَّدٌ اى مذلّل وَفِي الشَّرعِ عِبَارَةٌ عَمَّا يَجْمَعُ كمال المحبَّةِ وَالْخُضُوْعِ وَالْخَوْفِ.[2]

عبادت کا معنیٰ لغت میں ذلت ہے جیسے کہا جاتا ہے یعنی مُذَلّل (ذلیل) اور شریعت میں عبادت نام ہے کمال محبت، انتہائی عاجزی اور خوف کے مجموعہ کا!

امام ابن قیم[3] رحمہ اللہ نے عبادت کی تعریف یوں فرمائی ہے:

العبادةُ عبارةٌ عن الاعتقادِ والشّعورِ بان للمعبود سلطةٌ غَيْبِيَّةٌ يقدرُ بِهَا عَلَى النفع وَالضرّ فكُلُّ ثَنَاءٍ وَدُعاءٍ وَتَعْظِيمٍ يصاحبه هذا الاعتقاد والشعورِ فَهِيَ عبَادَةٌ.[4]

عبادت اس اعتبار اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط (وتصرف) حاصل ہے جس کی بناء پر وہ نفع ونقصان پر قدرت رکھتا ہے، پس ہر تعریف اور ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس اعتقاد وشعور کے ساتھ کی جائے وہ عبادت ہے۔

عبادت کی اس تعریف سے بہت سے شبہات کا ازالہ ہو گیا۔ تعریف ہو یا پکار یا تعظیم یا کوئی اور فعل ہو، صرف وہی عبادت ہے جس میں محمود و مدعو اور معظم ہستی کو غیبی طور پر متصرف و

---

[1] امام اسمٰعیل بن عمرو دمشقی معروف بہ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر، حدیث اور تاریخ تینوں فنون کے امام جلیل ہیں، "تفسیر ابن کثیر" ان کی بڑی معتبر و مشہور تالیف ہے۔

[2] تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جز اوّل ص ۲۵: تفسیر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ.

[3] امام ابن قیم رحمہ اللہ دین اسلام کے اکابر علماء و اعاظم رجال میں سے ہیں۔ تفسیر، حدیث اور سیرت کے مسلمہ امام ہیں، کثیر التصانیف ہیں۔ اپنے شیخ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرح بڑی عظمت، مقبولیت اور شہرت کے مالک ہیں۔ سن وفات ۷۵۱ھ ہے۔

[4] "مدارج السالکین" جلد ا ص ۴۰ (تفسیر جواہر القرآن" جلد اوّل ص ۸)

مقتدر مانا جائے۔ اسے مافوق الاسباب طاقت وقدرت اور تسلط واقتدار کا مالک جانا جائے۔ اگر کسی معظم ومکرم ہستی کو اس صفت سے متصف نہ مانا جائے تو نہ تو کسی کی حمد وثنا، نہ کسی کی دعا پکار اور نہ ہی کسی کی تعظیم وتکریم عبادت میں داخل ہوگی، لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم، اولیاء اللہ کی حمد وثنا اور ظاہری اسباب کے تحت کسی کو کسی کام کے لیے پکارنا جائز ہوگا، یہ شرک نہیں ہوگا۔

انواع عبادت:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ	وَالصَّلَوٰتُ	وَالطَّیِّبَاتُ
قولی عبادات،	فعلی عبادات اور	مالی عبادات

سب اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔

عبادات تین انواع پر مشتمل ہیں۔ اور یہ تینوں نوع اللہ ربّ العزت کے لیے خاص ہیں۔ غیر اللہ کے لیے عبادت کی کوئی بھی نوع جائز نہیں۔ نہ قولی عبادت نہ فعلی عبادت اور نہ ہی مالی عبادت۔ مسلمان ہر نماز کے ہر دوگانہ میں تشہد کے اندر اعلان کرتا ہے کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ یعنی تمام عبادات قولیہ وفعلیہ ومالیہ اللہ تعالیٰ کا حق ہیں۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۝

(پارہ ۸۔ انعام، ع ۲۰)

آپ کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

عبادت کی ہر نوع اور ہر قسم اللہ ہی کے لیے ہے:

عبادت وعبودیت اور بندگی کی حقیقت ہے، انتہائی[1] اُلفت ومحبت اور انتہائی[2] عجز ونیاز بدرجۂ[3] غایت تذلل، حق یہ ہے کہ یہ اس ذات پاک واجب الوجود کا حق ہے جو بدرجۂ غایت، صاحب کمال، ذوالجلال والاکرام، علی وعظیم، قادر وکریم، مالک الملک، سبحان وقدوس ہو، ہر حسن وصفت کے لحاظ سے کامل ہی کامل ہو، نقص وعیب سے پاک ہو، یکسر پاک!

نہ اس کی عظمت وکمال میں اس ذات بے مثال کا کوئی شریک ہے اور نہ اس کی عبادت میں اس کا کوئی شریک! انسان کی طرف سے انتہائی خشوع، خضوع، عجز ونیاز اور بدرجۂ غایت تذلل وتعبد کا مظاہرہ اسی ذات ہی کے سامنے ہونا چاہیے جو ہر کمال وخوبی سے متصف اور ہر

عیب ونقص سے مبرا ہو۔

عبادت اور تعظیم میں فرق وامتیاز:

عبادت اور تعظیم وتکریم کی حدود باہم دگر اس قدر قریب و پیوستہ ہیں کہ ان میں امتیاز کرنے کے لیے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ شریعت نے بعض دفع جائز ومباح ادب و تعظیم پر بھی تعزیر قائم کر دی، مبادا افراط فی التعظیم کر کے لوگ عبادت کی حد میں داخل ہو کر شرک کے مرتکب ہو جائیں۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان وجلالتِ قدر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہے۔ کاتبِ وحی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیّد الانصار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیّد المسلمین کا لقب دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ خلافتِ فاروقی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح مرکزی مجلسِ شوریٰ کے عظیم رکن تھے۔ بایں ہمہ ایک دفعہ لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے آپ کے پیچھے چل رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ایک کوڑا لگایا۔ انہوں نے فرطِ تعجب سے کہا "خیر ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اَوَمَا تریٰ فتنة للمتبوعِ وَمَذِلَة للتابع." "تمہیں معلوم نہیں کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔" (مسند دارمی ص ۷۰)[1]

اللہ اللہ! اسلام بندگانِ خدا کی ادنیٰ سی ذلت کا بھی متحمل و روادار نہیں ہو سکتا، کیونکہ عبادت انتہاء تذلل سے عبارت ہے، اور یہ اللہ کا حق ہے۔ بندہ اس حد تک بندے کی تعظیم کر سکتا ہے کہ اس میں ذلت کی جھلک نہ ہو۔ کسی بزرگ کی تعظیم، اکرام، احترام سب جائز ہے، مگر اس کے سامنے ادنیٰ ذلت کا مظاہرہ بھی ناروا وحرام ہے۔

گو کسی کے پیچھے چلنا جائز ومباح ادب واحترام کی حدود کے اندر ہے، مگر شریعت کا مزاج اس بارے میں اتنا حساس اور نازک ہے کہ اس منظر کی تاب نہ لا سکا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ارشد نے فتنہ کے خوف سے مشتعل ہو کر ایک انتہائی جلیل القدر شخصیت کو کوڑا رسید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ وعنہما وعنہم اجمعین۔

---

1. "خلفائے راشدین" مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۱۳۸۔

الوہیت کے لوازم وخصائص اور عبادت کے اصول وقواعد

۱ علم غیب، ۲ حضور وشہود، ۳ قدرت واختیار

الوہیت کے لوازم و خصائص اور عبادت کے اصول وقواعد تین ہیں، تین بنیادوں یا ستونوں پر عبادت کی پوری عمارت قائم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اپنے استحقاقِ عبادت کو بیان فرمایا ہے تو انہی صفات کا اثبات فرما کر، اور غیر اللہ کی عبادت، دعا، پکار سے منع فرمایا ہے تو ان صفات کی نفی فرما کر۔ جس میں ان صفاتِ ثلاثہ کا فقدان ہے، اس میں عبادت کی صلاحیت کہاں؟ علی ہذا کوئی مشرک کسی کے ساتھ شرک کرتا ہے اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتا ہے تو اس اعتقاد وشعور اور ایمان ویقین کے ساتھ کہ:

۱۔ وہ معبود عالم الغیب ہے، یعنی میرے دُکھ درد کو جانتا ہے۔ اسے میری معیبت اور تکلیف کا...... خواہ وہ کہیں ہے اور میں کہیں...... خوب علم ہے۔ اسی طرح جو بھی اُسے پکارے اس کے حالات ومصائب سے وہ باخبر ہے۔ یعنی کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس پر منکشف ہے۔ اور دنیا کی کوئی بات، جہان کا کوئی راز اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔ زمین و آسمان کی مخلوقات کے ظاہر وباطن سے وہ بخوبی آگاہ ہے۔

۲۔ وہ معبود ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ جہاں بھی میں اسے پکاروں وہ میری پکار کو سنتا ہے، میری تکلیف کو دیکھتا ہے، اور موقع پر میری مشکل کو حل اور میری حاجت روا کر دیتا ہے، میری ڈوبتی ہوئی کشتی کو کندھا دے کر کنارے لگا دیتا ہے۔

۳۔ وہ معبود قدرت واختیار رکھتا ہے۔ مالک ومختار اور متصرف فی الامور ہے۔ نفع نقصان کا مالک ہے۔ میری تکلیف میرا دُکھ درد دور کرنے پر قادر ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ہے۔

ہر مشرک بنیادی طور پر یہ تین احساسات وعقائد رکھتا ہے۔

۱۔ مشرکین سابقین کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رقمطراز ہیں:

وَقَالُوْا هٰؤُلَاءِ یَسْمَعُوْنَ وَیُبْصِرُوْنَ وَیَشْفَعُوْنَ لِعِبَادِهِمْ وَیُدَبِّرُوْنَ اُمُوْرَهُمْ

وَيَنْصُرُوْنَهُمْ.

مشرکین کہتے ہیں کہ یہ معبود سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، اپنے پجاریوں کی سفارش کرتے ہیں، ان کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔

("حجۃ اللہ البالغہ" جلد اوّل ص ۱۰۸)

۲۔ خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ("روح المعانی" آیت الوسیلۃ)

وَلَا اریٰ اَحَدًا مِمَّنْ يقُول ذٰلِکَ الَّا وَهُوَ یعتقد اَنَّ المدعو الحی الغائب المیّت المغیب یعلم الغیب او یسمع النداء ویَقْدِرُ بِالذَّاتِ اوْ بِالغَیر علٰی جَلْبِ الخیر و دفع الاذیٰ واِلَّا لَمَا دَعَاهُ وَلَا فَتَحَ فاهُ.

غیر اللہ حضرات اولیاء کو پکارنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی میں نے نہیں دیکھا مگر یہ کہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس کو وہ پکار رہا ہے خواہ وہ زندہ ہے مگر ناموجود! یا وفات یافتہ ہے، کہیں (دُور) غائب، وہ غیب کا علم رکھتا ہے یا پکار کو سنتا ہے اور نفع پہنچانے اور (نقصان) یا تکلیف سے بچانے کی طاقت وقدرت رکھتا ہے خواہ ذاتی طور پر اور خواہ عطائی طور پر...... اگر اس کا یہ عقیدہ نہ ہوتا تو نہ تو یہ اسے پکارتا اور نہ منہ کھولتا۔

۳۔ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) عقائد باطلہ شرکیہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وانبیأ و مرسلین علیھم السلام را لوازم الوھیت از علم غیب وشنیدن فریاد ھر کس وھر جا وقدرت بر جمیع مقدورات ثابت کند.

(تفسیر عزیزی پارہ اوّل)

حضرات انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے لیے لوازم الوہیت ثابت کرے علمِ غیب اور ہر شخص کی ہر جگہ فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت واختیار رکھتا ہے۔

بہر حال الوہیت کے لوازم اور عبادت کے اصول یہی تین ہیں، علم غیب، حضور وشہود یعنی ہمہ وقت ہر جگہ حاضر وناظر ہونا اور قدرت واختیار۔

غیب وقدرت: حضور و شہود یعنی حاضر و ناظر ہونے کا مقصد سننا دیکھنا ہے، علم رکھے ہے، تو اس طرح تین کی بجائے دو صفات لوازم و شرائط معبودیت الوہیت ہوں گی، چنانچہ زیادہ تر انہی دو صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (تفسیر "جامع البیان" جلد ۷ص.....)

لِاَنَّهٗ لَا يَنۡبَغِيۡ اَنۡ يَكُوۡنَ رَبًّا اِلَّا مَنۡ لَهٗ ملک کُلِّ شَیۡءٍ وَبِيَدِه كُلِّ شَیۡءٍ وَمَنۡ لَا يَخۡفٰى عَلَيۡهِ خافیةَ وذٰلِکَ هُوَ الَّذِیۡ لَا اِلٰهَ غَيۡرُهٗ.

کیونکہ رب تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو ہر چیز کا مالک ہو اور ہر چیز کا (اختیار) اس کے ہاتھ میں ہو اور جس پر کوئی پوشیدہ چیز بھی مخفی نہ ہو۔ ان صفات والا اللہ ہے جس کے بغیر کوئی معبود نہیں۔

تفسیر کبیر میں بھی ہے:

اِعۡلَمۡ اَنَّهٗ تَعَالٰى لَمَّا بَيَّنَ اَنَّهٗ الۡمختصُ بِالۡقُدۡرَةِ فَكَذٰلِكَ بَيَّنَ هُوَ المختصُ بِعِلۡمِ الۡغَيۡبِ. (تفسیر کبیر" جلد ۲۴،ص ۲۱۱)

جان لے! کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قدرت اس کی مخصوص شان ہے۔ اسی طرح بیان فرمایا کہ علم غیب بھی اسی کا خاصہ ہے۔

علمِ غیب![١]

علمِ غیب، علمِ کُل، علمِ محیط و علمِ بسیط خاصہ خدا ہے۔ اَللّٰہُ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ کے سوا نہ کسی کو علمِ غیب ہے نہ علمِ کُل، ہر کسی کا علم محدود ہے، غیر محدود و محیط علم ایک اللہ ربّ العزت کا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ کریم قرآنِ حکیم میں اپنے علم کی وسعت و بیکرانی اور کلیت و ہمہ گیری سے متعلق نہایت بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور بار بار متعدد اسلوب و انداز سے اپنی ذاتِ واحد کے لیے علمِ غیب و علمِ کُل کا جو اثبات فرمایا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

انداز ۱

علمِ غیب

۱۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ.	(پورے قرآن میں)	[٢] ۱	بار آیا ہے
۲۔ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.	" "	[٣] ۴	" "
۳۔ عَالِمُ الْغَيْبِ.	" "	[٤] ۲	" "
۴۔ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.	" "	[٥] ۶	" "
۵۔ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ.	(یونس ع۲)	۱	" "
۶۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ.	(نمل ع۵)	۱	" "
۷۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ.	(انعام ع۷)	۱	" "
	میزان =	۲۵	بار

---

[١] الغیب ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو، اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے، یعنی غیب بمعنی غائب ہے اور کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے، ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ ("مفردات القرآن" امام راغب اصفہانیؒ، لفظ الغیب)

[٢] سورہ انعام ع۹، ۱، توبہ ع ۱۲، ۱۳، رعد ع۲، مومنون ع۵، زمر ع۵، السجدہ ع۱، آخر حشر، خاتمہ تغابن، صرف اعراب میں فرق ہے۔

[٣] آخر جن اور سبا ع اوّل، اعراب میں فرق ہے۔

[٥] سورۂ بقرہ ع۴، نحل ع۱۱، کہف ع۳، فاطر ع۵ اور حجرات میں الفاظ کے تغیر کے ساتھ

انداز ۲
علمِ کُل

آیت	حوالہ	تعداد	
۱۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔	(پورے قرآن میں)	۱۶[1]	بار آیا ہے
۲۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔	" "	۴[2]	" "
۳۔ وَھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ۔	(یٰس ع ۵)	۱	" "
۴۔ وَکُنَّا بِکُلِّ شَیْءٍ عَالِمِیْنَ۔	(انبیاء ع ۶)	۱	" "
۵۔ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا۔	(آخر جن، یٰس ع اوّل)	۳	" "

میزان = ۲۵ بار

انداز ۳
علمِ مُحیط[4]

آیت	حوالہ	تعداد	
۱۔ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔	(آل عمران ع ۱۲، نساء ع ۱۶)	۳[5]	بار آیا ہے
۲۔ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔	(ہود ع ۸)	۱	" "
۳۔ وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔	(آخر طلاق)	۱	" "
۴۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۔	(نساء ع ۱۸)	۱	" "
۵۔ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْھِمْ۔	(آخر سورہ جن)	۱	" "

میزان = ۷ بار

---

۱ بقرہ ع ۳، ۲۹، ۳۹،، خاتمہ نساء، خاتمہ انفال، توبہ ع ۱۴، مائدہ ع ۱۳، انعام ع ۱۳، عنکبوت ع ۶، شوریٰ ع ۲، نور ع ۵، خاتمہ نور، حجرات ع ۲، حدید ع اوّل اور مجادلہ ع ۱۲ ادنیٰ تغیر الفاظ کے ساتھ۔

۲ نساء ع ۵، احزاب ع ۵ و ۷، فتح ع ۳، ادنیٰ تغیر کے ساتھ۔

۳ الفاظ میں فرق ہے۔

۴ محیط: ہر طرف سے گھیر لینے والا، احاطہ میں لینے والا۔ یعنی ہر چیز کا کُل علم۔

۵ بادنیٰ تغیر الفاظ۔

اندازے

علم وسیع و بسیط[1]

۱. رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا. (مومن، رکوع اول) ابار

۲. وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا. (انعام، ع۹ و طہٰ ع۵ و اعراف ع۱۱) ۳ بار[2]

۳. وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ٥ (پ۷، انعام ع۷)

اور وہ بر و بحر کی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز مگر یہ سب کتابِ مبین (لوحِ محفوظ) میں ہے۔ ابار

یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی میں ہے، خشکی تری، زمین آسمان کی کوئی چیز بھی اس کے علمِ محیط و بسیط سے باہر نہیں۔

۴. اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ٥ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ٥ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ٥ (پارہ ۱۳، رعد، ع۲)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک خاص اندازے پر ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا اور عالی قدر ہے۔ تم میں سے جو شخص کوئی بات چپکے سے کرے یا جو پکار کر کہے اور جو شخص رات کو کہیں چھپ جائے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب (خدا کے علم میں) برابر ہیں۔ ابار

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

۵. يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ٥ (لقمان، ع۲)

---

[1] بسیط: وسیع، کشادہ، پھیلا ہوا (المنجد) یعنی جس سے کوئی چیز باہر نہ ہو۔ [2] صرف ایک لفظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو، یا آسمان کے اندر ہو یا زمین کے اندر، (تب بھی) اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین، باخبر ہے۔ ۱بار

۶. وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ○

(پارہ ۱۱۔ یونس، ع ۷ و پارہ ۲۲۔ شروع سباء)[1]

اور آپ کے ربّ (کے علم) سے کوئی چیز ذرّہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں، اور نہ کوئی اس (ذرّہ) سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر یہ سب (بوجہ احاطہ علمِ الٰہی) کتاب مبین میں ہے (یعنی لوحِ محفوظ میں ہے)۔ ۲بار

۷. وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ. (پارہ ۲۰ نمل رکوع ۶)

اور آسمان و زمین میں ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو۔ ۱بار

۸. اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ط (پارہ ۲۵ شروع و پارہ ۲۲۔ فاطر ع ۲)

قیامت کا علم خدا ہی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی، اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ ۲بار

میزان = ۱۲بار

انداز ۵

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب جانتا ہے!

۱۔ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.	(عنکبوت ع ۶، تغابن رکوع اوّل)	۵[2]	بار آیا ہے
۲۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.	(بنی اسرائیل)	۱	" "
۳۔ قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ.	(انبیاء ع ۱)	۱	" "

[1] بادنیٰ تغیر الفاظ۔ [2] آل عمران ع ۳، مائدہ ع ۱۳ اور حج ع ۹ میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ بھی الفاظ ہیں۔

۴۔ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ.
(ابراہیم ع ۶، آل عمران ع ۱) ۲ " "

۵۔ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (فرقان رکوع اوّل) ۱ " "

۶۔ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ط (سبا رکوع اوّل، حدید رکوع اوّل)
جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے (مثلاً بارش، پانی) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات، معدنیات) اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، یہ سب کچھ اللہ جانتا ہے۔ ۲ " "

میزان = ۱۲ بار

انداز ۶

متقین وظالمین، مصلحین ومفسدین، مہتدین ومضلین اور شاکرین ومعتدین اللہ سب کو جانتے ہیں!

۱۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ. (آل عمران ع ۱۲، توبہ ع ۷) ۲ بار آیا ہے

۲۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى. (نجم ع ۲) ۱ " "

۳۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ. (بقرہ ع ۱۱، ع ۳۲، توبہ ع ۷، جمعہ ع ۱ اور انعام ع ۷[1]) ۵ " "

۴۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ. (آل عمران ع ۶، یونس ع ۴[2]) ۲ " "

۵۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ. (انعام ع ۱۴، نحل ع ۱۶[3]، قلم ع اوّل[4]، قصص ع ۶[5]، نجم ع ۲[6]) ۵ " "

۶۔ اَنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ. (انعام ع ۱۴) ۱ " "

۷۔ (انعام ع ۶، بقرہ ع ۲۷ اور بنی اسرائیل ع ۹ میں شاکرین وغیرہ کے متعلق یہی مضمون ہے) ۳ " "

میزان = ۱۹ بار

---

[1] علیم کی جگہ اعلم ہے۔ [2] بادنیٰ تغیر الفاظ۔ [3] [4] مَنْ يَّضِلُّ کی جگہ بِمَنْ ضَلَّ ہے۔ [5] آیت کا صرف آخری حصہ ہے۔ [6] بالمهتدين کی جگہ بمن اهتدىٰ ہے۔

انداز ۷

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ

(تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے)

۱۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ.	(بنی اسرائیل ع ۶)	۱	بار آیا ہے
۲۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ.	(نور آخر سورہ)	۱	" "
۳۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ.	(نساء ع ۴، ممتحنہ ع ۲)[1]	۲	" "
۴۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ.	(نساء ع ۷)	۱	" "
۵۔ اِنَّ رَبِّیْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ.	(یوسف ع ۷)	۱	" "
۶۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ.	(سورہ محمد ع ۲)	۱	" "
۷۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا.	(نساء ع ۶)	۱	" "
۸۔ سورہ توبہ ع ۶، نور ع ۹، عنکبوت ع ۴، احزاب ع ۲، شوریٰ ع ۴ اور خاتمہ ق میں بھی یہی مضمون ہے۔		۶	" "
	میزان =	۱۴	بار

انداز ۸

اللہ دلوں کے راز جانتا ہے!

۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.	(پورے قرآن میں)	۱۲[2]	بار آیا ہے
۲۔ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ.	(مومن ع ۲)	۱	" "
۳۔ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ.		۲[3]	" "
۴۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ.	(احزاب ع ۶، نساء ع ۹)	۲[4]	" "
۵۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ.	(ہود ع ۳، بنی اسرائیل ع ۳)	۳[5]	" "
۶۔ بقرہ ع ۳۰، فتح ۳ اور ق ع ۲ میں بھی یہی مضمون ہے۔		۳	" "
	میزان =	۲۳	بار

---

[1] ایک لفظ میں فرق ہے۔ [2] آل عمران ع ۱۶، حدید رکوع اوّل، تغابن رکوع اوّل، آل عمران ع ۱۲، مائدہ ع ۲، انفال ع ۵، ہود ع ۱، لقمان ع ۳، فاطر رکوع آخر، زمر ع اوّل، شوریٰ ع ۳، اور ملک رکوع اوّل ادنیٰ فرق کے ساتھ۔
[3] نمل ع ۶ و قصص ع ۷۔ [4] [5] الفاظ میں فرق ہے۔

انداز ۹

اللہ ظاہر و باطن، خفی و جلی، اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے

۱۔ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ ۴[1] بار آیا ہے

۲۔ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ۔ ۳[2] " "

۳۔ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ وَمَا یَخْفٰی۔ (پارہ ۳۰، اعلیٰ، طٰہٰ ع اوّل) ۲[3] " "

۴۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ۔ ۳[4] " "

۵۔ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ۔ (آخر انبیاء) ۱ " "

۶۔ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ۔ (انعام ع ۱) ۱ " "

۷۔ آل عمران ع ۳ و ۱۷، مائدہ ع ۹، توبہ ع ۱۰، ابراہیم ع ۶، بنی اسرائیل ع ۵، محمد ع ۳ اور ممتحنہ ع اوّل میں بھی یہی مضمون ہے۔ ۸ " "

میزان = ۲۲ بار

انداز ۱۰

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ

(اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے)

اللہ اگلے پچھلے سب حالات جانتا ہے:

۱۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ۔
(بقرہ ع ۳۴، طٰہٰ ع ۶، انبیاء ع ۲ اور حج ع آخر) ۴ " "

۲۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی۔ قَالَ عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ۔
(طٰہٰ ع ۲) ۱ " "

---

[1] بقرہ ع ۹، ہود رکوع اوّل، نحل ع ۳، اور یٰس رکوع آخر الفاظ میں فرق ہے۔

[2] تغابن رکوع اوّل، نحل ع ۲ و نحل ع ۲، الفاظ میں فرق ہے۔ [3] الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

[4] مائدہ ع ۱۳، نور ع ۴ و بقرہ ع ۴، الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے، ایک لفظ زیادہ ہے۔

۳۔ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ. (نجم ع۲) " "

اور وہ تم کو (اس وقت سے خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ ۱ " "

میزان = ۶ بار

انداز ۱۱

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ.

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے)

اللہ تعالیٰ سب اعمالِ خیر کو جانتا ہے:

۱۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ.[۱] ۵ " "

۲۔ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ. (بقرہ ع۳۷) ۱ " "

میزان = ۶ بار

انداز ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌ بَصِیْرٌ.

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، انہیں دیکھنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے:

۱۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا (بنی اسرائیل ع۳و۱۱، فاطر ع۵[۲]، شوریٰ ع۳[۳]) ۴ بار آیا ہے

۲۔ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا. (بنی اسرائیل ع۲) ۱ " "

۳۔ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا. (فرقان ع۵) ۱ " "

میزان = ۶ بار

---

[۱] بقرہ ع۲۵و۲۶و۳۷، آل عمران ع۱۰ و نساء ع۱۹، ایک دو لفظوں میں معمولی سا فرق ہے۔

[۲] [۳] تھوڑے سے تغیرِ الفاظ کے ساتھ۔

انداز ۱۳

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ.

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کو سب اعمال وافعال کا علم ہے:

۱۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ.	(پورے قرآن میں)	۴[۱]	بار آیا ہے
۲۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.	(نحل ع ۴)	۱	" "
۳۔ فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.	(حج ع ۹، شعراء ع ۱۰[۲])	۲	" "
۴۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ.	(محمد ع ۴، انعام ع ۷، رعد ع ۶)	۳	" "
۵۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ.	(یونس ع ۴، نحل ع ۱۳[۳])	۷	" "
۶۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ.	(یوسف ع ۹، مومنون ع آخر)	۲	" "

میزان = ۱۹ بار

انداز ۱۴

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ.

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہیں)

اللہ کو سب اعمال کی خبر ہے:

۱۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ.

(بقرہ ع ۳۰، بقرہ ع ۳۷، آل عمران ع ۱۸، حدید ع اوّل، مجادلہ ع ۱ و ۲ اور تغابن ع اوّل) ۷ بار آیا ہے

۲۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.

(آل عمران ع ۱۶، توبہ ع ۲، مجادلہ ع ۲، منافقون خاتمہ سورہ اور مائدہ ع ۲[۴]، نور ع ۷، حشر ع ۳) ۷ " "

۳۔ إِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (ہود ع ، لقمان[۵] ع ۳، احزاب[۶] کو ع اوّل اور ع[۷] ع ۲) ۴ " "

---

[۱] بقرہ ع ۳۹، نور ع ۴، یوسف ع ۲ اور مومنون ع ۴، بادنیٰ تغیر الفاظ۔ [۲] ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔ [۳] نور ع ۶، عنکبوت ع ۵، فاطر ع ۲، زمر ع ۷، شوریٰ ع ۳ [۴] ادنیٰ تغیر کے ساتھ۔ [۵][۶] ایضاً۔ [۷] ایضاً۔

۴۔ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۔ (نور ع ۴، نمل ع ۷[1]) ۲ " "

۵۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ (نساء ع ۱۳، و ع ۱۹[2] و ع ۲۰[3]) ۳ " "

میزان = ۲۳ بار

انداز ۱۵

وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں)

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں:

۱۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (بقرہ ع ۹، ۱۰، ۱۶، ۱۸، آل عمران ع ۱۰) ۵ بار آیا ہے

۲۔ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ۔ (بقرہ ع ۱۷، انعام ع ۱۶[4]) ۲ " "

۳۔ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (ہود آخری آیت، نمل آخری آیت) ۲ " "

۴۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (ابراہیم آخری رکوع) ۱ " "

میزان = ۱۰ بار

انداز ۱۶

مختصر انداز محض دو الفاظ میں اللہ ربّ العزت نے اپنی صفت علم کو جو بیان فرمایا ہے، اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

۱۔ واسع علیم کا ارشاد قرآن کریم میں قریباً .... ۷ مقامات پر ہے

۲۔ علیمٌ حکیمٌ یا علیما حکیما یا العلیم الحکیم یا حکیمٌ علیم یا علیمٌ خبیر یا الحکیم العلیم یا الحکیم الخبیر یا حکیم خبیر کم وبیش...... ۴۰ مقامات پر ہے

۳۔ علیم قدیر یا العلیم القدیر یا العزیز العلیم یا الخلاق العلیم یا علیم حلیم یا علیمًا حلیما یا شاکِرًا علیما یا لطیفٌ خبیر وغیرہ .... ۱۹ مقامات پر ہے

۴۔ سمیعٌ عَلیمٌ یا السمیع العلیم کم وبیش .... ۲۸ مقامات پر ہے

میزان = ۹۴ بار

---

[1] ایضاً۔ [2] [3] ایضاً: صرف ایک لفظ میں فرق ہے۔

انداز ۱۷

قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.

(ارشاد فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

اللہ سب کچھ جانتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا

فرشتوں سے فرمایا:

۱۔ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (بقرہ ع۴) ۱ بار آیا ہے

صحابہ کرامؓ سے نیز مسلمانوں سے اور اہل کتاب وغیرہ سے فرمایا:

۲۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (بقرہ ع۲۶، ع۲۳، آل عمران ع۷، نور ع۲، نحل ع۱۰[1]) ۵ " "

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

۳۔ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. (توبہ ع۱۳ و انفال[2] ع۸) ۲ " "

۴۔ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ. (ابراہیم ع۲) ۱ " "

۵۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ. (مدثر رکوع اوّل) ۱ " "

۶۔ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا. (فتح ع۴) " "

میزان = ۱۱ بار

انداز ۱۸

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ.

(آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم (خاص) اللہ کو ہے)

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں

۱۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ. (اعراف ع۲۳ و احزاب ع۸ و اعراف ع۲۳[3]) ۳ بار آیا ہے

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ. (لقمان آخر سورہ، آخر زخرف[4]) ۲ " "

۳۔ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ. (ملک ع۲) ۱ " "

۴۔ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا. (النازعٰت ع۲) ۱ " "

میزان = ۷ بار

---

[1] واللہ کی جگہ اِنّ اللہ ہے۔ [2] الفاظ میں معمولی سا فرق ہے۔ [3] اللہ کی جگہ ربّی ہے۔ [4] اِنّ اللہ کی جگہ وہ ہے۔

خلاصہ: جہاں اللہ ربّ العزت نے قرآن کریم میں اٹھارہ مختلف اُسلوب و انداز سے ۳۴۱ بار اپنے لیے صفتِ علم کا بیان اور علمِ غیب، علمِ کُل، علمِ محیط اور علمِ بسیط کا اثبات فرمایا ہے، وہاں اپنے سوا کسی برگزیدہ سے برگزیدہ مخلوق کسی فرشتہ یا ولی یا نبی حتیٰ کہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک دفعہ بھی اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اُلٹا ان سے علمِ قیامت وغیرہ علوم کی نفی کی ہے، علیٰ ہٰذا تمام ماسوی اللہ کے لیے علمِ غیب کی نفی فرمائی۔

تمام ماسوی اللہ سے علمِ غیب کی نفی

اپنے محبوب و مقبول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اعلان کرایا، فرمایا:

۱. قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (پارہ ۲۰۔ نمل ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

ارض وسماء، زمین و آسمان کی کوئی خاکی، نوری یا ناری مخلوق ''الغیب'' نہیں جانتی، غیب اگر جانتا ہے تو صرف ایک اللہ جانتا ہے۔ علمِ غیب خاصہ خدا ہے۔

کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو خود اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کا اِدّعاءِ باطل کرتے ہیں، جن کی زبان پاک سے اللہ ربّ العزت نے یہ اعلان کرایا کہ زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا، مگر اللہ!...... تو عالم الغیب ہونے کی صفت اللہ ربّ العزت کے ساتھ خاص ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق کے لیے ثابت نہیں۔ ارشاد فرمایا:

۲. وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ. (پارہ ۷۔ انعام، ع ۶)

اور غیب کی کنجیاں (یا خزانے) اللہ ہی کے پاس ہیں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا

تو غیب کے خزانے اور کنجیاں سب اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، اور کسی کو ان تک رسائی نہیں۔ غیب صرف اللہ جانتا ہے، اس کے سوا اور کسی کو غیب کا علم نہیں۔

نبی کریم ﷺ بھی عالم الغیب نہیں: منصبِ رسالت کے فرائض و وظائف.... اِنذار و تبشیر... کی ادائیگی و سرانجامی کے لیے نہ تو مِلک و اختیار کی ضرورت ہے اور نہ ہی علمِ غیب کی۔ یہ دونوں صفات ذات پاک ربّ

العزت کے لیے خاص ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے ان دونوں صفتوں کی نفی فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

۳۔ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۠ (پارہ ۹۔ اعراف، ع ۲۳)

آپ کہہ دیجئے میں اپنی ذات کے لیے (بھی) نفع وضرر کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب جانتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت مجھے مس نہ کرتی۔ میں تو محض اہل ایمان کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

علم قیامت کے ساتھ چند اور علوم کی تمام نفوس وذوات سے نفی ہو رہی ہے۔ ارشاد فرمایا:

۴۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۠ (آخر لقمان)

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ بیشک اللہ سب باتوں کا جاننے والا، سب خبر رکھنے والا ہے۔

ا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ان پانچ باتوں کو نہ تو کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی برگزیدہ نبی، اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ ان میں سے کوئی بات جانتا ہے تو اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ قرآن کی مخالفت کی، هٰذِهٖ خَمْسَةٌ لَا يَعْلَمُهَا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِىٌّ مُصْطَفٰى فَمَنِ ادَّعٰى اَنَّهٗ يَعْلَمُ شَيْئًا مِنْ هٰذِهٖ فَاِنَّهٗ كَفَرَ بِالْقُرْاٰنِ لِاَنَّهٗ خَالَفَهٗ[1]

ب۔ حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] خازن مطبوعہ مصر، جلد ۳ صفحہ ۴۴۵، تفسیر اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔
خازن علامہ علاؤ الدین بغدادی (متوفی ۷۲۵ھ) کی مشہور تفسیر ہے۔

جس نے تجھے خبر دی کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا یا کلام اللہ میں سے کوئی بات چھپالی۔

اَوْ یَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِیْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ.... فَقَدْ اعظم الفریة.

یا پانچ باتیں جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ علم الساعة میں فرمائی ہیں تو اس نے بہت ہی بڑا افتراء کیا۔ (ترمذی)[1]

ج۔ اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

مَنْ حَدَّثَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ یَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَمَنْ حَدَّثَکَ اَنَّهٗ یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ یَقُوْلُ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ.[2]

جو تجھ سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا تدرکه الابصار، اور جس نے تجھ سے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو بیشک اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ.

د۔ اور بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ خَمْسٌ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ، لَا یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا یَعْلَمُ مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی یَاْتِی الْمَطَرُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ وَلَا یَعْلَمُ مَتٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا اللّٰهُ.[3]

غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل[1] کیا ہوگا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو رحم[2] میں نامکمل بچے ساقط ہوتے ہیں، اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ[3] بارش کب ہوگی، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں[4] مرے گا اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے کہ[5] قیامت کب ہوگی۔

1۔ "مشکوٰۃ المصابیح" باب رویۃ اللہ تعالیٰ۔ 2۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ عالم الغیب۔
3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ رعد۔

صرف پانچ باتوں کا نہیں بلکہ کسی غیب کی بات کا بھی کسی کو علم نہیں:

یہاں یہ مراد نہیں کہ صرف ان پانچ باتوں کا علم اللہ کے سوا دوسرے کسی کو نہیں اور ان کے علاوہ دوسری غیب کی باتوں کا علم لوگوں کو ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ غیب کی کسی بات کا بھی کسی کو کوئی علم نہیں۔

یہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے ایک بڑی عجیب اور صحیح بات فرمائی ہے کہ:
جب قیامت[1] کے وقت کی خبر کسی کو نہیں جس کا آنا بہت مشہور اور نہایت یقینی ہے تو اور کسی چیز کے ہونے کی خبر کسی کو کیا ہوگی، جیسے کسی کی فتح، شکست، بیماری، تندرستی وغیرہ، کہ یہ باتیں نہ تو قیامت کے برابر مشہور ہیں نہ ویسی یقینی!

اسی طرح مینہ[2] برسنے کے وقت کی خبر کسی کو نہیں حالانکہ اس کا موسم معلوم ہے، اور نبی، ولی، بادشاہ، حکیم سارے اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ پھر ایسی چیزوں کا علم کسی کو کیا ہوگا جن کا نہ تو موسم معلوم ہے اور نہ سب لوگ مل کر ان کی خواہش رکھتے ہیں، مثلاً مرنا، جینا، اولاد کا ہونا، یا غنی یا فقیر ہونا۔

اسی طرح جب کسی کو یہ علم نہیں کہ مادہ[3] کے پیٹ میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ؟ ایک ہے یا دو، کامل ہے یا ناقص، خوبصورت ہے یا بدصورت، حالانکہ حکیم لوگ ان سب چیزوں کے اسباب لکھتے ہیں، تو آدمی کے دل و دماغ میں اور مخفی چیزوں کا کسی کو کیا علم ہوگا، مثلاً خیالات، ارادے، اور نیتیں اور ایمان اور نفاق۔

اسی طرح جب کسی کو اپنا حال معلوم نہیں کہ کل کیا[4] کرے گا تو وہ دوسرے کے حالات کا علم کیسے رکھ سکتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کو اپنی موت کا علم نہیں کہ کس جگہ[5] آئے گی تو دوسروں کی موت و حیات، وغیرہ کا کسی کو کیا علم ہوگا۔

غرض کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ آئندہ کی بات اپنے اختیار سے نہیں جان سکتا۔[1]

---

[1] ''تقویۃ الایمان'' فصل دوم شرک فی العلم کی برائی۔ ''تقویۃ الایمان'' توحید کی حقیقت اور شرک کی مذمت میں حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تالیف ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے بھتیجے اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے صاحبزادے ہیں۔

۵. یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج (پارہ۳۔آیۃ الکرسی)

(اللہ تعالیٰ) جانتا ہے جو کچھ خلقت کے رُوبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہی چاہے

اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور کامل ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا بھی علم کامل اور محیط نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر علم دینا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔

۶. یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا. (پارہ۱۶۔طٰہٰ، ع۶)

اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

خدا کا علم ساری مخلوق کو محیط ہے۔ اور کسی کا علم اللہ ربّ العزت کی ذات کا یا اس کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب کا علم محدود ہے اور اتنا ہے جتنا اللہ ربّ العزت نے کسی کو دیا ہے۔

اِطلاع علی الغیب: علم غیب تو کسی کو حاصل نہیں، غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں، کسی مخلوق کی ان تک رسائی اور دسترس نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض غیوب پر مطلع فرما دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ.

(پارہ۴۔آل عمران ع۱۸)

اور اللہ تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں۔

عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب پر اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو غیب کی جس بات پر چاہیں اطلاع دے دیتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ

اسلامی حکومت کے قیام کی مسلح جدوجہد میں سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو جام شہادت نوش کیا۔ رحمہم اللہ۔

يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا○ (آخر سورہ جن)

(اللہ) عالم الغیب ہے، سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اس کے آگے اور پیچھے محافظ (فرشتے) چلاتا ہے۔

تو غیب حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ اپنے برگزیدہ و پسندیدہ رسولوں کو اپنے غیب کی جس بات پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ اور یہ اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہے اور وحی کے ساتھ فرشتوں کا چوکی پہرہ ہوتا ہے۔

غیب کیا ہے اور کیا نہیں:

۱۔ الحافظ العلامۃ الحبر المحقق حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۴۰ھ) ''شرح عقائد'' کی شرح میں رقم فرماتے ہیں کہ: مسئلہ علم غیب میں عوام کے لیے بحث منقح نہیں۔

وَالتَّحْقِيقُ اَنَّ الْغَيْبَ مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِ وَالْعِلْمِ الضَّرُوْرِيْ وَالْعِلْمِ الْاِسْتِدْلَالِيْ وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْاٰنُ بِنَفْيِ عِلْمِهٖ عَمَّنْ سِوَاهُ تَعَالٰى فَمَنِ ادَّعٰى اَنَّهٗ يَعْلَمُهٗ كَفَرَ وَمَنْ صَدَّقَ الْمُدَّعِيْ كَفَرَ وَاَمَّا مَا عُلِمَ بِحَاسَةٍ اَوْ ضَرُوْرَةٍ اَوْ دَلِيْلٍ فَلَيْسَ بِغَيْبٍ وَلَا كُفْرَ فِيْ دَعْوَاهُ وَلَا فِيْ تَصْدِيْقِهٖ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ.[1]

تو غیب وہ ہے جو حواس ظاہری سمع و بصر سے غائب ہو اور علم ضروری وحی و الہام اور علم استدلالی علامات و دلائل پر اس کی بنیاد نہ ہو۔ کتاب اللہ اور ارشادات و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ کے سوا جس علمِ غیب کی نفی فرمائی گئی ہے وہ یہی علمِ غیب ہے اور اس کا مدعی و مصدق بالاتفاق کافر ہے۔ لیکن جو امور سمع و بصر سے محسوس و مدرک ہوں یا وحی یا الہام یا علامات و دلائل سے معلوم ہوں وہ غیب نہیں اور نہ ہی ان سے متعلق علم، علمِ غیب ہے، مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء اللہ کی پیش گوئیاں یا خبریں علمِ غیب میں داخل نہیں کیونکہ یہ وحی و الہام سے مستفاد ہیں، لہٰذا ان کا مدعی و مصدق کافر نہیں۔

۲۔ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات متعلقہ غیب سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

فَلَا يُنَافِيْ الْاٰيَاتِ الدَّالَّةَ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِاَنَّ النَّفْيَ عِلْمُهٗ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ فَكُلُّ مَا وَرَدَ عَنْهُ مِنَ الْغُيُوْبِ لَيْسَ هُوَ اِلَّا عَنْ اِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِهٖ.[2]

---

[1] ''نبراس'' مطبوعہ لاہور ص ۳۴۳۔ [2] حاشیہ ''نبراس'' ص ۳۴۳۔

جو آیات علمِ غیب کی نفی پر دلالت کرتی ہیں وہ اس کی تردید نہیں کرتیں کیوں کہ آپؐ کے علم (غیب) کی نفی بغیر واسطہ کے ہے اور حضرتؐ سے غیب کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کے آپؐ کو (بذریعہ وحی وغیرہ) علم دینے کی بنا پر ہیں (یعنی واسطے سے ہیں)۔

ان تصریحات سے جہلاء کے اس اشکال واعتراض کا بھی دفعیہ ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تو غیر ممالک کی خبریں دیتے ہیں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے، یا 'محکمہ موسمیات'' جو بارش وغیرہ سے متعلق مستقبل کی خبریں دیتا ہے وہ عموماً سچی نکلتی ہیں۔ تو ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا محکمہ موسمیات، یہ واسطہ و ذریعہ اور دلیل وعلامات سے بات کرتے ہیں اور علمِ غیب وہ ہے جو کسی واسطے یا ذریعے یا علامت و دلیل کے بغیر ہو۔

ٹھنڈی ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چل رہی ہے، گھنگھور گھٹا چھائی ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ بارش ہوگی تو یہ علمِ غیب نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد تو حواس اور علم استدلالی پر قائم ہے۔ جب بارش کی علامات ظاہر وموجود ہیں تو بارش ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک قابل و ماہر طبیب نبض دیکھ کر مریض کا حال اور اس کے مرض کی کیفیت بتا دیتا ہے تو اس کی بنیاد اس کے علم واستدلال پر قائم ہے، لہٰذا یہ علمِ غیب نہیں۔

۱۔ چنانچہ رئیس الفقہا والمحدثین حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۶ھ) اور علامہ سعد الدین تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) رحمہما اللہ لکھتے ہیں:

وبالجملة العِلمِ بالغَیبِ اَمر تفرَّدَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا سَبِیْلَ لِلعِبَادِ اِلَیْهِ اِلا باعْلَام منه او الهام بِطَرِیْقِ الْمُعْجِزَةِ اَوِ الْکَرَامَةِ اَوْ اِرْشَادِ اِلٰی الْاِسْتِدْلَالِ بِالْاَمَارَاتِ فِیمَا یُمکِنُ فِیْهِ ذٰلِکَ۔[۱]

۲۔ اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے:

یُکفَرُ بِقَوْلِهٖ اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ اَوْ اَنَا اخبر عَنْ اَخْبَارِ الْجِنّ اِیَّایَ وَاَمَّا ما وَقَعَ لِبَعْضِ الْخَوَاصِ کَالْاَنْبِیَاءِ اَو لاولِیَاء بِالْوَحْیِ اَو الالهام فَهُوَ بِاعْلَامٍ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَلَیْسَ مِمَّا نَحْنُ فِیْهِ۔[۲]

---

[۱] ''شرح فقہ اکبر'' ص ۱۵۵، و''شرح الشرح العقائد'' ص ۵۷۴۔

[۲] ''شامی جلد ۳، کتاب الجہاد، باب المرتد۔

کوئی شخص کہے کہ میں چوری شدہ مال کو جانتا ہوں اور میں ان خبروں کی بناء پر بات کرتا ہوں جو مجھے جن دیتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور بعض خواص جیسے حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ سے ثابت ہے وہ وحی یا الہام کے ساتھ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم دینے کی بناء پر ہے، اس سے ہماری بحث نہیں۔

تو اللہ ربّ العزت اپنے رسول معصومؑ کو یا اولیاء کرام کو وحی و الہام سے بطور معجزہ و کرامت جو کچھ بتلا یا دکھلا دیں، اس میں بحث نہیں، کیونکہ وہ علمِ غیب نہیں، ہاں وحی یا الہام وغیرہ کے واسطہ کے بغیر غیب کا علم، علمِ غیب ہے اور بحث اسی میں ہے اور یہ خاصۂ خدا ہے۔ کسی غیر اللہ، نبی یا ولی کے لیے اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

خلاصہ: علمِ غیب وہ ہے جو عادی وسائل و اسباب اور وسائط کے بغیر از خود ہو اور جو علم، وسائل و ذرائع اور وسائط سے حاصل ہو وہ علمِ غیب نہیں۔ خواہ وہ وسائل و ذرائع حسی و ظاہری ہوں خواہ باطنی و معنوی، یعنی خواہ حواس، علامات، تجربے اور عقل و خرد سے وہ علم حاصل ہو خواہ وحی یا کشف و الہام سے! وہ علمِ غیب نہیں ہے۔

انتباہ: فقہاء اُمت کے اس فتویٰ میں ان لوگوں کے لیے عظیم انتباہ ہے جو بعض ٹھگوں کے پاس جا کر اپنے مال مسروقہ کا اتہ پتہ پوچھتے ہیں اور وہ عیار و پُرکار، چالاک و مکار لوگ جنوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے یا مٹی کا (وضو کرنے والا) لوٹا گھمانے کا ڈھونگ رچا کر ان جاہل مسلمانوں کے مال کے ساتھ ان کے متاعِ ایمان پر بھی ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صراحت سے ان ٹھگوں کی تکفیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائیں۔

حضرات فقہاء و محدثین اور ائمہ علم کلام رحمہم اللہ نے بذریعہ وحی و الہام جس اطلاع علی الغیب پر بحث کی ہے، خود لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا بیان وارشاد ملاحظہ ہو:

امام ابن اسحاق[1] رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں:

غزوۂ تبوک میں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی گم ہو گئی، آپؐ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے، زید بن اللُّصَیت (منافق) کہنے لگا: ”محمد تو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور تمہیں آسمانوں کی خبر دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اُونٹنی کہاں ہے؟“

---

[1] امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۰ھ) سیرت و مغازی کے مسلمہ امام ہیں، بڑے جلیل القدر محدث ہیں، تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انسؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰہُ وَقَدْ دَلَّنِی اللّٰہُ عَلَیْھَا وَھِیَ فِیْ ھٰذِہِ الْوَادِیْ فِیْ شِعْبِ کَذَا و کذا قَدْ حَبَسَتْھَا شَجَرَۃٌ بزمامھا۔

واللہ میں نہیں جانتا مگر وہ جس کا اللہ مجھے علم دیتا ہے۔ اور ابھی اللہ نے مجھے دکھلایا ہے کہ وہ اس وادی میں اس درّہ میں موجود ہے، درخت کی شاخ میں اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گئے اور اُونٹنی کو لے آئے[1]

اگر اللہ ربّ العزت اپنے محبوب رسول کو یا غیر رسول کو بھی بطور معجزہ و کرامت کسی غیب پر اطلاع دے دیں، تو اس کا انکار نہیں۔ یہ خود کتاب و سنت سے بصراحت ثابت ہے، اور یہ وحی و الہام کے واسطہ و ذریعہ سے جو علم و خبر کسی نبی یا ولی کو حاصل ہوگی، یہ غیب نہیں، اور جو غیب ہے یعنی بغیر واسطہ و ذریعہ، بغیر علامت و دلیل غیر مشہود و غیر موجود حقائق و اشیاء کا علم، یہ خاصۂ خدا ہے۔ یہ نہ کسی آسمان والے کو حاصل ہے نہ زمین والے کو، نہ نبی کو نہ ولی کو، نہ کسی فرشتے کو اور نہ ہی کسی اور کو۔

سنتِ رسول ﷺ سے رسولِ کریم ﷺ کے علمِ غیب و علمِ کُل کی نفی

کتاب اللہ کے بعد اب سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ غیب و علمِ کُل کا خاصۂ خدا ہونا اور غیر اللہ سے اس کی نفی ملاحظہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لیے علمِ غیب و علمِ کُل کی ہر موقع پر صراحت سے نفی فرمائی ہے۔ چند احادیث پیش ہیں:

۱۔ بروایت رُبیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا ان کی شادی کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں انصار کی بچیاں دُف بجا کر ان کے آباء کے مناقب پڑھ رہی تھیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، ان بچیوں میں سے ایک نے کہہ دیا: وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ، کہ ہم میں نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا:

---

[1] "سیرت ابن ہشام" مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۶۶، ذکر غزوہ تبوک، "اصابہ" جلد اوّل نمبر ۲۳، ۲۹۔ اصابہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی صحابہ کرامؓ کے حالات پر بڑی عجیب بلکہ بے نظیر کتاب ہے، ہزاروں صحابہؓ و صحابیاتؓ کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ شیخ الاسلام بڑے بلند پایہ محدث اور عظیم و جلیل مصنف ہیں۔ رحمہ اللہ۔

دَعِي هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ. (رواہ البخاری)[1]

اس بات کو چھوڑو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔

اللہ اکبر! مجلسِ تعلیم و تعلم نہیں بلکہ محفلِ فرح و سرور ہے، پھر کہنے والی ایک معصوم لڑکی ہے، کوئی ''شیخ الحدیث'' یا علامہ نہیں، پھر بات گیت کے ایک مصرعہ کی ہے، کسی عقیدہ و ایمان سے متعلق کوئی عبارت نہیں، مگر اللہ کے محبوب رسول ﷺ اس ایک کلمہ کو بھی برداشت نہ فرما سکے، اپنے متعلق علمِ غیب کی ذرا سی نسبت کی بھی اجازت نہ دی اور فوراً منع فرمادیا کہ یہ نہ کہو، اسے چھوڑ دو۔ اللہ اللہ!

۲۔ بروایت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ ایک انصاری بی بی حضرت اُمّ العلاء صحابیہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب انہیں غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں نے کہا: ابو سائب (یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت! میں تمہارے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمایا ہوگا۔ اس پر حضرت ﷺ نے فرمایا: تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور ان کو سرفراز فرمایا ہوگا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، (اگر ان کو نہیں) تو پھر اللہ تعالیٰ اور کس کو نوازے گا؟ ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! ان کی وفات ہوگئی اور خدا کی قسم مجھے بھی ان کے متعلق خیر کی اُمید ہے مگر،

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا ذَا يُفْعَلُ بِيْ. (رواہ البخاری)[2]

خدا کی قسم! گو میں اللہ کا رسول ہوں مگر میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

۳۔ بروایت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ نے فرمایا: خضر نے کہا: یا موسیٰ! جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ آپ نہیں جانتے، اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے وہ میں نہیں جانتا...... پھر جب دونوں سمندر کے اندر کشتی میں سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی، اور سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں تو (حضرت) خضر نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا:

مَا نَقَصَ عِلْمِيْ وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ اِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُوْرِ فِي الْبَحْرِ.[3]

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب اعلان النکاح۔ [2] ''ترجمان السنۃ'' جلد دوم حدیث نمبر ۸۰۱۔

[3] صحیح بخاری کتاب العلم باب ما یستحب للعالم۔

میرے اور آپ کے (دونوں کے) علموں نے (مل کر بھی) اللہ کے علم میں کوئی کمی نہیں کی مگر سمندر سے اس چڑیا کی ایک چونچ برابر۔ (یعنی کوئی کمی نہیں کی)

اس حدیث پاک سے دو باتوں کا علم ہوا ایک تو یہ کہ نبی کا علم ہو یا غیر نبی کا، خضر کا علم ہو یا موسیٰ کا (علیہما السلام) یہ اللہ تعالیٰ کا عطاء فرمودہ ہے، جس کو جو علم دیا ہے اللہ نے دیا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ یہ حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کے جملہ علوم جزئی ہیں، یہ سب علوم مل ملا کر بھی علمِ الٰہی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، انہیں اللہ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں جو سمندر سے ایک قطرہ کو ہے، اللہ کا علم کلی ہے، محیط ہے، وسیع و بسیط ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سوتے میں کروٹ بدلی تو اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور کا دانہ پایا۔ اسے اُٹھایا اور تناول فرمالیا۔ پھر باقی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف سے پیچ و تاب کھاتے رہے، آپ کو نیند نہ آئی۔ آپ نے اپنی کسی زوجہ رضی اللہ عنہا کو یہ کیفیت بیان کی اور فرمایا:

اِنِّیْ وَجَدْتُ تَمْرَۃً تَحْتَ جَنْبِیْ فَاَکَلْتُھَا ثُمَّ تَخَوَّفْتُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ.[1]

میں نے اپنے پہلو تلے ایک کھجور کا دانہ پڑا پایا اور اسے کھالیا۔ اب مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ صدقہ کے مال میں سے نہ ہو۔

اللہ اللہ! کھجور کھا تو لی مگر اس خوف سے کہ...... مبادا یہ عشر کے مال میں سے ہو جو عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں جمع ہوتا اور پھر مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا...... اس فکر سے آپ کی نیند اُچاٹ ہوگئی، شب بھر آپ پیچ و تاب کھاتے رہے۔ یہ ساری کیفیت اس بات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے پیش آئی کہ وہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ کی ہے تو حضرت تناول ہی نہ فرماتے اور اگر علم ہوتا کہ صدقہ کے مال میں سے نہیں تو رات بھر پریشان اور فکر مند اور بے چین نہ رہتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے سے گزرے تو آپ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی۔ ارشاد فرمایا:

لَوْ لَا اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ لَاَکَلْتُھَا. (متفق علیہ)

اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم[2])

---

[1] ''طبقات ابن سعد'' جلد اوّل ص ۳۹۰۔ [2] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب من لا تحل لہ الصدقۃ۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عدم علم ویقین کی وجہ سے کہ وہ کھجور صدقہ کی نہیں، کھجور کو تناول نہ فرمایا۔ اگر مالِ صدقہ میں سے نہ ہونے کا یقین ہو جاتا تو تناول فرما لیتے۔

۶۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں، مسلمانوں میں سے دو شخص باہم جھگڑنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آیا تھا تاکہ تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دوں، لیکن فلاں فلاں باہم جھگڑنے لگے

فَرُفِعَتْ وَعَسٰى اَنْ يَكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ. (رواہ البخاری)[1]

لہٰذا (اس کی تعیین) اُٹھا لی گئی، اور شاید یہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ پس تم اسے پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں (شب) میں تلاش کرو۔

۷۔ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ. (متفق علیہ)[2]

مجھے یہ رات بتلائی گئی تھی پھر میں اسے بھول گیا۔ پس تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالکؒ اور ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۸۔ ایک روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

اِنِّيْ اُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَاِنِّيْ نُسِّيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِيْ وِتْرٍ.[2]

بے شک مجھے لیلۃ القدر بتلائی گئی تھی، مگر وہ بھلا دی گئی، پس اب تم اسے (رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔

یہ عظیم رات جو ہزار مہینوں سے بھی قدر و عظمت میں خیر و افضل اور برتر ہے، اُمت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعین کر کے نہ بتلا سکے کہ کون سی رات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا قطعی علم عطا نہیں فرمایا۔ عطا فرمایا بھی تھا مگر دو مسلمانوں کے باہمی نزاع کی وجہ سے وہ علم واپس لے

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب لیلۃ القدر، موطا مالکؒ میں یہ روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب لیلۃ القدر۔

لیا گیا۔اب آپ نے اندازہ سے فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ کیونکہ رمضان المبارک میں اِس کا ہونا تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ باقی قطعی تاریخ کا تعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمایا۔

۹۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱۰ھ) عاشورا (۱۰ محرم) کا روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَئِن بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ. (رواہ مسلم)[1]

اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو ۹ محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا (تاکہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہو جائے) مگر آپ اگلے سال تک زندہ نہ رہے، ربیع الاوّل ۱۱ھ ہی میں وفات پا گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاتِ شریفہ اور رحلتِ مبارکہ کا بھی علم نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا، مگر خالق و مالک جل جلالہٗ کی طرف سے پیغامِ وصال آ پہنچا اور آپ (۱۰ محرم سے ۱۰، ۱۱ ربیع الاوّل تک) صرف دو ماہ بعد ہی اپنے ربِّ اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

خلاصہ: کتاب اللہ کی متعدد نصوص قطعیہ کے بعد سنتِ رسولؐ سے تو بار خود نبیؐ الانبیاء، سیّد المرسلین کی ذات پاک کے لیے علمِ غیب و علمِ کُل کی نفی ثابت ہے۔ اس کے بعد اور کون ماں کا لال ہے جس کے لیے علمِ غیب کا دعویٰ کیا جائے۔

فقہاءِ اسلام غیر اللہ حتیٰ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب کے مدعی کو کافر کہتے ہیں!

کتاب و سنت کے بعد اس مسئلہ سے متعلق فقہاءِ اُمت کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بہ قاضی خاں (المتوفی ۵۹۲ھ) رقمطراز ہیں:

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب صیام التطوع۔

ایک شخص نے ایک عورت سے (گواہوں کے بغیر) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا، یہ باطل ہے.....

وبعضهم جعلوا ذلک کفرًا لِاَنَّهٗ یعتقد انّ الرَّسولَ صلّی اللّٰهُ علیه وسلّم یَعْلَمُ الْغیب وهُوَ کفرٌ. (فتاویٰ قاضی خاں جلد اوّل کتاب النکاح)

اور بعض نے اسے کفر قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، اور یہ کفر ہے۔

۲۔ علامہ زین الدین ابن نجیم المصری (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

لَوْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَا یَنْعَقِدُ النِّکَاحُ وَیَکْفُرُ لِاعْتِقَادِهٖ اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ. (بحر الرائق جلد۵ ص۱۲۶)[1]

۳۔ السلطان العادل اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) کے مرتب کرائے ہوئے فتویٰ میں ہے:

تَزَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاَۃً وَلَمْ یَحْضُرِ الشهود وَقَالَ:

خدائے را و رسول را گواہ کردیم.....یکفر۔ ("فتاویٰ عالمگیری" جلد۲ ص۴۱۲)

۴۔ نیز امام فقیہ علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ (المتوفی ۵۹۳ھ) اپنی کتاب تجنیس ص ۲۹۷ پر، علامہ طاہر بن احمد (۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاویٰ جلد۴ ص ۳۵۴ پر، امام عبدالرحیم (۶۵۱ھ) فصول عمادیہ ص ۶۴ پر، امام محمد بن محمد الخوارزمی المعروف بالرازی (۸۲۷ھ) فتویٰ بزازیہ ص ۳۲۵ پر اور محدث کبیر علامہ بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) عمدۃ القاری جلد۱۱ ص ۵۲۰ پر، امام ابن ہمام محمد بن عبدالواحد (۸۶۱ھ) مسایرہ جلد۲ ص ۸۸ مع المسامرہ پر، اور علامہ ابن عابدین الحنفی (۱۲۵۲ھ) شامی جلد۳ ص ۳۰۶ اور دوسرے جلیل القدر و شہرہ آفاق فقہاء اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب حاصل تھا وہ کافر ہے۔ حتیٰ کہ "مالا بد منہ" ص ۱۷۶ پر خاتم الفقہاء حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) رحمہ اللہ بھی یہی لکھتے ہیں۔[2]

---

[1] فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ "تاتارخانیہ" میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں۔ اور خزانۃ المفتین، بزازیہ، مجمع البحار، شامی وغیرہ میں بھی!

[2] یہ تمام تفصیلات حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر کی تالیف "تبرید النواظر" طبع ششم ص ۶۸، ۷۰، ۷۱ سے ماخوذ ہیں۔

۵۔ امام الفقہاء والمحدثین حضرت مُلا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) احناف کے چوٹی کے امام و فقیہ امام ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) سے شرح فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ لَمْ یَعْلَمُوا الْمغیباتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحْیَانًا وَذَکَرَ الْحَنَفِیَّةُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ لمعارضةِ قوله تعالٰی قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (کذا فی المسامرہ)[1]

جان لو کہ بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے اس کے جو علم اللہ تعالیٰ انہیں کبھی دیدے اور احناف نے صراحت کے ساتھ اس (اعتقاد رکھنے والے) کی تکفیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، بایں وجہ کہ (یہ اعتقاد) قول تعالیٰ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ..... اِلَّا اللّٰهُ. (الآیۃ) کے معارض ومقابل ہے۔ یہ مسامرہ میں ہے۔ (جو امام ابن ہمام کی تالیف ہے)

شریعت نے تو اس معاملہ میں یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاند کے گرد ہالہ دیکھ کر علم غیب کا مدعی بن کر کہے کہ بارش ہوگی تو وہ بھی کافر ہوگیا۔

یُکفر بقوله عند رویة الدائرة التی تکون حول القمر یکون مطرًا مدعیًا علم الغیب کذا فی بحر الرائق.[2]

۶۔ امام الاحناف حضرت مُلا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

ذُکِرَ فی الفتاوی اِن قول القائل عند رویة هالة القمر یکون مَطَرًا مدعیا علم الغیب لا بعلامته کفرٌ.[3]

جس نے چاند کے گرد دائرہ دیکھ کر بارش کی علامت کے طور پر نہ بلکہ علم غیب کا مدعی بن کر کہا کہ بارش ہوگی، یہ کفر ہے۔

کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم:

۷۔ فقیہ کبیر قاضی خان رحمہ اللہ، الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ

[1] "شرح فقہ اکبر" ص ۱۸۵، باب الانبیاء لم یعلموا الغیبات۔ [2] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲

[3] "شرح فقہ اکبر" بحث الانبیاء لم یعلموا الغیبات۔

ایک شخص نے کہا:

اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ.... ھٰذا القائل وَمَنْ صدقه یکون کافِرًا.

میں چوری شدہ مال کا علم رکھتا ہوں یہ دعویٰ کرنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا کافر ہو گیا۔

ان سے کہا گیا کہ وہ قائل کہتا ہے کہ جن مجھے خبر دیتے ہیں اور میں ان کی خبر کی بناء پر کہتا ہوں تو فرمایا:

هُوَ وَمَنْ صَدَّقَهُ يَكُوْنُ كَافِرًا بِاللّٰهِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فِيْمَا قَالَ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا الْجِنّ وَالانس يقول اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْاَخْبَارِ عَنِ الْجِنِّ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ[1، 2]

وہ کافر ہو گیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ بھی اللہ کا منکر ہو گیا، کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے جو کچھ محمدؐ پر نازل ہوا، اس کا انکار کیا۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ نہ کوئی جن اور نہ ہی کوئی انسان۔ اللہ تعالیٰ جنوں کے حالات سے متعلق (قرآن میں) فرماتے ہیں: فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ...... یعنی جب (حضرت سلیمانؑ بعد وفات عصاء کے دیمک خوردہ ہونے پر) گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی۔ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والوں کو کہا جاتا ہے۔ منجم اور رمال کا بھی یہی حکم ہے۔ عہد

---

[1] حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لگا لیا اور تخت پر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں روح اقدس قبض ہو گئی۔ جنات آپ کو زندہ سمجھ کر اور بیٹھا دیکھ کر محنت شاقہ میں مصروف رہے۔ سال بھر تک اس طرح ذلیل ہوتے رہے۔ سال کے بعد دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں کو حقیقت معلوم ہوئی۔

[2] "فتاویٰ قاضی خان" جلد۴ص۸۸۳ (الدرالفرید ص۷۰)۔ الدرالفرید المعروف "بمرآت التوحید" مولانا عبدالقیوم خارانی کی تالیف ہے۔ عہد حاضر کے جید فاضل عالم ہیں۔ مدظلہ۔

۵۔ امام الفقہاء والمحدثین حضرت مُلا علی قاریؒ (متوفی ۱۰۱۶ھ) احناف کے چوٹی کے امام و فقیہ امام ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) سے شرح فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ الْاَنْبِیَاء عَلَیْهِمُ السَّلَامُ لَمْ یَعْلَمُوا الْمغیباتِ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحْیَانًا وَذَکَرَ الْحَنَفِیَةُ تَصْرِیْحًا بِالتَّکْفِیْرِ بِاعْتِقَادِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْلَمُ الْغَیْبَ لمعارضَةِ قوله تعالٰی قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (کذا فی المسامرہ)[1]

جان لو کہ بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے اس کے جو علم اللہ تعالیٰ انہیں کبھی دیدے اور احناف نے صراحت کے ساتھ اس (اعتقاد رکھنے والے) کی تکفیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، بایں وجہ کہ (یہ اعتقاد) قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ..... اِلَّا اللّٰهُ. (الآیة) کے معارض و مقابل ہے۔ یہ مسامرہ میں ہے۔ (جو امام ابن ہمام کی تالیف ہے)

شریعت نے تو اس معاملہ میں یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاند کے گرد ہالہ دیکھ کر علم غیب کا مدعی بن کر کہے کہ بارش ہوگی تو وہ بھی کافر ہوگیا۔

یُکفر بقوله عند روية الدائرة التي تكون حول القمر يكون مطرًا مدعيًا علم الغيب كذا في بحر الرائق.[2]

۔ امام الاحناف حضرت مُلا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

ذُکِرَ فی الفتاوی إن قول القائل عند روية هالة القمر يكون مَطَرًا مدعيا علم الغيب لا بعلامته كفرٌ.[3]

جس نے چاند کے گرد دائرہ دیکھ کر بارش کی علامت کے طور پر نہ بلکہ علم غیب کا مدعی بن کر کہا کہ بارش ہوگی، یہ کفر ہے۔

کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم:

۷۔ فقیہ کبیر قاضی خان رحمہ اللہ، الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ

[1] "شرح فقہ اکبر" ص ۱۸۵، باب الانبیاء لم یعلموا الغیبات۔ [2] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲

[3] "شرح فقہ اکبر" بحث الانبیاء لم یعلموا الغیبات.

ایک شخص نے کہا:

اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ.... ھٰذا القائل وَمَنْ صدّقه یکون کافِرًا.

میں چوری شدہ مال کا علم رکھتا ہوں یہ دعویٰ کرنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا کافر ہو گیا۔

ان سے کہا گیا کہ وہ قائل کہتا ہے کہ جن مجھے خبر دیتے ہیں اور میں ان کی خبر کی بناء پر کہتا ہوں تو فرمایا:

هُوَ وَمَنْ صَدَّقَهُ يَكُوْنُ كَافِرًا بِاللّٰهِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ فِيْمَا قَالَ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا الْجِنّ وَالانس يقول اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْاَخْبَارِ عَنِ الْجِنِّ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ[1][2]

وہ کافر ہو گیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہ بھی اللہ کا منکر ہو گیا، کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: جو کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے جو کچھ محمدؐ پر نازل ہوا، اس کا انکار کیا۔ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ نہ کوئی جن اور نہ ہی کوئی انسان۔ اللہ تعالیٰ جنوں کے حالات سے متعلق (قرآن میں) فرماتے ہیں: **فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ......** یعنی جب (حضرت سلیمانؑ بعد وفات عصاء کے دیمک خوردہ ہونے پر) گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی۔ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والوں کو کہا جاتا ہے۔ منجم اور رمال کا بھی یہی حکم ہے۔ عہد

---

[1] حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لگا لیا اور تخت پر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں روح اقدس قبض ہوگئی۔ جنات آپ کو زندہ سمجھ کر اور بیٹھا دیکھ کر محنت شاقہ میں مصروف رہے۔ سال بھر تک اس طرح ذلیل ہوتے رہے۔ سال کے بعد دیمک نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں کو حقیقت معلوم ہوئی۔

[2] "فتاویٰ قاضی خاں" جلد ۴ ص ۸۸۳ (الدر الفرید ص ۷۰)۔ الدر الفرید المعروف "بمرآت التوحید" مولانا عبدالقیوم خارانی کی تالیف ہے۔ عہد حاضر کے جید و فاضل عالم ہیں۔ مدظلہ۔

جاہلیت میں ان لوگوں کا رام راج تھا۔ اب بھی جاہل لوگ کاہنوں وغیرہ کے پاس جا کر اپنے متعلق مستقبل کی خبریں پوچھتے ہیں، گم شدہ یا چوری کردہ مال کا پتہ نشان پوچھتے ہیں، اور ان کا ''حق الخدمت'' ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس جا کر غیب سے متعلق خبریں دریافت کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ.... فَقَدْ بَرِیَٔ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ.

(رواہ احمد و ابوداؤد)[1]

جو شخص کاہن کے پاس جائے اور (غیب سے متعلق) اس کی باتوں کی تصدیق کرے.... تو جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا وہ اس سے بَری ہوا۔

ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے الفاظ ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔

شرح فقہ اکبر[2] میں ہے: انّ تصدیق الکاھن بما یخبرہ من الغیب کفر. بزازیہ میں ہے: یکفر بادّعا علم الغیب وباتیان الکاھن وتصدیقه. یعنی علمِ غیب کا دعویٰ کرنے اور کاہن کے پاس جانے اور اس کی تصدیق کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے: یُکْفَرُ بِقَوْلِهٖ اَنَا اَعْلَمُ الْمَسْرُوْقَاتِ اَوْ اَنَا اخبر عن اخبار الجنّ اِیَّای.[3] یعنی میں چوری شدہ مال (کا اتہ پتہ) جانتا ہوں، یا میں جنوں سے معلوم کر کے خبریں دیتا ہوں، اس قول سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا

بہر حال اہل سنت کا تو یہی اجماعی مسئلہ ہے کہ علمِ غیب خاصہ خدا ہے۔ کتاب اللہ، احادیثِ رسول اور فقہاءِ اسلام سے بصراحت ثابت ہے کہ کسی غیر اللہ، نبی یا ولی، انسان یا جن یا ملکِ مقرب کے لیے علمِ غیب و علمِ کُل کا دعویٰ قطعی طور پر کفر ہے، پھر جاہل مسلمانوں میں یہ عقیدہ کہاں سے آیا۔

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب الکہانۃ۔ [2] شرح عقائد ص۱۲۲ پر بھی قریباً یہی لفظ ہیں۔ [3] ''الدر الفرید'' ص ۷۷۔

یہ عقیدہ دراصل غالی رافضیوں کا عقیدہ ہے، اور ان سے جاہل مسلمانوں میں در آیا ہے۔
چنانچہ شیخ المشائخ، امام الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) ان کے عقائد کے بیان میں رقم فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ الْاِمَامَ یَعْلَمُ کُلَّ شَیْءٍ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ مِن امرِ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ حتّٰی عَدَدَ الحِصٰی وَقَطر الْاِمْطَارِ وَوَرَقَ الْاَشْجَارِ....[1]

بیشک امام جو ہو چکی اور جو ہوگی ہر بات جانتا ہے خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو خواہ دین سے یہاں تک کہ کنکریوں کی تعداد، بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے بھی جانتا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی[2] رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لِاَنَّ الامامیة یعتقدون ان الامام المعصوم یَعْلَم ما فی بطن الحامل وما وراء الجِدَارِ.[3]

اس لیے کہ امامیہ (شیعہ) اعتقاد رکھتے ہیں کہ امام معصوم جانتا ہے کہ حاملہ کے پیٹ کے اندر کیا ہے اور دیوار کے پیچھے کیا۔

تو دراصل یہ عقائد و تصورات فرقہ امامیہ اہل تشیع کے تھے، ان سے بوجہ جہالت اہل سنت کہلانے والوں نے بھی انہیں اپنا لیا۔ العیاذ باللہ۔

---

[1] "غنیۃ الطالبین" جلد اول فصل الرافضۃ۔
[2] آپ عظیم محدث و مفسر و مؤرخ ہیں، صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، سال وفات ۹۱۱ھ ہے۔
[3] "تاریخ الخلفاء" حالات خلیفہ الناصر الدین اللہ ۵۷۵ھ۔

حاضر ناظر!

گو اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے اسماء الحسنیٰ میں حاضر اور ناظر دونوں نہیں ہیں لیکن اسماء حسنیٰ میں سے ''شہید'' اور ''بصیر'' اللہ ربّ العزت کے دو پاک نام ہیں۔ شہید کے معنی ہیں حاضر اور بصیر کے معنی ہیں ناظر یعنی دیکھنے والا۔[1]

اللہ ربّ العزت کے لیے ناظر کا لفظ خود لسانِ نبوت سے ثابت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ.

(رواہ الترمذی)[2]

دنیا بڑی لذیذ اور سرسبز (دلکش) ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے اور دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

یہ روایت ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

حیرت ہے کہ اس کے باوجود پاکستان کے ''ایک بزرگ'' یوں دادِ تحقیق دیتے ہیں:

''قرآن وحدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے وارد نہیں ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرامؓ یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔''[3] ایک اور ''محقق'' عصر نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور لکھا کہ: ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں.... خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ہی کی شان ہے۔''[4]

ایک مقامِ شرک تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسولِ خدا یا کسی اور کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جائے .... پر عہدِ حاضر کے بعض بزرگوں کو قرار نہ آیا تو وہ ایک اور جست لگا کر اس مقام بالا تک پہنچ گئے کہ خدا حاضر و ناظر نہیں۔ خدا کو ہر جگہ حاضر و موجود ماننا بے دینی ہے۔ دین و ایمان

---

1. الشہید: حاضر۔ البصیر: دانا، بینا (المنجد)۔ صُراح میں بھی یہی معنی ہیں۔ ''لغات القرآن'' میں ہے ''بصیر'' دیکھنے والا جاننے والا، (جلد دوم لفظ بصیر)۔ 2. ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب الامر بالمعروف۔
3. ''تسکین الخواطر'' ص ۲۔ 4. ''جاء الحق وزہق الباطل'' ص ۱۵۳۔

کی بات تو یہ ہے کہ حاضر و ناظر اور ہر جگہ ہونا رسولِ خدا ہی کی شان ہے، معاذ اللہ، استغفر اللہ! ثم استغفر اللہ!

آیئے کتاب اللہ میں دیکھیں کہ اللہ ربّ العزت ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر ہیں یا نہیں

انداز ۱

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و موجود ہیں

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ

(بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے)

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا. (پارہ ۵۔نساء، رکوع ۵ و پارہ ۲۲۔احزاب ع ۷)
بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہیں۔ ۲ بار

۲۔ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ. (پارہ ۷ آخر مائدہ) ۱ " "

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ. (پارہ ۱۷۔حج، ع ۲۔سباء آخری رکوع) ۵ " "

۴۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا. (پارہ ۲۲۔احزاب، رکوع ۶) ۱ " "

۵۔ وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ. (پارہ ۱۱۔یونس، ع ۷)
اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو بھی کام کرتے ہو ہم تمہارے پاس حاضر ہوتے ہیں جب تم اس کام میں مصروف ہوتے ہو۔ ۱ " "

یعنی جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے ہوں یا اس خصوصی و امتیازی صفت و شان کے علاوہ کسی حال میں ہوں یا کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اور اس میں مصروف و مشغول ہو، اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ علم کے اعتبار سے وہاں حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

---

۱ آخر حم سجدہ، و مجادلہ رکوع اوّل و سورہ بروج بادنیٰ تغیر۔

۲ رقیب: نگہبان، خبر رکھنے والا، نگرانی کرنے والا۔ (لغات القرآن جلد سوم لفظ رقیب)

۶۔ وَاللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ (آل عمران) ۱ بار

۷۔ ثُمَّ اللّٰہُ شَہِیۡدٌ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ۔ (۱۱۔یونس ع ۵) ۱ " "

میزان = ۱۲ بار

انداز ۲

وَھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ

(اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ ہے)

1. وَھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ۔ (پارہ ۲۷۔حدید، رکوع اوّل)
تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ۱ بار

۲. مَا یَکُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمۡ وَلَا خَمۡسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمۡ وَ لَا اَدۡنٰی مِنۡ ذٰلِکَ وَلَا اَکۡثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمۡ اَیۡنَ مَا کَانُوۡا ج ثُمَّ یُنَبِّئُھُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۔ (پارہ ۲۸۔مجادلہ، رکوع ۲)
تین شخصوں کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جہاں وہ ان میں چوتھا نہیں ہوتا، اور نہ پانچ کی، جہاں وہ ان میں چھٹا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، مگر وہ (ہر حالت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ لوگ جہاں کہیں ہوں، پھر ان کو قیامت کے دن ان کا کیا ان کو بتلائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ ۱ بار

۳. یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمۡ اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ۔ (سورہ نساء رکوع ۱۶)
لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپ سکتے، اور وہ ان کے ساتھ ہیں جبکہ وہ رات کو خلاف مرضی الٰہی بات کا مشورہ کرتے ہیں۔ ۱ بار

میزان = ۳ بار

کوئی خفیہ سے خفیہ مجلس و مشورہ ہو، سرگوشی ہو، دن کو ہو یا رات کو، اللہ تعالیٰ اپنے علمِ محیط کے اعتبار سے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اگر تین آدمی خفیہ سرگوشی کرتے ہیں تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوتا ہے۔ اگر پانچ آدمی چھپ کر کوئی مشورہ کر رہے ہیں تو ان کے ساتھ چھٹا خدا موجود

ہوتا ہے۔ پھر خواہ تین سے کم، ایک یا دو ہوں یا پانچ سے زیادہ چھ سات یا دس، بیس جتنے بھی ہوں، اور جہاں کہیں ہوں اور جس حال میں ہوں اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ علم سے ان کے ساتھ ہے، وہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔

اللہ ناظر و بصیر ہے:

انداز ۳

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

۱۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ. (آل عمران ع ۲ و ع ۲، مومن ع ۵)[1]

اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والے ہیں۔ — ۳ بار

۲۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا. (بنی اسرائیل ع ۳، فرقان ع ۲، خاتمہ فاطر، اور فتح ع ۳)[2] — ۴ " "

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ.[3] (پورے قرآن میں) — ۵ " "

۴۔ واللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ.[4] — ۹ " "

۵۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ.[5] — ۴ " "

۶۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ بَصِيْرٌ. (سورہ ملک آخری رکوع) — ۱ " "

۷۔ اَلَّذِیْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِيْنَ. (آخر شعراء) — " "

میزان = ۲۷ بار

اللہ سمیع و بصیر ہے

انداز ۴

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ.

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا. (سورہ نساء، ع ۸ و ع ۱۹)[6]

بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔ — ۲ بار

---

[1] واللہ کی جگہ اِنّ اللہ ہے۔ [2] الفاظ میں فرق ہے۔ [3] بقرہ رکوع ۱۳ و ۳۱ و ۳۰، ہود ع ۱۰، حم السجدہ ع ۵ بادنیٰ تغیر۔
[4] بقرہ ع ۳۶، آل عمران ع ۱۷، انفال آخری رکوع، حدید رکوع اوّل، ممتحنہ رکوع اوّل، تغابن رکوع اوّل، آخر حجرات، احزاب رکوع ۲ اور سباء ع ۲، ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔ [5] بقرہ ع ۱۱، آل عمران ع ۱۷، مائدہ ع ۱۰، انفال ع ۵ بادنیٰ تغیر۔ [6] بادنیٰ تغیرِ الفاظ۔

۲۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ بَصِیۡرٌ. (حج ع ۱۰، لقمان ع ۳، مجادلہ ع ۱)[1] ۴ " "

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ. (مومن ع ۲)[2] ۴ " "

میزان = ۱۰ بار

اللہ سمیع وقریب ہے بلکہ اقرب ہے

اندازہ ۵

اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ

۱۔ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ. (سبا ع ۶)

بیشک وہ سب کچھ سننے والا ہے، نزدیک ہے۔ ۱ بار

۲۔ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ. (۲۶۔ق، ع ۲)[3] ۱ " "

میزان = ۲ بار

اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم ہیں

اندازہ ۶

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ

۱۔ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ. (بقرہ ع ۱۵، آل عمران ع ۴) ۲ بار

۲۔ وَھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ. (بقرہ ع ۱۶، انعام ع ۲، عنکبوت ع ۱ و ع ۶) ۴ " "

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ.
(بقرہ ع ۲۲، حجرات ع ۱ و بقرہ ع ۲۸)[4] و بقرہ ع ۳۳[5] و اعراف ع ۲۴[6] ۵ " "

۴۔ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ.
(بقرہ ع ۲۸، بقرہ ع ۳۳، آل عمران ع ۴ و ع ۱۳، توبہ ع ۱۲ و ع ۱۳، نور ع ۳ و ۸) ۸ " "

۵۔ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ.
(یوسف ع ۴، شعراء ع ۱۱، دخان ع اوّل، حم السجدہ ع ۵، اور یونس ع ۷[7]، اور مائدہ ع ۱۰)[8] ۶ " "

۶۔ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا. (نساء ع ۲۱) ۱ " "

میزان = ۲۶ بار

---

[1] وحج ع ۸، اِنَّ کی جگہ وَاَنَّ ہے۔ [2] وبنی اسرائیل ع اوّل، مومن ع ۶ وشوریٰ ع ۲ بادنیٰ تغیر۔
[3] اور ہم انسان کے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ [4] اِنَّ کی جگہ فَاِنَّ ہے۔ [5] زبر زیر کا فرق ہے۔
[6] انّ اللہ کی جگہ اِنَّہٗ ہے۔ [7] اِنَّہٗ نہیں ہے۔ [8] اِنَّہٗ کی جگہ واللہ ہے۔

یاد رکھئے! اور کبھی نہ بھولئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا، شہید و بصیر ہونا، ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا، سمیع و قریب ہونا، یہ سب صفتِ علم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ذاتِ الٰہی تو جسم و تجسم سے پاک ہے۔ ذات پاک ربّ العزت کا تو ادراک ہی انسانی عقل و فہم سے وراء الوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات ہی کے ذریعہ ہے اور اللہ کا ہر جگہ حاضر و موجود ہونا، ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا، ہر کسی کو دیکھنا، ہر ایک کی سننا، یہ سب صفتِ علم کی بناء پر ہے۔ چنانچہ عموماً ایسی آیات کے ساتھ صفتِ علم مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کی دُعا سنتے اور قبول کرتے ہیں:

انداز ۷

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ.

۱. وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ.

(سورۂ بقرہ رکوع ۲۳)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو بیشک میں قریب ہوں، (ہر) پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جبکہ وہ مجھے پکارے۔ ۱ بار

۲. اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌO (ہود، ع۶) ۱ بار

بے شک میرا رب قریب ہے، دُعا قبول کرنے والا۔ ۱ بار

۳. اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِO (آل عمران ع۴، ابراھیم ع۶)[1] ۱ بار

درحقیقت میرا ربّ دعا سننے والا ہے۔ ۲ بار

میزان = ۴ بار

خلاصہ: قرآن کریم میں سات اُسلوب و انداز کے ساتھ ۸۴[2] بار اللہ تعالیٰ کے حاضر و موجود، ناظر و بصیر، سمیع و بصیر، سمیع و قریب اور قریب و مجیب ہونے کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اور اس انداز و الفاظ میں کسی غیر اللہ کے لیے حاضر و ناظر یا بصیر و قریب اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونے کا پورے قرآن میں ایک بار بھی ذکر نہیں ہے۔

---

[1] یَسْمَعُ الدُّعَاءِ ہے۔ [2] ۸۴ بار پر حصر نہیں ہے۔ نہ حصر مقصود ہے۔

سنتِ رسول اللہ:

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ مضمون ثابت اور یہی حقیقت واضح ہے۔ ملاحظہ ہو:

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہر کسی کے ساتھ اور قریب و اقرب ہیں:

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ لوگ زور کی آواز سے تکبیریں کہنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم اس کو نہیں پکارتے جو بہرہ اور غائب ہو۔

اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَّھُوَ مَعَکُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ[1]

تم تو اس خدا کو پکارتے ہو جو سننے والا دیکھنے والا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے اور تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔

سبحان اللہ! درجنوں آیاتِ قرآنی میں جن صفاتِ ربانی کو واضح فرمایا گیا ہے، ایک ہی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان تمام صفات کو اجمالی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ حاضر و موجود ہے۔ (وَھُوَ مَعَکُمْ) قریب و اقرب ہے۔ اور سوار کے نزدیک و قریب سب چیزوں سے زیادہ اقرب اونٹ گھوڑے وغیرہ سواری کی گردن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور پھر سَمِیْعًا بَصِیْرًا بھی ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ساتھ ہے خواہ کوئی کہیں ہو:

۲۔ حضرت عبداللہ بن معاویہ عامری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

فَمَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. قَالَ اَنْ یَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ. (رواہ البزاز فی مسندہ)[2]

یا رسول اللہ! کسی شخص کا اپنے نفس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: اس بات کا یقین ہو کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم (مشکوٰۃ المصابیح باب ثواب التسبیح) [2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۵۰۷۔

۳۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ۔ (رواہ الطبرانی)[1]

سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے، تو جہاں بھی ہو۔

انسان کے ایمان کا درجۂ کمال اور اس کے تزکیۂ نفس کا انتہا یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ حاضر و موجود یقین کرے۔

اور یہ حضور و شہود کی صفت خاص اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور کسی کی نہ یہ صفت ہے نہ شان۔ اور تو اور! محبوب ربّ العالمین سیّد المرسلین خود اپنی ذات اقدس کے لیے بھی اس ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص فرما رہے ہیں:

۴۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے وقت فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ۔[2]

اے اللہ تو سفر میں میرا ساتھی ہے اور اہل (وعیال) کا خلیفہ ہے۔

یعنی سفر میں ہمارا ساتھی اور رفیق اور ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال کا محافظ و نگہبان اللہ ہے۔ تو یہ صفت اور شان اللہ ربّ العزت کی ہے کہ وہ سفر و حضر میں ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ انسان کا سفر میں صاحب و رفیق اور اس کے پیچھے اس کے بال بچوں میں اس کا قائم مقام اللہ ہے۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ گھر میں ہیں تو اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال خبر گیری خود فرماتے ہیں اور سفر میں ہیں تو گھر میں نہیں پھر گھر بار کا نگہبان و نگران اللہ ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اللہ ربّ العزت کو ہر مسلمان پر اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔

۵۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا:

---

[1] ''ترجمان السنۃ'' جلد دوم حدیث نمبر ۵۰۸۔

[2] صحیح مسلم (''مشکوٰۃ المصابیح'' باب الدعوات فی الاوقات) ابوداؤد، مسند احمد، نسائی، ترمذی، دارمی، موطا مالک میں بسم اللہ کا لفظ پہلے ہے اور فرماتے بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰھُمَّ....

ان یخرج وَاَنَا فِیْکُمْ فَاَنَا حجیجه دونکم وَاِنْ یَخْرُجْ وَلَسْتُ فِیْکُمْ فَامْرُءٌ حجیج نَفْسِهٖ وَاللّٰہُ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ. (ابو داؤد)[1]

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں موجود ہیں تو آپ دجال پر حجت سے غالب ہوں گے، اور جب آپ بعد وفات اُمت میں موجود نہیں ہیں تو آپ کی جگہ اللہ ربّ العزت ہر مسلمان کا حافظ و ناصر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں کہ آپ بعد وفات شریفہ بھی ہر مسلمان کے ساتھ حاضر و موجود رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور خاص شان ہے۔

سبحان اللہ! لَسْتُ فِیْکُمْ ارشاد فرما کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بعد وفات مسلمانوں میں اپنے حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں مگر آج کے بعض شرفا ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے مدعی ہیں اور خدا کے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کا انکار کر کے ہر جگہ میں ہونا خاص رسولِ خدا کی شان بیان کرتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

پھر جب امام المرسلین علیہم السلام اپنی ذات پاک کے لیے حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو دنیا میں اور کون ماں کا لال ہے جس کے لیے اس صفت کا دعویٰ و اثبات کیا جائے۔

خلاصہ: قرآن کریم کی ۸۴ نصوص کے بعد نصف درجن کے قریب ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گویا کتاب و سنت کی کُل نوے نصوصِ قطعیہ سے ذات پاک ربّ العزت کا حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود اور قریب و اقرب ہونے کا اثبات ہے۔

ہر جگہ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور عالمِ کُل ہونے کی وجہ و علت

سوال یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت جو اس طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر یا عالم و خبیر ہیں تو کس لیے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے حاضر و ناظر اور موجود ہونے یا ہر کسی کے ہر عمل و حرکت پر نگاہ رکھنے، ہر مخفی راز، پوشیدہ بھید بلکہ دل کی بات تک سے باعلم و باخبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہم نے حساب جو لینا ہے تو ہم ہر مجرم کو اس کے اعمال کی خبر دیں گے۔ اسے جتلائیں گے کہ تو نے فلاں جگہ فلاں وقت خلوت یا جلوت میں یہ کام کیا تھا، یا

[1] رواہ مسلم (''مشکوٰۃ المصابیح'' باب العلامات بین یدی الساعۃ)۔

یہ باہم خفیہ مشورہ کیا تھا، یا اپنے دل و دماغ میں یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ تو چونکہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ (سورہ نساء رکوع ۱۱)...... (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) اس لیے اس کا علم کامل اور بسیط و محیط ہے اور وہ اپنی اسی صفتِ علم کے اعتبار سے ہر وقت ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود و حاضر ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے تمام افعال و اعمال کا ناظر ہے۔ اور قیامت میں اپنے اس وسیع و غیر محدود علم اور اپنے حضور و شہود کی بناء پر ہر شخص سے حساب لے گا۔ اور اسے جزا یا سزا دے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقامات پر اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے مثلاً:

۱. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۝

(حج، ع ۲)

بیشک مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

تمام مذاہب اور سب فرقوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، سب کے حالات و اعمال و عقائد اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں، اس لیے وہ سب کو ان کے کردار کے مطابق مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیں گے۔

۲. عَالِمُ الْغَيْبِ ج لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ. (پارہ ۲۲۔ شروع سباء)

عالم الغیب، اس کے علم سے ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب کتابِ مبین میں موجود ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے انہیں (اچھا) بدلہ دے، ان کے لیے مغفرت اور (جنت میں) عزت کی روزی ہے، اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے متعلق ہرانے کی کوشش کی تھی، ان کے لیے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

تو اللہ رب العزت کا علم غیب یا علم کُل بسیط و محیط اس لیے ہے تا کہ مومنین کو جزائے خیر دے، انہیں جنت عطاء فرمائے اور کفار و مشرکین کو سخت سزا دے، انہیں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔

علیٰ ہٰذا قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر بار بار فرمایا، مثلاً سورہ انعام میں......

۳۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ سے اپنے لیے علم کُل اور علم بسیط و علم محیط کا اثبات فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ. (پارہ ۷۔ انعام، ع ۷)

پھر اسی طرف تم کو جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

سورہ توبہ میں فرمایا اور سورہ جمعہ میں بھی:

۴. ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ○

(پارہ ۱۱۔ شروع)

پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تم کو بتلا دے گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔

سورہ توبہ میں پھر فرمایا:

۵. ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ○

(پارہ ۱۱۔ توبہ، ع ۱۳)

۶. قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ط وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ○ (پارہ ۱۸۔ خاتمہ سورۂ نور)

بالیقین اللہ تعالیٰ اس حالت کو جانتا ہے جس پر تم ہو، اور جس دن اس کی طرف پھیرے جائیں گے تو وہ ان کو بتلا دے گا جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

۷. إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ. (لقمان)

ثُمَّ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ط أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ط وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ. (پارہ ۲۸۔ سورہ مجادلہ، رکوع اوّل)

خلاصہ: غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہونے، اس کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے، بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہونے، عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہونے، اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ہونے، خلاصہ یہ کہ اس کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی اصل یہ ہے کہ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ[1] تو اللہ رب العزت کے علم غیب، علم کل، علم بسیط و محیط، علم غیر محدود و غیر متناہی اور حاضر ناظر ہونے کی ایک اصل و بنیاد اور وجہ و علت یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندوں کے اعمال و افعال کی تفصیلات و جزئیات سے باخبر ہو کر قیامت کے دن حساب کے وقت انہیں بتلا سکیں کہ تم نے فلاں مقام پر فلاں وقت فلاں کام کیا تھا

مقام رسولؐ: اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہر جگہ حاضر و موجود ہیں تو کس لیے؟ آخر آپ کے حاضر ناظر ہونے کی وجہ و ضرورت کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ رسول کا منصب حساب لینا نہیں، نبی اور رسول کا مقام انذار و تبشیر اور ابلاغ و تبلیغ[2] ہے۔

جب حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کا منصب و مقام لوگوں تک آیات و احکام الٰہی صاف صاف پہنچا دینا ہے، اور جو بھی نبی یا رسول اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا اللہ کے بندوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا یا اہل ایمان کو خوشخبری سنانے کے لیے بھیجا، امام الانبیاء و سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بھی صاف صاف ابلاغ و تبلیغ اور واضح طور پر انذار و تبشیر ہے، تو سوال یہ ہے اس منصب و مقام کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں تک دین پہنچانے اور انہیں ڈرانے کے لیے عالم الغیب ہونے یا ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک مسلمہ اصول: منصب و مقام اور حاجت و ضرورت کے مطابق سامان، اسباب، وسائل، استعداد و اہلیت اور صلاحیت و قابلیت ودیعت کی جاتی

---

[1] سورہ انعام ع ۱۳ و ع ۲۰، مائدہ ع ۱۴، یونس ع ۳، لقمان ع ۲ وغیرہا آیات میں یہی مضمون ہے۔

[2] فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (پارہ ۲ بقرہ) فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ (آل عمران) مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (مائدہ) اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (مائدہ) وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (انعام و کہف) فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (نحل) فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (نحل) وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (نور و عنکبوت) وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (یس) اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغُ (شوریٰ) فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ (تغابن) وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (سورۂ احقاف)

ہے۔ایک سپاہی یا تھانیدار کو گھوڑا یا سائیکل اور رائفل مہیا کی جائے گی، کیونکہ اس نے نظم وامن قائم کرنا اور چوروں، ڈاکوؤں وغیرہ امن دشمن عناصر کا تعاقب کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک مدرّس کو کتاب، قلم، اور تختہ سیاہ فراہم کیا جائے گا، کیونکہ اس نے بچوں کو پڑھانا ہے۔ایک وکیل کو قانون کی ضخیم کتابوں سے بھرپور ایک عظیم لائبریری کی ضرورت ہے، کیونکہ اس نے عدالت کے سامنے ان کی روشنی میں دلائل دینا اور بحث کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ڈاکٹر کے ہسپتال میں آلات کے علاوہ ادویہ کی ضرورت ہے، کیونکہ اس نے مریضوں کا معائنہ اور علاج معالجہ کرنا ہے۔

ایک زمیندار اور کسان کے کنوئیں اور قطعے پر آپ بیل ہل اور آلاتِ کشاورزی یا آج ٹیوب ویل اور ٹریکٹر موجود پائیں گے، کیونکہ اسے اپنی اراضی پر کاشت کاری کے لیے ان کی ضرورت ہے۔ بخلاف اس کے ایک صنعت کار کی مل میں آپ چاروں طرف مشینوں کی گھن گرج ہزاروں مزدوروں کی کھیپ اور بجلی کی کارفرمائی دیکھیں گے، کیونکہ وہاں سوت، کپڑا یا کھانڈ وغیرہ تیار کرنے کے لیے یہ چیزیں لابدی ہیں۔اب اگر کوئی کہے کہ سکول کے کمرہ میں گھوڑا باندھا اور رائفل رکھی جائے، یا وکیل صاحب کے ہاتھ میں نشتر اور مرہم پٹی ہونی چاہیے، یا مثلاً زمیندار کی زمین پر ہزاروں مزدور اور ڈھیروں خام مال ہونا چاہیے، یا کارخانہ اور مل کے اندر ہل اور بیل ضرور موجود ہوں، تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر ماسٹر صاحب کو گھوڑے اور رائفل کی، یا وکیل صاحب کو نشتر اور مرہم پٹی کی یا کسان کو ہزاروں مزدوروں یا ڈھیروں خام مال کی اور کارخانہ دار کو بیلوں، ہلوں یا ٹریکٹروں کی آخر ضرورت کیا ہے؟

کتاب وسنت میں اس اصول کی رعایت:

کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ اور شریعتِ مطہرہ میں بھی اس اصول کی رعایت کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَاo اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَاo اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَاo (پارہ۳۰۔نازعات)

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے

بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔ اور آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرانے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

قیامت کب ہوگی، یہ صرف خدا جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو صرف قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرانا ہے۔ جب آپ کا کام صرف ڈرانا ہے تو اس کے وقوع کے وقت کے بیان سے آپ کا کیا تعلق؟ یہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ ترجمہ کرتے ہیں: ”تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

۲. وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (پارہ ۲۹۔ الملک)

اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اور ڈرانے والے کو قیامت کے وقوع کے وقت سے کیا بحث؟

ایک اور مقام پر اس اصول کی رعایت ملاحظہ ہو، فرمایا:

۳. وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ. (سورہ یس، رکوع ۵)

اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ آپ کے لائق نہیں، یہ تو محض نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف، تا کہ اس شخص کو ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر الزام ثابت ہو۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا، کیونکہ شعر و شاعری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی، آپ کو قرآن دیا جو نصیحت سے بھرپور ہے اور نورانی تعلیمات سے معمور! تا کہ حضرت کے قرآن پڑھ کر ڈرانے سے وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں ابھی زندگی کی رمق باقی ہے وہ اللہ سے ڈریں اور کافروں منکروں پر حجت تمام ہو جائے...... تو نبی کے منصب جلیل و مقام عظیم کے شایان قرآن ہے نہ کہ شعر، اس لیے آپ کو شعر نہیں سکھایا، قرآن دیا۔

۴۔ اسی طرح جب مشرکینِ مکہ نے فضول فرمائشیں کیں:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا.....

اور انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے سرزمین (مکہ) سے ایک چشمہ جاری کر دیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل، ع ۱۰)

آپ کہہ دیجئے، سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ ایک آدمی ہوں، پیغام پہنچانے والا، اور کیا ہوں!

یعنی میں تو ایک آدمی ہوں پیغمبر۔ پیغمبر کو کسی فرمائش پوری کرنے کا اختیار کہاں؟ میرا کام تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ تمہاری یہ فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں۔

نبی کریمؐ کے لیے علمِ غیب یا حاضر ناظر ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

اس اصول کی روشنی میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ابلاغ و انذار ہے کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کے لیے علمِ غیب، ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ ربّ العزت تو عالم الغیب، عالم الکل اور ہر جگہ حاضر و شہید، ناظر و بصیر اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ تو اس لیے ہیں کہ انہوں نے کل اپنے بندوں کا حساب لینا ہے اور انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرنا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حساب سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا علم بسیط و محیط اور حاضر ناظر ہونے سے آپ کا کیا کام؟

اللہ کی شان اور نبیؐ کا مقام:

اللہ ربّ العزت نے جہاں اپنی صفات "قدرت"، "علم" اور "شہود و حضور" کو پورے قرآن میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کا منصب و مقام بھی متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے، وہاں چند مواقع پر اپنی شان اور اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و منصب ایک ساتھ بھی بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱۔ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ. (پارہ ۱۳۔ سورہ رعد)

پس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا تو ہمارا کام ہے

اسی طرح ارشاد فرمایا:

۲. فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ○ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ○ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ○ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ○

(پارہ ۳۰۔ الغاشیہ)

پس آپ نصیحت کر دیجئے۔ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر نگران نہیں ہیں۔ ہاں جس نے منہ موڑا اور کفر کیا، تو خدا اسے بڑا عذاب دے گا۔ بیشک ہمارے پاس ان کو پھر آنا ہے پھر ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔

تو اللہ کے رسول تو صرف مذکر و مبلغ ہیں۔ تذکیر و تبلیغ اور بلاغ و نصیحت کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہے۔ آگے اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرے گا، اعراض و روگردانی اور کفر و انکار کرے گا تو اسے مآلِ کار بارگاہ ربّ العزت میں پیش ہونا ہے اور اس سے حساب لینا اور اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو رسولِ خدا کو اپنے منصب کے پیشِ نظر، علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ حاضر و موجود ہونا (باعتبارِ صفتِ علم) یہ اللہ کی صفت ہے تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اُن کے کرتوتوں سے آگاہ کر سکیں۔ اور حساب کے وقت انہیں بتلا اور جتلا سکیں کہ فلاں جگہ فلاں وقت تم نے یہ کام کیا تھا، یا یہ بات کی تھی، یا دل میں یہ منصوبہ باندھا تھا۔

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اپنی شان علمِ کُل اور مقامِ فصل و حساب کے ساتھ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منصب انذار و بلاغ ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا:

۳. يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ج لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ط لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ط إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ط مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ط يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ○ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ط وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○ (۲۴. مومن ع ۲)

جس دن سب لوگ (خدا کے سامنے) ظاہر ہوں گے۔ اللہ پر ان کی کوئی بات چھپی نہ رہے گی۔ اس دن کس کی بادشاہی ہوگی؟ بس اللہ ہی کی ہوگی جو اکیلا ہے

غالب۔ آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ آج (کسی پر) ظلم نہ ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کو قریب آنے والے دن (قیامت) سے ڈرایئے، جس وقت کلیجے منہ کو آجائیں گے، غم سے گھٹ گھٹ جائیں گے، ا(اس دن) ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (بلکہ) ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انصاف سے فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، (کیونکہ) اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

رسول کا منصب انذار ہے۔ اللہ کے رسول کا کام لوگوں کو قیامت کے ہولناک دن سے ڈرانا ہے۔ باقی اس دن حکومت و بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی۔ حساب اللہ تعالیٰ لیں گے۔ وہ پورے انصاف اور حق و عدل کے ساتھ فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ راز تک کو جانتے ہیں، لہٰذا کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے، کیونکہ وہ سب کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ اور صحیح فیصلہ وہی کر سکتا ہے جو حقیقت حال کو جاننے والا ہو۔

اللہ ربّ العزت جو عالم الغیب، عالم الکل اور سمیع و بصیر اور علیم ماتخفی الصدور اور بدنظری تک کو جاننے والے ہیں، تو اس لیے کہ وہ سریع الحساب ہیں اور قیامت کے دن اپنے علم سمع و بصر کی بناء پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں۔ باقی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کام صرف لوگوں کو قیامت سے ڈرانا اور اللہ کا دین اور حکم پہنچانا ہے، آپ کو علم غیب یا علم کُل یا سمیع و بصیر ہونے یا حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ارشاد فرمایا:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ○ (پارہ ۸۔ اعراف، رکوع اوّل)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے، پھر ہم ان کو اپنے علم سے (ان کے گناہ) بیان کریں گے اور ہم غائب نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ سے کسی کا اچھا بُرا، قلیل و کثیر عمل مخفی نہیں، وہ اپنے علمِ محیط کی بناء پر ذرہ ذرہ سے

خبردار ہیں، وہ چونکہ باعتبار اپنے علم کے ہر جگہ ہر آن حاضر ہیں، کہیں سے بھی کبھی غائب نہیں، لہٰذا سب کے ظاہری باطنی احوال اور بھلے بُرے اعمال انہیں قیامت میں بتلا کر ان کا فیصلہ کریں گے۔

تو علم کُل، علمِ غیب، علمِ محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا یہ دو صفتیں اللہ ربّ العزت کی ہیں، جن کے موافق قیامت میں وہ اپنے بندوں کا فیصلہ کریں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے کردار و اعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی سروکار نہیں، ان کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے، وہ قیامت میں ان سے خود بات کریں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝ (پارہ۸۔انعام، آخری رکوع)

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بہت سے فرقے ہو گئے آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا کام اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ ان کو جتلا دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

شانِ خلاقی و رزّاقی: آخرت اور حساب سے قطع نظر خالق اور رازق ہونے کی صفت کے تقاضے سے بھی اللہ ربّ العزت کو اپنی مخلوق کا علمِ کُل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۝ (پارہ۷۔انعام ع۳)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

۲۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ۝ (پ۲۳، آخر یٰس)

ایک کھڈی والا جانتا ہے کہ میں نے آج اتنے گز کپڑا بنا ہے...... ایک کمہار جانتا ہے کہ میں نے اتنے گھڑے اور اتنے لوٹے تیار کیے ہیں...... میرے بھٹے میں اتنے برتن ہیں...... ایک لوہار جانتا ہے کہ میں نے کل اتنے توے بنائے تھے اور آج اتنی کلہاڑیاں تیار کی ہیں...... ترکھان جانتا ہے کہ میں نے اتنے پلنگ بنائے ہیں اور اتنی کرسیاں تیار کی ہیں...... تو خلاق العلیم کو کیسے ہر چیز کا علمِ کُل نہ ہو...... جس نے ہر چیز کی تخلیق فرمائی ہے۔

۳۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ۔ (ق.۲۶)

اور بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ہم وہ جانتے ہیں۔

۴. اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَؕ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ. (۲۹. ملک)

کیا جس نے پیدا کیا وہ نہ جانے گا۔ اور وہ باریک بین اور باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک تو خالق، پھر باریک بین اور پورے خبردار، پھر وہ نہ اپنی مخلوق کے حالات جانیں تو اور کون جانے؟

۵. وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍo (آغاز پارہ۱۲)

اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کی قرارگاہ اور چند روز رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، سب چیزیں کتابِ مبین میں ہیں۔

جب ٹھیکیدار نے فوج کو راشن وغیرہ مہیا کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ آج فوج کا پڑاؤ کہاں ہے؟ صبح کس جگہ قیام ہے؟ اور یہاں سے کوچ کرنے کے بعد پچھلے پہر کی چائے کہاں پینی ہے اور رات کا کھانا کہاں کھانا ہے۔

تو اللہ ربّ العزت نے اپنی مخلوق کو جو رزق دینا ہے تو اسے اپنی مخلوق کے متعلق بسیط و کُل علم کیسے نہ ہو کہ فوق الافلاک ہے یا تحت الارض؟ یا ان کے درمیان؟ پھر پانی میں ہے یا ہوا میں؟ پتھر کے اندر ہے یا آگ میں؟ جہاں بھی جو مخلوق ہے اس کا علم رازق کو ہے، وہیں اس کا رزق پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ خالق اور رازق ایک اللہ کی ذات پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کے خالق ہیں نہ رازق، بلکہ خود اللہ کے مخلوق و مرزوق ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے خالق و رازق نہیں تو آپ کے لیے علمِ غیب و علمِ کُل کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کا منصب ابلاغ و تبلیغ اور انذار و تبشیر ہے اور اس کے لیے علمِ غیب کی ضرورت ہے نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی!

غیر رسولؑ کے متعلق:

جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کے لیے علمِ غیب، علمِ کُل اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی کوئی وجہ و ضرورت نہیں اور آپ نے خود اپنی ذات سے ان صفات کی صاف نفی فرمادی تو غیر رسولؑ کے

لیے اس کی بدرجۂ اولیٰ کوئی وجہ اور ضرورت نہ ہوگی۔ مگر حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ عہد حاضر کے بعض ''شرفا'' اولیاء کرام رحمہم اللہ کے لیے ہر جگہ حاضر وموجود ہونے کا اثبات کرتے ہیں...... اور ہر آن!

چنانچہ خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

''انہی سیدی احمد سلجاسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہیے۔'' عرض کیا: ''حضور وہ اس وقت سوتی تھی۔'' فرمایا: ''سوتی نہ تھی، سوتے میں جان ڈال لی تھی۔'' عرض کیا: ''حضور کو کس طرح علم ہوا؟'' فرمایا: ''جہاں وہ سورہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا۔'' عرض کیا: ''ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔'' فرمایا: اس پر میں تھا۔'' تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔[1]

تو یہ صرف حضرت دباغ رحمہ اللہ کی خاص صفت نہیں بلکہ ''ہر شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے'' اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان لوگوں میں قریباً سبھی ''شیخ'' ہیں۔ تو مرید بے چاروں کو، میاں بیوی کو اپنے علاوہ ایک خالی پلنگ کا انتظام بھی بہر حال کرنا پڑے گا کیونکہ کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں، ہر آن ساتھ ہے۔ ٹھیک ہے مگر یہ ''ارشاد'' نہیں فرمایا کہ جب مریدین ماشاء اللہ بیشمار ہیں، تو حضرت شیخ کو رات کی خلوت وتنہائی اندھیرے میں سینکڑوں ہزاروں جگہ وقت ''بے وقت'' تکلیف فرما کر مرید کے ساتھ ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک اور ''بزرگ'' ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں، لکھتے ہیں:

لَا تَسْتَقِرُّ نُطْفَةٌ فِيْ فَرْجِ اُنْثٰى اِلَّا يَنْظُرُهُ ذٰلِکَ الرَّجُلُ اِلَيْهَا.[2]

کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔

سچ فرمایا کون انکار کرے۔ مگر اتنا تو فرما دیجئے کہ آخر وہ ''رجل کامل'' یہ تکلیف کس وجہ سے فرماتے ہیں؟

---

[1] ''ملفوظات'' حصہ دوم ص ۴۹ (''تبرید النواظر'' ص ۴۳) یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صاحب مدظلہ کی تالیف ہے۔

[2] نجم الرحمٰن بحوالہ صاعقۃ الرحمٰن ص ۵۰ (''تبرید النواظر'' ص ۴۴)۔

فقہاءِ اسلام کی طرف سے حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ کو حاضر ناظر ماننے والوں کی تکفیر

عہدِ حاضر کے "فقہاشہر" کے "ارشاداتِ عالیہ" تو آپ نے سن لیے، اب شریعتِ محمدی کا فیصلہ اور حضرات فقہاءِ اُمت کا حکم ملاحظہ ہو:

خاتم الفقہاء امامِ وقت حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ (م ۱۳۰۴ھ) رحمہ اللہ رقمطراز ہیں

همچو اعتقاد که حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ هر وقت حاضر و ناظر اند وبهمه حال برنداء ما مطلع میشوند اگرچه از بعید باشد، شرک است، چه ایں صفت از مختصاتِ حق جل جلالهٗ است، کسے را دراں شرکت نیست، در فتاویٰ بزازیه مے نویسد تزوّج بلا شهود وقال خدامے ورسولِ خدا وفرشتگاں را گواه کردیم یکفر لِاَنَّهٗ اِعْتَقَدَ اَنَّ الرسول والملک یعلمان الغیب انتهیٰ ونیز در بزازیه است وعن هذا قَالَ عُلَمَاؤُنَا مَنْ قَالَ اَنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ یکفر. انتهی.... [1]

اس قسم کا اعتقاد کہ حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں ہماری پکار سنتے ہیں، گو دُور سے ہی پکاریں، شرک ہے، کیوں کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی خصوصیات سے ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں: گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا: خدا اور رسولِ خدا اور فرشتے گواہ ہیں، یہ کافر ہو گیا کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں" نیز بزازیہ میں ہے کہ اسی لیے ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جس نے کہا: بزرگوں کی ارواح حاضر ہیں، اور وہ جانتی ہیں، یہ کافر ہو گیا۔

فتاویٰ بزازیہ کے علاوہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کا یہ قول بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ پر بھی ہے۔

---

[1] "مجموعۃ الفتاویٰ" از حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ مطبوعہ ۱۳۱۲ھ۔

شریعتِ محمدؐ و دینِ اسلام کی مجبوری و مظلومی ملاحظہ ہو کہ فقہاءِ اُمت، ائمہ اعلامِ دین کے فتاویٰ و احکام بلکہ خود کتاب و سنت کے برعکس و برخلاف آج جاہل و بے دین لوگ مفتی و مجتہد بن کر فتویٰ صادر کر رہے ہیں کہ "جو اولیاء اللہ اور خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ جانے وہ کافر ہے۔" کہاں علماءِ اُمت کا یہ فرمان کہ جو ارواحِ مشائخ کو حاضر سمجھے وہ کافر ہے اور کہاں آج اُلٹا یہ ہفوات کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ و مرشد کو ہر وقت حاضر نہ سمجھے وہ کافر ہے۔ اناللہ......

قدرت واختیار

"عبادت" کی تیسری اور عظیم شرط و بنیاد "قدرت واختیار" ہے۔ خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

اِذْ شَرْطُ اِسْتِحْقَاقِهَا اَلْقُدْرَةُ اَلْكَامِلَةُ التَّامَّةُ عَلٰى دَفْعِ الضَّرَرِ وَجَلْبِ النَّفْعِ[1]

عبادت کی شرط و بنیاد یہ ہے: دفعِ ضرر و جلب منفعت پر قدرتِ کاملہ تامہ!

قدرتِ کاملہ واختیارِ کُل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اثبات اور عدمِ قدرت واختیار کی بنا پر عبادتِ غیر اللہ کی نفی و مذمت

۱. لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (پارہ ۶۔ مائدہ، رکوع ۲)

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے۔ آپ پوچھئے کہ اگر اللہ، مسیح ابن مریم کو، اور ان کی والدہ کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہیں تو کون اللہ سے (بچانے کا) ذرا بھی اختیار رکھتا ہے، اور اللہ ہی کے لیے

---

[1] "روح المعانی" جلد ۵ ص ۹۸۔

خاص ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کی حکومت۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو جو اللہ خالقِ کُل، قادرِ مطلق، زمین و آسمان کا بادشاہ اور غالب علیٰ کُل ہے، عبادت اسی کا حق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیا خدا ہوں گے جن کو اپنے تحفظ تک کا اختیار نہیں۔ اگر اللہ انہیں ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی انہیں بچا نہیں سکتا۔ بے اختیار مخلوق بھلا اللہ ہونے کا کیا حق رکھتی ہے؟

۲۔ عبادت خالق و مالک، عالمِ کُل و کارسازِ عالم کا حق ہے۔ یہ صفات صرف ذات واحد باری تعالیٰ میں ہیں۔ لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ج لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ○ (۷۔انعام ع ۱۳)

وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کی بیوی تو ہے نہیں۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا خالق ہے تو تم اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

۳۔ اَلَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ (۱۸۔آغاز سورہ فرقان)

وہ (اللہ) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد نہیں بنایا، اور نہ (ہی) کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔ (ان صفتوں کے مالک اللہ کو چھوڑ کر) مشرکین نے اللہ کے سوا (دوسرے) معبود بنا لیے جو نہ (تو) کوئی چیز پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، اور خود اپنے لیے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتے، اور نہ موت و حیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (قیامت کے دن) دوبارہ اُٹھنے کا!

اللہ زمین و آسمان کا حاکم و بادشاہ ہے۔ واحد بادشاہ۔ کوئی اقتدار و شاہی میں اس کا شریک

نہیں۔ پھر وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ مگر کتنے ظالم ہیں مشرک کہ ان صفتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو خود مخلوق ہیں، کسی اور کو کیا پیدا کریں گے، اور خود اپنے لیے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، موت وحیات پر قدرت نہیں، ان بے بس و بے اختیار معبودوں کو عبادت کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا؟

۴. مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ج وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (پارہ ۲۲۔ فاطر شروع)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں، اور اللہ جو کچھ بند کر دے اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو۔ (جب نہ کوئی خالق ہے نہ رازق تو پھر) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق (بھی) نہیں، سو تم کہاں اُلٹے جا رہے ہو؟

جب خالق و مالک اور رحیم و رازق صرف اللہ ہے، اس کے سوا نہ تو کوئی خالق ہے نہ رازق نہ رحیم ہے نہ منعم، تو پھر اس کے سوا کسی کو عبادت کا کیا حق ہے؟ پھر عبادت کسی کا بھی حق نہیں۔

۵. يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ (پارہ ۲۲۔ فاطر ع ۲)

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، سلطنت (بھی) اسی کی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

اللہ رب العزت دن رات کو گھٹاتے بڑھاتے ہیں، موسموں میں تغیر تبدل کرتے ہیں، پھر سلطنت و بادشاہی اسی کی ہے، لہٰذا عبادت بھی اسی کا حق ہے۔ مگر ظالم مشرک اللہ کے ساتھ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کھجور تو کھجور، کھجور کی گٹھلی تو گٹھلی، گٹھلی کے اوپر باریک سے

پردے کا بھی اختیار نہیں۔

۶. ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ کَذٰلِکَ یُؤْفَکُ الَّذِیْنَ کَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ o اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ o ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ط (۲۴. مومن ع۷)

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، ہر چیز کا خالق، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی اُلٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے قرار کی جگہ بنایا اور آسمانوں کو چھت بنایا، اور تمہاری صورت بنائی، سو عمدہ صورتیں بنائیں، اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، پس بڑا برکت والا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار۔ وہی (ازلی، ابدی) زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم خالص اعتقاد کرکے اسی کو پکارو۔

خالق، مالک، رازق، مصور، شکم مادر میں احسن و اجمل تصویریں بنانے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین و آسمان اس نے بنائے، ان عظیم اختیارات کے واحد مالک کا حق ہے کہ ہر قسم کی عبادت اس کی کی جائے۔ اس کے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں۔

عبادت کی بنیاد اور الوہیت و معبودیت کے لوازم نفع نقصان کا مِلک و اختیار ہے۔ معبود کے نافع و ضارّ ہونے کے علم و یقین ہی کے اندر اس کی الوہیت و معبودیت کا سارا راز مضمر ہے۔

اللہ ربّ العزت نے جہاں اس اصل و اساس کی بناء پر اپنی عبادت کا اثبات فرمایا ہے وہاں اس کے عدم و فقدان پر یعنی تمام ماسوی اللہ کے نفع نقصان کا مالک نہ ہونے پر اب ان کی معبودیت کی نفی فرما رہے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

۷. وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ. (یونس، ع۲)

۸. قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا o (مائدہ ع۱۰)

۹۔ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ

اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَO (یونس۔ ع ۱۱)

اور خدا کے سوا اس کی عبادت نہ کرنا جو تجھے نفع نہ پہنچا سکے نہ نقصان، پھر اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو تم اس حالت میں اللہ کا حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

۱۰۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَO (پارہ ۱۷۔ انبیاء، ع ۵)

کہا: تو کیا تم خدا کے بغیر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے نہ نقصان، تف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

۱۱. یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ.

(پارہ ۱۷۔ حج، ع ۲)

خدا کے سوا اس چیز کی عبادت کرتا ہے جو نہ تو اسے نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، یہ انتہاء درجہ کی گمراہی ہے۔

۱۲۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا. (سورہ فرقان، ع ۵)

اور (مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان، اور کافر اپنے رب کا مخالف ہے۔

اس مضمون کی آیات سورہ رعد، بنی اسرائیل، شعراء، سباء، زمر اور شوریٰ وغیرہا میں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا احاطہ بڑا مشکل ہے۔ نہ ہی احاطہ مقصود ہے۔

خلاصہ: پہلے چندوہ آیات بطور مثال پیش کی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ تامہ اور ذات پاک ربّ العزت کے تصرفاتِ مطلقہ عامہ واختیاراتِ کلیہ کا ذکر و بیان ہے اور اسی اقتدارِ اعلیٰ واختیارِ کُل اور تصرفِ مطلق کو لوازمِ الوہیت واساسِ عبادت قرار دیا گیا ہے، بعد میں چندوہ آیات پیش کی گئی ہیں جن میں غیر اللہ کے اختیار و تصرف کی کلیۃً نفی کر کے ان کی اسی بے اختیاری و بے بسی کو ان کی عدمِ عبادت کی وجہ و دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے،

اور ان بے اختیار و مجبور معبودوں کی پرستش کو کفر و ضلال بعید فرمایا گیا ہے، کیونکہ عجز و بے اختیاری شانِ الوہیت کے منافی ہے۔

یہ محض مثال کے طور پر چند آیات ذکر کی گئی ہیں، ورنہ اللہ ربّ العزت کی قدرتِ تامہ مطلقہ اور غیر اللہ کی یکسر بے بسی و بے اختیاری سے قرآن پاک بھرا ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ و اختیارِ کُل سے متعلق چند آیات ملاحظہ ہوں:

قدرتِ کاملہ اور کُل اختیارات کا مالک صرف اللہ ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا:

۱. قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍo

(پارہ ۳۔ آل عمران، رکوع ۳)

آپ کہیے! اے اللہ سارے ملک کے مالک آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیتے ہیں اور جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں ذلت دیتے ہیں، آپ ہی کے ہاتھ میں ہے سب بھلائی، بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکالتے ہیں (جیسے انڈے سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکالتے ہیں (جیسے پرندہ سے انڈہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں۔

۲. وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo (انعام، ع ۲)

اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں تو اللہ ہی کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ تجھے کوئی نفع پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں

۳. وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ج وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا

رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ط يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

(پارہ ۱۱۔ آخر سورۂ یونس)

اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچا دے تو اسے دور کرنے والا بجز اس کے کوئی نہیں، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور وہ بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

تو تکلیف وراحت، بھلائی، بُرائی، نفع وضرر پر کامل اختیار اور قبضۂ تامہ اللہ ربّ العزت کا ہے۔ اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود وزیاں اور دُکھ، سکھ پر قطعاً کوئی اختیار نہیں۔ اس کی بھیجی ہوئی تکلیف اور دُکھ درد کو کوئی نہیں ہٹا مٹا سکتا، اور جس پر وہ فضل وکرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق اور قادر مطلق فقط ایک ذات اللہ واحد کی ہے۔

۴۔ صرف ایک موقع اور ملاحظہ ہو، ارشاد ہوتا ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ج وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ (پارہ ۲۵۔ آخر شوریٰ)

آسمانوں اور زمین کی سلطنت وبادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطاء فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جس کو چاہے (محض) بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑا جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔

زمین وآسمانوں کی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیٹے، بیٹیاں، دینا نہ دینا، محض اس کے اختیار میں ہے۔ وہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی، علمِ کُل اور قدرتِ کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی بناء پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے جو اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

بطور اجمال اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان:

جہاں پورے قرآن میں اللہ ربّ العزت کی قدرت کاملہ واختیارِ عامہ کی تفصیلات موجود

ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں، وہاں قرآن کریم میں ۲۲۴ مقامات پر بطور اجمال ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ملاحظہ ہو:

۱۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1]	پورے قرآن میں	۳۵	مقامات[2] پر ہے
۲۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا[3]	کہف ع ۶	۱	" "
۳۔ علیمٌ قَدِیر، واللّٰہ قدیر، قدیر اور قدیرا		۱۱	" "
۴۔ بقادرٍ، القادر	اور قادر وغیرہ[4]	۷	" "
۵۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْل[5]	الوکیل اور وکیلا	۱۱	" "
۶۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا	[6]	۱	" "
۷۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا.	[7]	۱	" "
۸۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حفیظ.	[8]	۲	" "
۹۔ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ	القاہر[9]	۲	" "
۱۰۔ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ، ھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّار وغیرہ	القہار[10]	۶	" "

[1] "قدیر" اسے کہتے ہیں جو اقتضاء حکمت کے مطابق جو چاہے کرے (مفردات القرآن)

[2] دو مقام پر "قدیرا" ہے باقی ۳۳ مقامات پر "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" ہے۔ شروع میں کہیں اِنَّ اللّٰہ ہے، کہیں اَنَّ اللّٰہ ہے، کہیں واللّٰہ ہے، کہیں وھو ہے۔

[3] مقتدرا: با اقتدار، ہر طرح کی قدرت والا (لغات القرآن جلد ۵ ص ۲۲۷) اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[4] قادر: قابو پانے والا، طاقت رکھنے والا، گرفت کرنے والا، غالب ("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۶۵) اسماء حسنیٰ میں سے ہے

[5] وکیل: کارساز، نگران، نگہبان ("لغات القرآن" جلد ۶ ص ۱۳۳) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[6] مقیتا: قادر، نگران، محافظ ("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۳۳۲) "المقیت" صاحب اقتدار، نگہبان و محافظ (المنجد) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

[7] مُحیطا: ہر طرف سے گھیرے ہوئے، پورا پورا قابو رکھنے والا ("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۳۳۶)

[8] حفیظ: نگہبان، حفاظت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ کیونکہ وہ کل کا نگہبان ہے ("لغات القرآن" جلد ۲ ص ۲۸۷)

[9] قاھر: غالب ("مفردات القرآن" و "لغات القرآن" جلد ۵ ص ۱۱۸)

[10] القھار: ایسا زبردست غالب جس کے مقابلے میں سب ذلیل ہیں ("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۱۲۳) مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

۱۱۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ	ولی[1]	۱۰	" "
۱۲۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ، اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ وغیرہ	قوی[2]	۸	" "
۱۳۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّاب وغیرہ	الوہاب[3]	۳	" "
۱۴۔ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰی وغیرہ	محی[4]	۲	" "
۱۵۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ، مَالِکَ الْمُلْکِ[5] وغیرہ	الملک[6]	۵	" "
۱۶۔ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْس.......وغیرہ	اَلْمَلِک[6]	۵	" "
۱۷۔ اَلْمُؤْمِنُ[7] اَلْمُهَيْمِنُ[8] اَلْجَبَّارُ[9]	پورے قرآن میں	۳	" "
العزیز[10]	پورے قرآن میں	۸۶	" "

۱ وَلی: مددگار، کارساز، محافظ، نگہبان، بچانے والا ("لغات القرآن" جلد ۶ ص ۱۳۲)
اسماء حسنٰی میں سے ہے۔

۲ قَوِیٌّ: طاقتور، قوت والا ("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۱۱۸) غالب، طاقتور، زبردست، (مفردات القرآن)
اسماء حسنٰی میں سے ہے۔

۳ الوھاب: مبالغہ کا صیغہ۔ بہت عطاء کرنے والا ("لغات القرآن" جلد ۶ ص ۱۳۵)
اسماء الحسنٰی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بقدر استحقاق بخشا ہے، اس لیے "الوہاب" کہا جاتا ہے (مفردات القرآن)

۴ یحیي: زندہ کرنے والا، حیات بخشنے والا (لغات القرآن)

۵ مالک الملک: سارے جہان کے حکمران، ہر ذرہ پر قدرت اور قابو رکھنے والے
("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۲۷۲)

۶ اَلْمَلِک: بادشاہ، اقتدار ("لغات القرآن" جلد ۵ ص ۴۳۴)۔ ۷ المؤمن: امن دینے والا۔

۸ المھیمن: نگران (ایضاً ص ۴۹۳) نگہبانی و حفاظت کرنے والا۔

۹ اَلْجَبَّارُ: جبر سے مبالغہ کا صیغہ زبردست دباؤ والا۔ خود اختیار چوں کہ باری تعالیٰ اپنے فیضانِ نعمت سے سب لوگوں کی حاجتیں درست کرتا اور ان کے نقصانات پورے فرماتا ہے، اس لیے اس کا نام جبار ہے۔ امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات" میں محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں: "وہ جبار ہے اس لیے موسوم ہے کہ مخلوق کو اپنے ارادہ کے آگے مجبور کر دیتا ہے۔ ("لغات القرآن" جلد ۲، ص ۲۳۲)

۱۰ العزیز: غالب، زبردست، قوی، مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: "عزیز وہ ہے جو غالب ہو، مغلوب نہ ہو" زجاج نے اس کے معنی کیے ہیں "ایسا زبردست جس پر کوئی چیز غالب نہ ہو سکے" دوسرے لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے: "قوی جو ہر شے پر غالب ہو" اور ابو سلیمان و امام خطابی صاحب "معالم السنن شرح سنن ابی داود" رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "عزیز" ایسا غالب جو مغلوب نہ ہو ("لغات القرآن" جلد ۴ ص ۳۰۰)

۱۸۔ المتین[1]	پورے قرآن میں	۱	مقام پر
۱۹۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ، اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ. وغیرہ	مُنْتَقِمٌ[2]	۶	؍؍ ؍؍
۲۰۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ.	وَاسِعٌ[3]	۸	؍؍ ؍؍
۲۱۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ.	اَلْقَيُّوْمُ[4]	۳	؍؍ ؍؍
۲۲۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ، اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ[5]		۵	؍؍ ؍؍
۲۳۔ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ[6] اور خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ[7]		۲	؍؍ ؍؍
۲۴۔ علیٰ ہذا ایک ایک مقام پر حَكَمٌ[8]، وَالٍ[9] (وَالی) اور اَلْفَتَّاحُ[10]		۳	؍؍ ؍؍
میزان = ۲۲۳ مقامات			

خلاصہ: اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب میں قریباً سوا دو سو مقامات پر اپنی قدرتِ عامہ، اپنے غلبہ و اقتدارِ تامہ اور اپنی قوت و حاکمیتِ مطلقہ کا بیان و اثبات تو فرمایا ہے، مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ، کسی بت اور قبر نہیں، کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لیے قدرت و اختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

---

[1] المتین: قوی، طاقت والا۔

[2] مُنْتَقِمٌ: بدلہ میں سزا دینے والے (''لغات القرآن'' جلد۲ص ۲۸۹)

[3] وَاسِعٌ: بہت دینے والا، ہر چیز پر محیط (المنجد)

[4] اَلْقَيُّوْمُ: اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے، یعنی ذاتِ الٰہی ہر چیز کی نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتی ہے (مفردات القرآن)

[5] اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ: سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم۔

[6] خیر الفاصلین: سب حکم کرنے والوں سے بہتر۔

[7] خیر الفاتحین: بہتر حکم کرنے والا۔

[8] الحکم: حکم جاری کرنے والا، فیصلہ کرنے والا (المنجد)

حَكَمًا: فیصلہ کرنے والا۔ یہ حاکم سے زیادہ بلیغ ہے (''لغات القرآن'' جلد۲ص ۲۸۹)

[9] وَالٍ: اصل میں والی ہے، وَلَايَةٌ مصدر، مددگار، حامی، مدد پر قادر (''لغات القرآن'' جلد۶ص ۱۱۳)

[10] اَلْفَتَّاحُ: بہت بڑا فیصلہ کرنے والا، صیغہ مبالغہ، حاکم (المنجد)

اسماء الحسنٰی: نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات واسماء الٰہی کے علاوہ، قابض[1]، باسط[2]، خافض[3]، رافع[4]، مُعِز[5]، مذل[6]، واجد[7]، ممیت[8]، مغنی[9]، نافع[10]، ضار[11]، مانع[12]، وغیرہ اسماء الحسنٰی اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزت و ذلت، موت وحیات سب اللہ ربّ العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تو صرف اجمالی طور پر صفات واسماءِ الٰہی سے سوا دو سو مقامات پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اختیار واقتدارِ عامہ کا ذکر ہے، ورنہ یوں تو سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ ربّ العزت نے اپنی قدرتِ کاملہ، ربوبیت عامہ اور رحمتِ واسعہ کو بیان فرمایا ہے۔

نیز انسان اگر چشم بصیرت سے دیکھے تو ساری کائنات، سارا جہان اور خود اس کا اپنا وجود اللہ ربّ العزت کی قدرت کا مظہر وشاہد ہے۔ لیل ونہار کی گردشیں، دن رات کا گھٹنا بڑھنا، موسم کے تغیرات، گرمی سردی، خزاں، بہار، برسات، بجلی، گرج، کڑک، چمک، پھر دریا، پہاڑ، زمین، آسمان، چاند، تارے، سورج، پھر خاکی، نوری، ناری، بری، بحری اور آسمانی مخلوقات، پھر ساری مخلوق کے لیے ضروریاتِ زندگی کا اہتمام، زمین سے فصلوں، غلوں، پھلوں اور میووں کی پیدائش کیا یہ سب کچھ کسی ان دیکھی طاقت اور غیر محدود ولامتناہی قدرت کا پتہ نہیں دیتا؟ اگر یہ تمام مناظرِ قدرت اور مشاہدِ فطرت کسی کی آنکھ کھولنے کے لیے کافی نہیں تو پھر اسے کم از کم اپنے وجود کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی اصل کیا ہے۔ کیا ناپاک پانی کے قطرے سے یہ کوہ پیکر اور ہیل تن جوان، یہ سڈول جسم کا تنومند پہلوان خود بخود بن گیا؟ کتنی تبدیلیوں کے بعد اور کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اسے یہ جسم ملا۔ پھر یہ جوانی خود بخود بڑھاپے میں تبدیل ہو جائے گی اور زور و قوت، صحت و توانائی کا یہ مجسمہ خود بخود ضعف ونقاہت کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلا جائے گا اور ایک دن اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا؟ یہ تبدیلی پر تبدیلی لانے، یہ گندے پانی سے خوبرو، قوی تن بدن بنانے اور پھر ایسے حسین وجمیل چہروں کو مٹی کی مٹھی بنا کر رکھ دینے والی ذات

---

[1] قابض: تنگی دینے والا۔ [2] باسط: کشادگی کرنے والا۔ [3] خافض: پست کرنے والا۔ [4] رافع: بلند کرنے والا۔
[5] مُعِز: عزت دینے والا۔ [6] مذِل: ذلت دینے والا۔ [7] واجد: قادر (المنجد)۔ [8] ممیت: مارنے والا۔
[9] مُغنی: بے پروا کرنے والا۔ [10] نافع: نفع دینے والا۔ [11] ضار: نقصان پہنچانے والا۔
[12] مانع: روکنے والا، حفاظت کرنے والا۔

کا انکار ممکن ہے؟ یا اس ذات پاک کی قدرت اور ربوبیت اور رحمت اور اس کے اختیار کُل احساس وادراک یا اقرار واعتراف کوئی مشکل ہے؟

معبودانِ باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے!

جہاں قدرت واختیار کی اس بحث کے شروع میں اللہ ربّ العزت کی قدرت کاملہ کے ساتھ معبودانِ مِن دُونِ اللہ کی بے بسی و بے اختیاری واضح ہو چکی ہے، ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْر یہ کھجور کی گٹھلی تو کیا، کھجور کی گٹھلی کے اُوپر باریک پردے تک کے مالک نہیں، وہاں ان آیات کے علاوہ پورے قرآن میں نہایت شرح وبسط اور تکرار کے ساتھ بار بار معبودانِ باطل کی بے اختیاری ثابت کی گئی ہے۔

غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فلسفہ:

غیر اللہ کی پرستش کا منشاء دراصل ان کی مفروضہ و مزعومہ قدرت وطاقت ہے۔ انسان فطرتاً "لالچی" ہے۔ یہ ہر وقت اپنے لیے نفع کی تلاش اور نقصان سے بچنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کی پوری زندگی کا تانا بانا سود وزیاں کی اُدھیڑ بُن ہے۔ اسے ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اس کے وارے نیارے ہو جائیں۔ اسے کاروبار میں لین دین میں نفع ہی نفع ہو۔ مال و دولت میں زیادتی اور گھر بار، اہل وعیال، آل واولاد میں افزائش ہو۔ کسی نقصان اور خسارے کے تصور سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

تجارت، مال و دولت میں نقصان کا اندیشہ ہو یا جان اور بال بچوں کی بیماری یا موت کا رہا! تو یہ گھبرا کر چارہ سازی کی فکر میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے تو ہر کڑی سے کڑی آزمائش میں اپنے قادر وکریم مولا کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں۔ لیکن نفس اور شیطان کے بندے اللہ کے نیک، صالح بندوں، اماموں، ولیوں اور نبیوں کو قدرت اور اختیار کا مالک سمجھ کر انہیں پکارتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں، اور جب اللہ کریم ربّ رحیم ان کی مشکل حل کر دیتے ہیں تو یہ بزرگوں کی خانقاہوں پر نذریں پیش کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، مزاروں کو چومتے چاٹتے ہیں، اور اگر ممکن ہو تو قبر کی خاک مٹی تک پھانک جاتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف معلوم ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی اصل واساس جلبِ منفعت کا جذبہ ہے، یا دفعِ مضرت کا! حرص وہوس کے بندوں نے جب بھی کسی غیر اللہ کی

عبادت کی ہے، کسی نفع کے لالچ میں یا کسی نقصان سے بچنے کے لیے! غیر اللہ کی پرستش کا سارا فلسفہ آپ کو ان دو ہی لفظوں ...... جلبِ منفعت[1] یا دفعِ مضرت[2] ...... کے گرد گھومتا نظر آئے گا۔

مثال کے طور پر دیکھیے جاہل انسان نے دیکھا، پانی پر اس کی زندگی کا مدار ہے، دریا اس کی فصلوں کو سیراب کرتا ہے، تو اس نے پانی اور دریا کی پوجا شروع کر دی۔ سورج کو دیکھا اس کے اندھیروں کو اُجالے میں بدلتا ہے، اسے نور و ضیا دیتا ہے، گرمی پہنچاتا ہے، اس کی فصلیں اور اس کے پھل، میوے پکاتا ہے، اس کی پرستش شروع کر دی۔ چاند تاروں کو دیکھا کہ رات کو ٹھنڈی روشنی بہم پہنچاتے ہیں، ان کی پوجا میں لگ گیا۔ ہندی مشرکین نے دیکھا گائے میٹھا دودھ دیتی ہے، ٹھنڈی لسی پلاتی ہے، اس کی پوجا پاٹ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔ ہالی دھوپ میں ہل چلا کر آیا، تھکا ماندہ تھا، پیپل یا بڑ کے گھنے سائے میں بیٹھ کر ستانے لگا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، تن بدن میں جان آئی تو پیپل اور بڑ کی پوجا شروع کر دی۔ آگ کو دیکھا یہ کھانا پکاتی ہے اور مشتعل ہو جائے تو جلا ڈالتی ہے۔ اس کے ضرر سے بچنے کے لیے اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے۔ بعض احمقوں نے دیکھا کہ سانپ موت کا سبب بنتا ہے تو ڈر کر اس کی پرستش شروع کر دی اور بعض عقل کے اندھوں نے بعض بیماریوں کو موت اور تکلیف کا سبب بنتے دیکھ کر ان بیماریوں کی مثلاً چیچک کی پوجا شروع کر دی۔ اور عقل کے ساتھ حیا و شرافت کا بھی جنازہ اُٹھ گیا جب آبرو باختہ بے اولاد ہندو رانیوں نے شو "جی" کے مندر میں جا کر شو لنگ کے ساتھ مس و مساس کر کے مخصوص انداز میں شو لنگ تک کی پوجا کی، محض اس لالچ میں کہ اس کی "کرپا" سے رانی کو بچہ مل جائے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

بتوں کی پوجا کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اکابر و اعاظم رجال کے ناموں پر یا ان کی صورتوں پر گھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان اولیاء و صلحاء کی پرستش کے گویا قبلہ و ذریعہ ہیں۔ ان کی پوجا سے وہ اولیاء و اکابر ہم سے خوش ہوں گے، اور ان کی خوشی سے ہمارے سارے کام سنور جائیں گے۔

اولیاء اللہ کی مزاروں کی پوجا پاٹ، ان سے متعلق جمیع یادگاروں، ان کے جملہ آثار و نشانات کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم، اماموں کے نام نہاد تعزیوں، جھنڈوں، حتیٰ کہ ان سے منسوب گھوڑوں تک کی پرستش، منتیں نذریں یہ سب اسی لیے تو ہیں کہ یہ اولیاء و ائمہ ہم سے راضی ہوں اور ہماری بگڑی بن جائے۔ ہمارے دین و دنیا کے سارے کام سنور جائیں۔

سیّد الاولیاء سیّدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر گیارہویں کا دودھ وغیرہ

محض اس ڈر سے بانٹا جاتا ہے کہ کہیں ان کی گائے بھینیس بیمار نہ ہوں یا مر نہ جائیں یا ان کا دودھ، مکھن کم نہ ہو جائے۔ حضرت رحمہ اللہ ان کو ان کے مال مویشی کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھیں گے۔ القصہ کسی غیر اللہ کی پرستش کا آپ کھوج لگائیں گے تو یہی اصل وجہ پائیں گے۔ اس عبادت اور پوجا کی تہہ میں یہی نفع کی طمع وطلب، فائدے کی ہوس، کوئی نہ کوئی لالچ کارفرما ہوگا یا نقصان اور زیان وضرر سے بچنے کی غرض پوشیدہ ہوگی۔

انتہائی تعظیم، انتہائی محبت، آخری درجے کی انکساری و عاجزی، بے حد و نہایت شکرگزاری...... جسے عبادت سے تعبیر کرتے ہیں...... حق ہی اسی کا ہے جو نفع نقصان کا مالک ہو...... جس کے ہاتھ میں سود وزیاں کی باگ ڈور ہو۔ جاہل وفریب خوردہ بندوں نے جس کسی کو نفع نقصان، سود وزیاں کا مالک سمجھا اسی کی عبادت شروع کردی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بنیاد:

ایک بندہ، ایک عاجز ومحتاج بندہ، ایک سراپا غرض مند بندہ قدم قدم پر بلکہ اپنی زندگی کے ہر سانس پر مدد واعانت کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ذات پاک ربّ قدیر کی طرف بندے کے میلان و توجہ کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ نفع ونقصان اور سود وزیاں اسی کے ہاتھ میں سمجھتا ہے۔ درحقیقت نادیدہ خدا اور غیر محسوس وغیر مرئی خدا، لاکھوں حجابوں بلکہ بے شمار پردوں میں مستور ومخفی خدا پر صحیح ایمان کی بنیاد درحقیقت بندے کا یہی وجدان وتصور ہے۔ ایک موحد مسلمان خوف وطمع اور بیم و رجاء کے لیے اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ یہ نفع ونقصان کا مالک صرف اپنے نافع وضار خدا کو سمجھتا ہے۔ اور اس نے تمام غیر اللہ سے سود وزیاں کے تمام رشتے اور علاقے قطع کر لیے۔

غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد:

بخلاف اس کے جب اس ایمان و یقین میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو ایک محتاج وغرض مند بندہ غیر اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی توجہ ومیلان کا مرکز بھی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔ اب وہ اپنا سر جھکاتا ہے تو انہی غیر اللہ کی چوکھٹ پر، اور ذکر اذکار میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے تو غیر اللہ کے! وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ. (سورہ زمر رکوع ۵)

اب یہ "یا رسول اللہ" اور "یا علی" اور "یا عبدالقادر جیلانی" کے نعروں میں جو کیف وسرور محسوس کرتا ہے وہ اللہ اکبر کے نعرے میں کہاں؟

اب اس کی محبت کا مرکز و محور بھی یہی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ.

(پارہ ۲۔بقرہ، ع ۲۰)

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

پھر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جگہ ان کے دل میں تمام غیر اللہ کی محبت لے لیتی ہے۔ اب تمام تر محبت ہے تو ان کی اور خوف ہے تو اُن کا۔ جس محبت اور ذوق شوق سے بزرگوں کی نذر نیاز دیتے ہیں، اولیاء و مشائخ کے چالیسویں نکالتے ہیں، خدا کی زکوٰۃ عشر اور اس کے نام پر نحر و قربانی میں اس جوش و محبت کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ گائے بھینس کے مر جانے یا ان کا دودھ مکھن کم ہو جانے کے خوف سے جس اصرار و التزام شدت و سختی کے ساتھ حضرت سیّدالاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''گیارہویں'' نکالتے، بانٹتے اور کھاتے ہیں، کیا اس لزوم و التزام کا ہزارواں حصہ بھی عشر نکالنے اور قربانی کرنے اور قربانی کا گوشت کھانے میں پایا جاتا ہے؟

تمام ماسوی اللہ مطلق بے اختیار ہیں کسی کو قطعاً کوئی اختیار نہیں

تو شرک کی اصل و بنیاد یہی غیر اللہ کے نافع و ضار ہونے کا احساس و ایقان ہے۔ اللہ ربّ العزت نے شرک کی یہ بنیاد ہی ڈھا دی۔ عبادتِ غیر اللہ کی اس اصل و اساس ہی کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اپنے کلامِ پاک قرآن کریم میں بیسیوں جگہ تمام ماسوی اللہ کی مطلق بے اختیاری کو واضح فرمایا اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرما کر شرک کی رگِ گردن کاٹ دی کہ کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ بھر بھی کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

۱. قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۝ (۱۵۔بنی اسرائیل، ع ۶)

آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھتے ہو، (ذرا) ان کو پکارو (تو سہی) وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دُور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔

اللہ کے سوا کسی بھی معبود کو قطعاً کوئی اختیار نہیں، نہ وہ کسی کی کوئی تکلیف دُور کر سکتا ہے نہ اس میں کمی کر سکتا ہے نہ ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال سکتا ہے۔ پھر ایسی بے اختیار و عاجز مخلوق کو معبود بنالینا کہاں کی عقل مندی ہے؟

۲. قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝

(پارہ ۲۲۔ سباء، رکوع ۳)

آپ کہئے جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھ رہے ہو ان کو پکارو وہ ذرّہ برابر اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

ماسوی اللہ، کسی معبود کو بھی ایک ذرّہ برابر اختیار حاصل نہیں، نہ زمین و آسمان کی تخلیق و ایجاد میں کسی کا کوئی ساجھا ہے، نہ اللہ ربّ العزت کو کسی کام میں کسی کی مدد کی کوئی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی معین و مددگار ہو۔

پھر ایسی بے اختیار چیز کو مشکل کشا سمجھنا اور اسے معبود قرار دینا عقل و دانش کا منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟

۳. مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَّاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ. (پارہ ۲۰۔ عنکبوت، ع ۴)

جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز تجویز کر رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی مانند ہے جس نے ایک گھر بنایا، اور بلاشبہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکڑی کا گھر ہے۔

گھر جان و مال کی حفاظت اور بچاؤ کے لیے ہوتا ہے مگر مکڑی کا جالا کیا حفاظت کرے گا۔ جن لوگوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا محافظ و مددگار اور کارساز سمجھا ان کی مثال مکڑی اور مکڑی کے جالے کی ہے۔ جیسے مکڑی کی پناہ گاہ غایت ضعف کی وجہ سے کالعدم ہے، اسی طرح مشرک لوگ جن باطل معبودوں کو اپنا حمایتی، مددگار، محافظ اور پناہ دہندہ سمجھتے ہیں در حقیقت وہ کوئی حمایت و حفاظت نہیں کر سکتے، اور مصیبت کے وقت اپنے پرستاروں کو قطعاً پناہ نہیں دے سکتے۔

۴. وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ (فاطر، ع ۲)

اور اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر

بھی اختیار نہیں رکھتے۔

ماسوی اللہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا پردہ یا جھلی سی ہوتی ہے، اس کے بھی مالک نہیں۔ اگر کوئی مشکل کے وقت انہیں پکارے اوّل تو وہ کسی کی پکار کو سنتے نہیں، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو کام نہیں آسکتے۔

۵. يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهُ وَإِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ (پارہ ۱۷۔ آخری رکوع الحج)

اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے سنو! بلاشبہ خدا کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو سب کے سب (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے) اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس سے چھڑا ہی نہیں سکتے، ایسا مانگنے والا اور جس سے مانگتا ہے بودا ہے۔

اللہ ربّ العزت نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کو کس درجہ مؤثر اور عبرت انگیز مثال دی ہے کہ دُکھ سکھ میں تم جنہیں اپنا مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو ان کے ضعف ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ وہ سب مل ملا کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے، بلکہ مکھی سے اپنی کوئی چھنی ہوئی چیز نہیں چھڑا سکتے۔ جب ان کے اپنے زور و قوت اور اختیار و قدرت کا یہ حال ہے تو وہ تمہاری دعا پکار پر تمہاری خاک مدد کریں گے۔

غالیوں کی مذمت میں علامہ آلوسی کا عجیب بیان:

خاتم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: في قوله تعالٰى.

(إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا.)

اشارة الى ذمّ الغالين في اولياء الله تعالٰى حيث يستغيثون بهم في الشدة غافلين عن الله تعالٰى وينذرون لهم النذرَ والعقلاء منهم يقولون انهم وسائلنا الى الله تعالٰى وانما ننذرُ لِلّٰهِ عزّ وجلّ ونجعل ثوابه للولي لا يخفى انّهم في دعوٰتهم الاولٰى اشبه الناس بعبدة الاصنام القائلين إِنَّمَا نَعْبُدُهُمْ لِيُقَرِّبُوْنَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى وَدَعْوَاهُم الثانية لا باس بها لو لم

يطلبوا منهم بذلک شفا مريضهم او ردّ غائبهُمْ او نحو ذلک والظاهر من حالهم الطلب و يرشد اِلٰى ذٰلک انهٗ لو قيل: انذِرُوا اللّٰه تعالٰى وَاجْعَلُوْا ثَوَابَهٗ لِوَالِدَيكم فانهم احوج من اولٰئِکَ الاولياء لم يَفْعَلُوْا وَرَاَيْتُ قبورا منهم يَسْجُدُ علٰى اعتاب حجر قبورهم...... وكلّ ذٰلِکَ باطلٌ لا اصل لهٗ فى الكتاب والسنّة وكلام سلف الاُمّةِ. وَقَدْ اَفْسَدَ هٰؤُلاء على النّاس وصَارُوْا ضحكةً لِاَهل الاديان المنسوخة من اليهود والنصارٰى وكذا لاهل الملل والدهرية نسأل اللّٰه تعالٰى العفو والعافية[1]

اللہ تعالیٰ کے اس کلام (اِنَّ الَّذِيْنَ) میں اولیاء اللہ کی شان میں غالیوں کی مذمت کی طرف اشارہ ہے جب کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اولیاء اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں اوران کی نذریں مانتے ہیں اوران غالیوں میں سے جو عقل مند ہیں وہ کہتے ہیں: یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ تک (پہنچانے کے لیے) ہمارے وسیلے ہیں، ہم منت تو صرف اللہ عزوجل کے لیے مانتے ہیں، ولی کو تو صرف ثواب پہنچاتے ہیں۔" اور یہ حقیقت مخفی نہیں کہ یہ اپنے پہلے دعویٰ میں بتوں کے ان پجاریوں کے سب سے زیادہ مشابہ ہیں جو کہتے ہیں کہ "ہم تو بتوں کی پوجا محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔" اوران کے دوسرے دعویٰ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ ان اولیاء اللہ سے یہ منت مان کر اپنے مریض کی شفاء یا اپنے غائب ہوجانے والے کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ نہ کریں۔ اوران کے حال سے یہ مطالبہ ظاہر ہے اور یہ حقیقت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم منت اللہ تعالیٰ کے لیے مان کر اس کا ثواب اپنے والدین کو بخشو جو ان اولیاء اللہ سے ثواب کے زیادہ محتاج ہیں تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے اکثر اولیاء اللہ کی قبروں کی چوکھٹوں پر سجدہ کرتے ہیں، اوران میں سے بعض تو تمام اہل قبور کے لیے علیٰ فرق مراتب اختیار ثابت کرتے ہیں.... اوران میں سے بعض کا یہ گمان بھی ہے کہ اولیاء اللہ قبروں

---

[1] "روح المعانی" جلد ۱۷، ص ۲۱۲، ۲۱۳، الكلام على الآيات من باب الاشارة.

سے نکل کر مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے عالم کہتے ہیں کہ ان کے روح شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہوتے ہیں اور جہاں چاہیں چکر لگاتے پھرتے ہیں اور کبھی شیر کی یا ہرن کی یا اسی طرح کسی جانور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یہ تمام باتیں باطل ہیں کتاب وسنت اور سلف اُمت کے اقوال میں اس کی کوئی اصل نہیں اور انہوں نے لوگوں کا دین خراب کر دیا ہے اور یہی ہیں جو یہود و نصاریٰ اور دوسرے اہل مذاہب اور دہریوں کے لیے ہنسی تخول کا سامان بن کر رہ گئے ہیں۔
ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور اس بلاء و برائی سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

اختیار صرف ایک اللہ کو ہے
تمام حضرات انبیاءؑ ورُسلؑ مجبور و بے اختیار ہیں

جہاں قرآن کریم سے اس حقیقت کا وضوح و انشراح ہو گیا کہ تمام معبودانِ غیر اللہ بے بس و بے اختیار محض ہیں، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام بھی مجبور و بے اختیار ہیں، اختیار صرف ایک اللہ کو ہے۔ چنانچہ یہ حضرات دُکھ، درد اور مصیبت کے وقت مدد و نصرت اور مشکل کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان مصیبتوں سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام:

وَنُوحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۝

(۱۷۔انبیاء، رکوع ۶)

اور نوح جبکہ پہلے اس نے دعا کی پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے تابعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی۔

۲۔ حضرت ایوب علیہ السلام:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۝

(۱۷۔انبیاء، رکوع ۶)

اور ایوب جبکہ اس نے اپنے ربّ کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دُور کر دیا اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطاء فرمایا اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمتِ خاصہ سے، اور عبادت کرنے والوں کے لیے یادگار۔

۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ جب سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ○

(۱۷۔انبیاء، رکوع ۶)

پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام:

وَزَكَرِیَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ. (۱۷۔انبیاء، رکوع ۶)

اور زکریا جب کہ اس نے اپنے ربّ کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو یحییٰ عطا فرمایا، اور ہم نے ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریا نے اپنے لیے وارث یعنی فرزند کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطاء فرمایا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ○ (الصّٰفّٰت، ع ۳)

(دعا کی) اے میرے ربّ مجھ کو ایک نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

۶۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ○

وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِيْنَ٥ (۲۳۔الصّٰفّٰت، ع۴)

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر بھی احسان کیا۔ ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

۷۔ حضرت لوط علیہ السلام:

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ٥ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ اَجْمَعِيْنَ٥ (۲۳۔الصّٰفّٰت، ع۴)

اور بے شک لوط (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

۸۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (سورہ ص، ع۳)

خلاصہ: ان تمام آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر نبی اور برگزیدہ سے برگزیدہ رسولؑ نے دُکھ، درد، تکلیف اور مصیبت کے وقت مجبور و بے بس ہو کر ایک اللہ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام پیارے بندوں کی دعا کو سنا، قبول کیا، اور دُکھ، درد، کرب و بال، غم و مصیبت سے نجات دی۔

تو یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام مجبور محض اور بالکل بے بس و بے اختیار تھے۔ اور تو اور، اپنی ذاتی تکلیف و مصیبت بھی دُور نہ کر سکے۔

۹. وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَاج (پارہ ۷۔ سورہ انعام، رکوع ۴)

اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی، انہوں نے اس اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔

یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا۔ ظالم کفار و مشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں۔ وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم و ستم کا ہدف و نشانہ بنے اور صبر و شکیب کا مظاہرہ کیا۔ آخر اللہ ربّ العزت، قادر و قدیر کی مدد و نصرت آئی اور حق غالب آیا۔

۱۰۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے اختیاری:

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: مصر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا۔ یہ نظرِ بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی، اس لیے ساتھ ہی فرمادیا کہ:

وَمَا أُغْنِىْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ. (پارہ ۱۳۔ یوسف ع ۸)

اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔

یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظرِ بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر بتلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیرِ الٰہی میں ہے۔ میں قضاوقدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ ربّ العزت ہی کا چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکمِ الٰہی ہوگا۔ میں حکم الٰہی کے مقابلے تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں:

كَانَ يُغْنِىْ عَنْهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ.....

ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

امام المرسلینؐ کی بے اختیاری:

اور کسی کو کیا اختیار ہوگا جب محبوبِ خدا، سیّد الانبیاء، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تک کو ذرہ بھر اختیار نہیں، ارشاد ہوتا ہے:

۱. قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ.

(پارہ ۹۔ اعراف، رکوع ۲۳)

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

۲. قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. (یونس، ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی نفع کا، مگر جو چاہے اللہ۔

۱۔ خاتم المفسرین علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ:

استثناء منقطع عند جمع ای وَلٰکن مَا شاءَ اللّٰہُ تعالٰی کائن[۱] یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی (میں اپنی ذات کے لیے نفع وضرر کا اختیار نہیں رکھتا) لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۲۔ علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (متوفی ۷۱۰ھ) اپنی تفسیر "مدارک التنزیل" میں رقمطراز ہیں:

قُلْ یا محمد اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا مِنْ مَرَضٍ اَوْ فَقْرٍ وَّلَا نَفْعًا مِنْ صِحَةٍ اَوْ غنیً اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ استثناء منقطع ای ولکن ما شاء اللّٰه من ذلک کائن.[۲]

اے محمد کہہ دیجئے بلا شک وشبہ میں اپنی جان کے لیے بھی مرض وفقر وغیرہ ضرر اور صحت و مالداری وغیرہ نفع کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے۔ یہ استثناء منقطع ہے یعنی ولیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۳۔ قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا. (پارہ ۲۹۔ جن، رکوع ۲)

آپ کہیئے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نفع وضرر کے اختیار کی نفی کا واضح اعلان فرمایا ہے، ان کے جواب میں بعض کج ذہن و کج بحث یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لیے اختیار نہ ہونا اس کو کہاں لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے متعلق بھی نفع وضرر اور سود وزیاں کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں، لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں، معاذ اللہ۔

کج بحثی کے ساتھ کج بختی کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ اگر نصیب بھلے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرمادیا گیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کے مالک ومختار نہیں۔

۱۔ "روح المعانی" جلد ۱۱، ص ۱۳۰، سورہ یونس۔

۲۔ مدارک تفسیر آیت قل لا املک لنفسی ضرًّا وَّلَا نفعًا.

اقلیم بلاغ و ہدایت کے تاجدار کو ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں

گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقلیم بلاغ و تبلیغ کے تاجدار اور مسندِ رشد و ہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہِ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

۵. اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ٥ (پارہ ۲۰۔ سورہ قصص، رکوع ۶)

تحقیق آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جس کو اللہ چاہیں ہدایت دیتے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیر "موضح القرآن" میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت اتری۔" اس آیت کا شانِ نزول صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورہ القصص، صحیح مسلم اور ترمذی وغیرہ میں بھی اسی طرح مروی ہے۔

۶. لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ٥ (شروع شعرا)

شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر (رنج کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بنی نوعِ انسان سے محبت و رحمت کا جو بحرِ دریا موجزن تھا، اس کے طوفان و تلاطم کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر و مشرک جہنم میں نہ جائے۔ سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوشِ رحمت اور دردِ محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر بن گئی تھی۔ اس سوز و گداز کے مہلک اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا، فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نہ نکلے، آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

۷. فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ فَلَا تَذْھَبْ نَفْسُکَ عَلَیْھِمْ حَسَرٰتٍ. (فاطر، ع ۲)

بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ اللہ! بے اختیاری کی حد ہو گئی کہ سوز و گدازِ رحمت کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان کے

لالے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔

۸. لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

(پارہ ۴۔ آل عمران، ع ۱۳)

آپ کا کچھ اختیار نہیں، اللہ تعالیٰ ان پر توجہ فرمائے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

جنگِ اُحد میں کفار کے ہاتھوں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ مشرکین نے ظلم و تعدی میں انتہا کر دی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ سیّد الشہداء رضی اللہ عنہ کا وحشیانہ طور پر مُثلہ کیا۔ ناک، کان، ہونٹ کاٹے۔ پیٹ مبارک چاک کیا۔ جگر نکال کر چبایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ دندانِ مبارک شہید ہو گیا۔ ابن قَمِئہ کمینے نے بڑھ کر سرِ اقدس پر تلوار سے وار کیا۔ جس سے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ چہرہ پاک مجروح ہوا، اور سارا وجود اطہر لہو میں نہا گیا۔ آپ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت کفار نے مشہور کر دیا: اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے۔ اس سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حواس بجا نہ رہے اور ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اس وقت زبانِ مبارک سے نکلا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: (صحیح بخاری، غزوۂ اُحد، باب لیس لک.....)

۹. اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ.

(پارہ ۱۰۔ س توبہ، ع ۱۰)

آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی جب مر گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے کفن کے لیے قمیص کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص دے دیا۔ پھر درخواست کی کہ آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز پڑھنے سے روکا ہے۔" مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار

دیا ہے اور فرمایا ہے: اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ.... اور اگر میں جانتا کہ میرے ستر سے زیادہ بار استغفار پر اللہ اسے بخش دے گا تو میں ستر سے زیادہ بار بخشش طلب کرتا۔ غرض آپ نے اس کا جنازہ پڑھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نماز پڑھ کر پھرے ہی تھے کہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ.... وَهُمْ فَاسِقُوْنَ.

(صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اس کے بعد کفار و منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے کفن دفن میں شریک ہونے کی صراحت سے ممانعت کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری صاف ظاہر ہے کہ کرتہ بھی دیا، جنازہ بھی پڑھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس لعین رئیس المنافقین کو نہ بخشا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ منافقین کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔

۱۰۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ط اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (۱۰۔انفال، ع۸)

ر (اللہ تعالیٰ نے) ان (مسلمانوں) کے دل میں اُلفت ڈال دی، اگر آپ ئے زمین کا سارا مال خرچ کر ڈالتے (تو بھی) ان کے دلوں میں اُلفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں اُلفت ڈال دی، بیشک وہ زور (وقوت) والا حکمت والا ہے۔

اس ارشادِ الٰہی میں جہاں اللہ ربّ العزت کی صفتِ قدرت و اختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا، اور ان کے قلوب میں اُلفت و محبت کے دریا بہا دیے؛ وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال بے اختیاری اور عدمِ قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی آپ قبائلِ عرب کی بھی دیرینہ عداوتوں اور بغض و کینے مٹا کر ان کو باہم شیر و شکر نہیں بنا سکتے۔

۱۱۔ قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ. (پارہ ۷۔انعام، ع۵)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اہل شرک دھواعلی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھال دی ہیں، اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک ومختار ہیں۔ انا قاسم واللہ یعطی کی صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء کر دیے ہیں، ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے، نیز کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرمادیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک ومختار اور قاسم ومقسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصب نبوت کے لیے ان تینوں باتوں کی احتیاج وضرورت نہیں، نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی اللہ نے اپنی بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار و تصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قریباً انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں: وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ. (پارہ ۱۲۔ سورہ ہود، رکوع ۳)

خلاصہ: دوسرے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی و بے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری قرآن کریم میں گیارہ مقامات پر بیان فرمائی گئی ہے۔

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان گیارہ مقامات پر حصر ہے۔ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر احاطہ نہ مقصود ہے نہ آسان۔

سنتِ رسولؐ سے نبی کریمؐ کے مِلک واختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنت رسولؐ احادیث نبویہؐ میں بھی نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم قدرت وبے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ صرف چند ارشادات درج ذیل ہیں:

۱. لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ نے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ آیت نازل فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے گروہ قریش! (تم ایمان لاکر)

اپنے آپ کو عذاب سے بچالو، میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنو عبدِ مناف! میں اللہ کے سامنے ذرّہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔ اے صفیہ! رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے سامنے ذرّہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا،

یا فاطمة بنت محمدٍ سلینی ما شئتِ مِن مالی لا اغنی عنکِ مِنَ اللّٰهِ شیئاً [1]

اے فاطمہؓ بنت محمدؐ! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے طلب کر لے، میں اللہ کے مقابلے میں ذرّہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔

۱. لَا اَمْلِکُ لَهٗ وَلَا لِنَفْسِیْ شَیْئًا

حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ میں سب سے اوّل مکہ آکر اسلام لانے والے، مدینہ میں سب سے اوّل اسلام کے ساتھ داخل ہونے والے، عقبہ کی ہر بیعت میں شامل ہونے والے، انصار کے بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب اور جنت البقیع میں (بقول انصار) سب سے اوّل دفن [2] ہونے والے عظیم المرتبت صحابیٔ رسول تھے۔ انہیں ایک مہلک پھنسی نکلی۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسعد بن زراہ کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے۔ انہیں شوکہ (یعنی مہلک پھنسی) تھی۔ فرمایا: قاتل اللّٰه یهود یقولون لو لا دفع عنه و لا املک له و لا لنفسی شیئاً لایلومُرنی فی اَبیْ امامة [3] یعنی اللہ یہود کو ہلاک کرے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ اسعد بن زرارہ کی تکلیف کیوں نہ دُور کر دی اور حال یہ ہے کہ نہ تو میں ان کے لیے کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہی اپنے لیے، مجھے تم ان کے بارے میں ملامت نہ کرو۔

۲. تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج (مطہرات) کے درمیان تقسیم فرماتے تھے، پس عدل فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ.

(رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجه والدارمی)

---

[1] صحیح مسلم ("مشکوٰۃ المصابیح" باب الانذار والتحذیر)

[2] "طبقات" جلد ۳ ص ۶۰۸، ۶۱۲، "استیعاب" ترجمہ ابوامامہؓ۔

[3] طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۶۱۰، ذکر حضرت اسعدؓ بن زرارہ۔

اے اللہ! جو (باری نان ونفقہ وغیرہ ظاہری) تقسیم میرے بس میں تھی وہ میں نے کر دی، اب جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں تو آپ اس میں میرا مواخذہ نہ فرمائیں۔ ("مشکوٰۃ المصابیح" کتاب النکاح)

حضرت امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی الحب والمودۃ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت طاہرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت ومودت دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ مگر اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار نہ تھا۔ لہٰذا آپ بارگاہ رب العزت میں معذرت کر رہے ہیں۔ تو آپ کو اپنے دل کی محبت والفت پر بھی اختیار نہیں، بے اختیاری کی حد ہوگئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴. تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ (استخارہ)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور امام بخاری رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (دعاء) استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز (نفل) پڑھے پھر کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (رواہ البخاری)[1]

الٰہی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں، بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں۔

خود فرمائیے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت واختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لیے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفات ربانی کی نفی کی جا رہی ہے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التطوع۔ ابوداؤد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

۵۔ اپنی موت وحیات پر اختیار نہیں

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دعا میں آیا ہے:

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الوفاة خَيْرًا لِّيْ....

(رواہ النسائی "مشکوۃ المصابیح باب جامع الدعاء)

الٰہی! اپنے علمِ غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے واسطے سے مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لیے خیر ہو اور مجھے وفات دے جب تیرے علم میں وفات میرے لیے بہتر ہو۔

اس حدیث سے جہاں علمِ غیب اور قدرتِ کاملہ کا خاصۂ خدا ہونا ثابت ہوتا ہے، وہاں اپنے لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے علم کی نفی فرما رہے ہیں نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ موت وحیات اللہ ربّ العزت کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات و وفات کا بھی اختیار نہیں۔

ایک قطرۂ بارش پر اختیار نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عہدِ رسالت میں لوگوں کو قحط پیش آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی نے کھڑا ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے، بال بچے بھوکے ہیں، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا، آپ ہمارے لیے اللہ سے (بارش کی) دعا فرمائیے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعاء کے لیے) دونوں ہاتھ اُٹھا لیے۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، حضرت نے اپنے ہاتھ نہیں گرائے حتیٰ ثار السَّحَابُ امثال الجبال، یہاں تک کہ بادل پہاڑوں کی طرح گھر آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نہیں اُترے، حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، یہاں تک کہ میں نے آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بارش کا پانی گرتے دیکھا۔ پھر ہم پر اس دن دوسرے دن تیسرے دن حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش برستی رہی۔ (جمعہ میں) وہی دیہاتی یا کوئی اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مکان گر گئے، مال غرق ہو گیا۔ آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا فرمائیے، فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا. چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی: اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا.... الٰہی! ہمارے گرد و نواح میں برسائیو! اب ہم پر نہ برسائیو! یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

بادل کی طرف اشارہ فرماتے تھے تو بادل پھٹتا جاتا تھا، یہاں تک کہ مدینے کی فضا پر بادل کا نام ونشاں باقی نہ رہا۔ مگر وادی میں مہینہ بھر پانی بہتا رہا۔ نواحی علاقہ سے جو بھی آدمی آتا تھا وہ شدید بارش کی خبر دیتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (حضرت کی دعا کے بعد) بادل ختم ہو گیا اور ہم (مسجد سے) نکلے تو دھوپ میں چلے۔ صحیح مسلم (مشکوۃ المصابیح باب فی المعجزات)

اللہ اللہ! دو قطرے پانی کی ضرورت ہے تو صحابیؓ درخواست کرتا ہے کہ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا، آپ ہمارے لیے اللہ سے اس کی دعا فرمائیں۔ اور اگر بارش رُکوانی ہے تو بھی عرض کرتے ہیں آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں۔ اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ پانی کے قطروں کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں دست بدعا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یہی بارش ختم کرانی ہے تو بھی ربّ قادر و قدیر کی بارگاہِ قدس میں دستِ سوال دراز کر کے دعا کرتے ہیں: اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا۔ محبوبِ ربّ العالمین کی شانِ محبوبیت و مقبولیت کا کمال ملاحظہ ہو کہ اگر مطلق بارش کی دعا کرتے ہیں اور وقت کی تعیین نہیں کرتے تو اللہ ربّ العزت بھی وقت کی تعیین نہیں فرماتے اور آٹھ دن لگاتار رات دن بارش برسائے جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ بے اختیاری و بے بسی کا حال یہ ہے کہ بارش کے قطرے مانگتے ہیں تو اسی ذاتِ قادر سے! اور بارش ختم کرنے کا سوال کرتے ہیں تو اسی ربّ قدیر سے!

۷. اَنْتَ الغنی ونحن الفقراء

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں اللہ ربّ العزت کے لیے قدرت و اختیار اور اپنے لیے فقر و بے اختیاری بیان فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور منبر عیدگاہ میں رکھ دیا گیا۔ آپ نے منبر پر بیٹھ کر اللہ کی تکبیر اور حمد بیان کی پھر فرمایا:

> اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ.
> لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ.....
>
> اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو بے نیاز ہے اور ہم محتاج ہیں.....

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے دعا فرمائی..... پھر آپ نے منبر سے اُتر کر دو

رکعت نماز پڑھی۔ پس اللہ نے بادل بھیج دیا، بجلی کڑکی اور چمکی، پھر اللہ کے حکم سے بارش شروع ہوگئی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد (نبوی) تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ نالے بہنے لگے۔ جب آپ نے لوگوں کو جلدی سے مکانوں کو جاتے دیکھا تو آپ خوب ہنسے، اور فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاَنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ.

رواہ ابوداؤد (مشکوۃ المصابیح باب الاستسقاء)

ں گواہی دیتا ہوں کہ بالیقین اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور
ں کا رسول ہوں۔

سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے، حضرت سائل ہیں:

لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کو خیر و شر کے تمام خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں، دعا کرتے ہیں:

۸. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَیْرٍ خَزَائِنُهٗ بِیَدِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِیَدِكَ.

الٰہی! میں تجھ سے ہر بھلائی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔

(مستدرک حاکم جلد اوّل ص ۵۲۵)

معطی اللہ ہے اور حضرت قاسم:

بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اُعْطِیْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ.

رواہ البخاری (مشکوۃ المصابیح باب رزق الولاۃ)

نہ تو میں تمہیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں۔ جہاں مجھے (اللہ تعالیٰ کا) حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

سبحان اللہ! توحید کی حقیقت کتنی عمیق سمجھائی جا رہی ہے کہ گو بظاہر مال و دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، مگر ساتھ ہی فرما رہے ہیں کہ یہ "منع" و "اعطا" درحقیقت من جانب اللہ ہے، میں تو صرف ایک واسطہ ہوں۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے دے دیتا ہوں اور جہاں

اللہ نہ دینے کا حکم دیتا ہے نہیں دیتا۔ تو رسول کی حیثیت صرف واسطہ و وسیلہ کی ہے۔ حقیقت میں معطی و مانع ذات پاک رب العزت ہے۔

۱۰۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ.

(متفق علیہ)[1]

اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطاء فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مال و دولت کی طرح علم و فہم بھی اللہ تعالیٰ عطاء فرماتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف قاسم ہیں، وہ تو اپنی ساری اُمت کو وحی الٰہی کی برابر تبلیغ فرما دیتے ہیں۔ اگر مراتبِ علم و فضل میں کوئی فرق ہے، کوئی زیادہ عالم و فاضل ہے، فقیہ و مجتہد ہے، کوئی کم، تو اس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دخل نہیں۔ یہ فرق و امتیاز مراتبِ فہم میں فرق کی وجہ سے ہے۔ اور یہ خدا کی دین ہے۔ وہ جس کی بہتری چاہتے ہیں اسے دین و علم کا فہم و فقہ دے دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "صاحبِ مشکوٰۃ" کی طرح اس حدیث کو اپنی صحیح کے اندر "کتاب العلم" میں روایت کیا ہے۔ اس سے بھی اسی حقیقت پر دلالت ہوتی ہے اور حدیث شریف کے سیاق سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں دین کا علم و فہم مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فقہ عطا فرما دیتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: "دیتے اللہ ہیں، میں تو صرف بانٹتا ہوں۔" یعنی میں تو صرف قرآن و حدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں، باقی رہی اس کی سمجھ، سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔

یار لوگوں نے اس حدیث پاک سے اُلٹا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف و اختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اہل علم و نظر کے نزدیک تو اس ارشادِ رسولؐ سے خود آپؐ کے مِلک و اختیار کی نفی واضح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْھِمُ السلام لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا حَالَ حَیٰوتِھِمْ کَمَا اَنَّھُمْ لَا مِلْکَ لَھُمْ بَعْدَ وَفَاتِھِمْ وَاسْتَدَلَّ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ وَقَالَ اَنَّہٗ قَاسِمٌ لَا غَیْرَ

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب العلم۔

وَلَا مِلْکَ لَہٗ اَصْلًا۔[1]

بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار نہیں، اور انہوں (یعنی شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے اسی حدیث (اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یعطی) سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قاسم ہیں، اور مِلک و اختیار آپ کا بالکل نہیں۔

۱۱۔ مجھے اللہ بچائے گا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے۔ واپسی پر دوپہر کے وقت ایک وادی میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نزول اجلال فرمایا۔ لوگ سایہ دار درختوں کے نیچے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے، اور اپنی تلوار درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ ہم سوئے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا اور ایک گنوار شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا۔ آپ نے فرمایا: میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے میری تلوار کھینچ لی۔ میں جاگ اُٹھا (دیکھا) تو تلوار اس کے ہاتھ میں بے نیام تھی۔ اس نے کہا: مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّیْ. یعنی اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اس شخص سے کوئی انتقام نہ لیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) ابو بکر اسمٰعیلیؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس نے کہا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اللہ! یہ (یہ جواب سن کر ہیبت کی وجہ سے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی[2] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اُٹھالی اور فرمایا: اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟...... کتاب الحمیدی اور ریاض (یعنی ریاض الصالحین للنوویؒ) میں اسی طرح ہے۔[3]

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری ظاہر ہے کہ اپنا بچاؤ اور تحفظ بھی آپ نہیں فرما سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور دشمنوں سے اللہ ہی آپ کو بچاتے ہیں۔

---

1 "فیض الباری" جلد اوّل ص ۱۷۱۔ "فیض الباری" چار جلدوں میں صحیح بخاری کی شرح ہے۔ امام العصر شیخ الاسلام حضرت انور شاہ رحمہ اللہ کی تقریر ہے اور املا حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ کی۔

2 صاحب "روح المعانی" نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ وہ دشمنِ خدا منہ کے بل گر پڑا۔ فاکبّ علو اللہ تعالیٰ لوجھہ.... "تفسیر روح المعانی" سورۂ نساء آیت: وخذوا حذرھم۔

3 "مشکوٰۃ المصابیح" باب التوکل والصبر۔

۱۲۔اَفْقَرُ اِلَی اللّٰہ:

رزینؒ (متوفی ۵۲۰ھ) نے روایت کی ہے کہ (مسجد نبوی کی تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں وغیرہ اٹھا رہے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اینٹ تھی، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ مجھے دے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذْهَبْ فَخُذْ غَيْرَهَا فَلَسْتَ بِافْقَرِ اِلَی اللّٰهِ مِنِّیْ....[1]

جاؤ تم دوسری اینٹ اٹھالاؤ، تو مجھ سے زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔

سبحان اللہ! رحمۃ للعالمین ہیں، امام المرسلین ہیں، سیّد الاوّلین والآخرین ہیں، مگر ربّ العزت کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کوئی دوسرا، تو کیا فقیر و محتاج بھی مختارِ کل ہو سکتا ہے؟

۱۳۔دعا:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت بارگاہِ ربّ العزت میں طالبِ دُعا رہتے تھے۔ اسی کتاب کے گزشتہ ابواب میں آپ کی دعاؤں کا کچھ حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ ہمہ وقت دعا، صبح و شام، رات دن دعا، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا، سفر پر جاتے، گھر سے نکلتے، واپس آتے دُعا، وضو اور نماز کے بعد دعا، نماز کے اندر دعا، باہر دُعا، ہر وقت، ہر مجلس میں خلوت و جلوت میں اللہ سے دُعا، حتیٰ کہ بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ کا طول و عرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصل و اساس ہی دعا کرنے والے کی بے بسی و بے اختیاری ہے، مجبوری و لاچاری ہے۔ اگر اختیار و اقتدار ہو تو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور جب ہر وقت دستِ طلب و دعا دراز ہے تو اختیار کہاں؟ دعا تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔

۱۴۔شفاعت:

شفاعت کے معنی ہیں سفارش، کسی کو کسی کے لیے سفارش کرنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اُمت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ و ایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے، اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر مجھے کسی بات کا خود اختیار ہے تو میں اس کے متعلق کسی دوسرے کو سفارش کیوں کروں گا، وہ کام خود ہی کیوں نہ کرلوں گا۔ تو شفاعت کا منشاء بے بسی و بے اختیاری ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] "وفاء الوفاء" جزء اوّل ص ۳۳۳۔ وفاء الوفا: تاریخ مدینہ طیبہ پر علامہ سمہودیؒ کی چار جلدوں پر مشتمل بے نظیر کتاب ہے۔ علامہ نورالدین علی بن احمد السمہودیؒ المصری المدنی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے مفتی مدرس اور مؤرخ تھے ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

شفاعت مسلم ہے تو آپ کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اگر آپ کے مختارِ کُل ہونے کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا۔ شفاعت نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں؟

خلاصہ: قرآن کریم میں ۱۱ مقامات پر اور سنتِ رسولؐ سے ۱۴[1] مقامات پر کُل ۲۵ بار ثابت ہے کہ نبی کریم امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع و نقصان کا مِلک و اختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا بے بسی و بے اختیاری کے ان پچیس شواہد و نصوص کے بعد بھی آپ کے مختارِ کُل ہونے کا ادّعاءِ باطل برابر جاری رہے گا؟ پھر قرآن کریم کے دس مقامات سے دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے اختیاری ثابت ہو چکی ہے۔ امام المرسلین سید الانبیاء سمیت تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی پینتیس نصوصِ کتاب و سنت سے مطلق بے اختیاری ثابت و واضح ہونے کے بعد اور کون "تیس مار خاں" ہے جس کو اختیار حاصل ہو؟

سنتِ رسولؐ سے کُل اختیار و قدرت خاصۂ خدا ہونے اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلق نفی کا بیان!

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ قدرتِ کاملہ و اختیارِ کلیہ خاصۂ خدا ہے۔ احادیثِ نبویؐ میں نہایت صراحت و تکرار کے ساتھ اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور وظیفہ خود بھی اس قسم کے الفاظ عموماً پڑھا کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان وظائف کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً:

حضرتؐ کا ہر نماز کے بعد وظیفہ: ۱۔ بروایت حضرت مغیرہ بن شعبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق علیہ)[2]

---

[1] ان پر حصر نہیں، نہ حصر مقصود ہے اور نہ ہی یہ کوئی آسان کام ہے۔

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، الٰہی! جو تو عطاء فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دے وہ کوئی نہیں دے سکتا، اور تیرے سامنے کسی دولت والے کو اس کی دولت نفع نہیں دے سکتی۔ (یا اللہ تیری بارگاہ میں کسی عزت والے کو اس کی عزت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی)

ایک مردِ مومن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں ان صفاتِ ربانی کو آٹھ پہر پانچ وقت دہراتا ہے کہ جب اس کے سوا معبود کوئی نہیں اور جب ملک و بادشاہی اسی کی ہے تو منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی وہ واحد و لاشریک ہے۔ وہی دینے والا ہے اور وہی نہ دینے والا۔ وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا، اور وہ نہ دے تو کوئی دے نہیں سکتا۔

اللہ ربّ العزت کے اقتدار و اختیار کا اثبات اور غیر اللہ کی اختیار کی نفی کا کیا مؤثر انداز ہے۔

صبح و شام کا وظیفہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبح و شام کا ورد وظیفہ فرمایا ہے:

۲۔ بعض بنات النبیؐ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے تھے کہ صبح و شام کہا کریں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاء لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔

اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے اور اللہ کے سوا کسی کو کوئی زور و قوت نہیں، جو اللہ چاہے وہی ہوگا اور جو وہ نہ چاہے وہ نہ ہوگا، میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

فرمایا جو شخص صبح کو یہ کہے وہ شام تک محفوظ رہتا ہے اور جو شام کو یہ کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔[1]

تو مسلمان کا صبح و شام کا وظیفہ یہی ہے کہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ ربّ العزت ہے، اور علمِ کُل و علمِ محیط و بسیط بھی اسی کی شان ہے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب ما یقول عند الصباح والمساء۔

دن میں سو بار:

۳۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: جس نے دن میں سو۱ بار پڑھا: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی سو برائیاں مٹادی جاتی ہیں اور یہ سارا دن اس کے لیے شیطان سے بچاؤ (کا ذریعہ) ہے، یہاں تک کہ شام ہوجائے۔ وَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ. (متفق علیہ[۱]) اور اس سے کوئی شخص بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا مگر وہ شخص جس نے ان کلمات کو اس سے بھی زیادہ پڑھا۔

سبحان اللہ! صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی ان خاص صفات کا ورد و وظیفہ کرنے والے کے لیے کتنا اجر و ثواب ہے۔

۴۔ اور حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرمایا: جس نے صبح کو کہا:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. اس کے لیے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے، اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھیں جائیں گی اور اس کی دس برائیاں گرادی جائیں گی، اور اس کے دس درجے بڑھا دیئے جائیں گے اور وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا اور اگر شام کو یہی کلمات کہے گا تو یہی اجر ملے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)[۲]

صرف انہی وظائف پر بس نہیں، بلکہ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۱ پر چودہ (۱۴) احادیث پاک پیش کی جاچکی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ مطلقہ سے متعلق اذکار اور ان کے فضائل کا بیان ہے۔ ان احادیث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیا جائے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اسلام کا تیسرا کلمہ تمجید ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. اس کلمۂ پاک کا ایک حصہ ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اس کے معنی ہیں: نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ کے، گویا جس مضمون کو قرآن کریم میں عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے بیان فرمایا گیا ہے نہ صرف اس مضمون کو حدیث پاک لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ میں بیان فرمایا گیا ہے، بلکہ غیر اللہ سے قدرت و طاقت کی نفی مستزاد

۱ "مشکوٰۃ المصابیح" باب ثواب التسبیح..... ۲ "مشکوٰۃ" باب مایقول عند الصباح والمساء۔

ہے۔قدرت وطاقت اور قوت کا سرچشمہ صرف ذات پاک ربّ العزت ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو کسی کو قدرت وطاقت حاصل ہے نہ قوت۔تو اس انداز اور ان الفاظ میں بھی قدرت واختیار کو اللہ تعالیٰ کا حق ثابت کیا گیا ہے۔اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلقاً نفی کی گئی ہے۔اب دیکھئے یہ انداز والفاظ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف میں شامل ہیں:

گھر سے باہر نکلتے وقت کا وظیفہ:

۵۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر نکلتے تھے تو یہ کہتے:

بِسۡمِ اللّٰهِ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ والتکلان علی اللّٰه[1]

اللہ کے نام کے ساتھ،اور قدرت وطاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے اور اللہ کے سپرد ہوں۔

۶۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے اور کہے:

بِسۡمِ اللّٰهِ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

اللہ کے نام کے ساتھ، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، قدرت اور طاقت وقوت اللہ کے سوا نہیں ہے۔

تو (بذریعہ فرشتہ) اسے جواب دیا جاتا ہے: تو ہدایت دیا گیا، اور کفایت کیا گیا اور تو محفوظ ہو گیا۔(ابوداؤد، ترمذی)[2]

ہر وقت کا وظیفہ:

نہ صرف گھر سے نکلتے وقت بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہر وقت کا وظیفہ قرار دیا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

۷۔ اَکۡثِرۡ مِنۡ قَوۡلِ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ کَنۡزِ الۡجَنَّةِ.

(رواہ الترمذی)[3]

لاحول ولاقوۃ..... کثرت سے پڑھا کرو۔یہ جنت کا خزانہ ہے۔

۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے

---

[1] ابن ماجہ باب ما یدعو بہ الرجل اذا خرج.... [2] "مشکوٰۃ" باب الدعوات فی الاوقات۔
[3] "مشکوٰۃ" باب ثواب التسبیح۔

کی خبر نہ دوں۔ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ۔ فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (متفق علیہ)[1]

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

کفرت عنه ذنوبه وان کانت اکثر من زَبَدِ الْبَحْرِ.[2]

اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے گو سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔

۱۰۔ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ دَاءٍ اَيْسَرُهَا الْهَمُّ.

لاحول ولاقوۃ الا باللہ ننانوے بیماریوں کی دوا ہے جن میں سے معمولی غم والم ہے۔

۱۱۔ انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تجھے وہ کلمہ نہ بتلاؤں:

من تحت العرش من کنز الجنّة لا حول ولا قوة الا باللّٰه.

رواهما البيهقى فى الدعوات الكبير.[3]

تحت العرش جنت کا خزانہ ہے (وہ عرشی وجنتی خزانہ ہے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔

صبح وشام گھر سے نکلتے وقت، اور ہر وقت کا وظیفہ، جنت کا اور تحت العرش خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ اس کی عظمت کا سارا راز اسی میں مضمر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی نفی ہے۔

اللہ کے حکم کے خلاف ساری دنیا مل کر نفع نقصان نہیں دے سکتی

۱۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا: میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کرو، اللہ (دارین میں) تمہاری حفاظت کرے گا اور جب بھی تو سوال کرے اللہ سے سوال کر اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب ثواب التسبیح۔ [2] مستدرک حاکم' جلد اوّل ص ۵۰۳، کتاب الدعاء۔
[3] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب ثواب التسبیح۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ لَکَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْکَ.

اور جان لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کوئی نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے سوائے اس کے جو کچھ اللہ نے تیرے لیے مقدر کر دیا ہے، اور اگر سب تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائیں تو تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے مقدر کر دیا ہے۔ (تقدیر کے) قلم لکھ چکے اور رجسٹر خشک ہو چکے۔

(رواہ احمد والترمذی)[1]

سبحان اللہ! سوال کرنا، دعا کرنا، مدد طلب کرنا، یہ اللہ ہی کی ذات سے لازم ہے۔ ساری دنیا مل کر بھی اللہ کی مشیت اور تقدیر الٰہی کے خلاف کسی کو نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ نفع نقصان پہنچانا یہ صرف خاصۂ خدا ہے۔ غیر اللہ کے اختیار و اقتدار کی نفی کا اس سے بہتر انداز اور کون سا ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو عزم کے ساتھ دعا مانگے۔

اِنَّهٗ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَلَا مُکْرِهَ لَهٗ.

بالیقین وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں۔ (صحیح بخاری)[2]

ساری دنیا پر اس کی مشیت و قدرت غالب ہے۔ کسی کی کیا مجال ہے جو اس قادر مطلق پر دباؤ ڈال سکے، زبردستی کر سکے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ.

تو کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول سے بھی اسی حقیقت کا وضوح و اثبات ہوا کہ قدرت و اختیار خاصۂ خدا ہے، نفع نقصان کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بھی نفع نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں۔

آثارِ صحابہؓ و اقوالِ سلف:

کتاب و سنت کے بعد اب حضرات صحابہؓ و کبار اولیاء کے آثار و اقوال سے اللہ رب العزت کے لیے اختیار و قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے لیے اس کی مطلق نفی ملاحظہ ہو:

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التوکل والصبر۔ [2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۶۳۹۔

حجرِ اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب:

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا، اور (حجرِ اسود سے) فرمایا:

اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْ لَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ. (متفق علیہ)[1]

میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بحوالہ دارقطنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ایک عظیم و معظم پتھر ہے، شعائر میں داخل ہے، اسے بوسہ دینا سنتِ ثابتہ و معمولِ صحابہؓ و اُمت ہے، مگر حضرات شیخینؓ اس کے نافع و ضار ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تاکہ کل کوئی اس کی عظمت کی وجہ سے اسے نفع نقصان کا مالک نہ سمجھنے لگ جائے۔

حضرت محبوب سبحانیؒ کا ارشاد:

سرخیل صلحاء اُمت امام الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اور کیا خوب فرماتے ہیں، اور الفاظ مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کس درجہ مشابہ ہیں:

وَاَنَّ الْخَلَائِقَ لَوْ جَھَدُوْا اَنْ یَّنْفَعُوا الْمَرْءَ بِمَا لَمْ یَقْضِہِ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمْ یَقْدِرُوْا عَلَیْہِ وَلَوْ جَھَدُوْا اَنْ یَّضُرُّوْہُ بِمَا لَمْ یَقْضِہِ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمْ یَسْتَطِیْعُوْا کَمَا وَرَدَ فِیْ خَبَرِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَقَالَ تَعَالٰی وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ. (الآیۃ)[3]

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب دخول المکۃ والطواف۔ نیز مؤطا امام مالکؒ باب تقبیل الرکن الاسود۔ ابوداؤد باب فی تقبیل الحجر اور ترمذی باب فی تقبیل الرکن میں بھی یہ روایت ہے۔

[2] "تاریخ الخلفاء" فصل فیما روی عن ابی بکر۔

[3] "غنیۃ الطالبین" جلد اوّل فصل بیان عذاب۔

۲۔ آپؒ کی مرضِ وفات میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے آپ سے وصیت کی استدعا کی تو فرمایا:

عَلَیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ لَا تَخَفْ اَحَدًا سِوَی اللّٰہِ وَلَا تَرْجُ اَحَدًا سِوَی اللّٰہِ وَلِکُلِّ الْحَوَائِجِ اِلَی اللّٰہِ وَلَا تَعْتَمِدْ اِلَّا عَلَیْہِ وَاطْلُبْھَا جَمِیْعًا مِنْہُ تَعَالٰی وَلَا تثق بِاَحَدٍ غَیْرَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ خذ التوحید والتوحید اجماع الکلّ[1]

اپنے اوپر خدا کے تقویٰ کو لازم رکھو، اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کھاؤ، نہ کسی سے اُمید رکھو، تمام حاجتیں اللہ کو سونپ دو، اس کے سوا کسی پر تکیہ نہ کرو، سب کچھ اسی سے طلب کرو، اور اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو، توحید پر قائم رہو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے۔

شیخ المشائخ ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں:

۳. لَا یَمْلِکُ مَعَہٗ تَعَالٰی فِی ملکہٖ اَحَدٌ شَیْئًا لَا ضَارٌّ وَلَا نَافِعٌ وَلَا دَافِعٌ وَلَا جَالِبٌ وَلَا مسقم وَلَا مبلی وَلَا معافی وَلَا مبرئ غیرہ فلا تَشْتَغِلْ بِالْخَلْقِ لَا فِی الظَّاھِرِ وَلَا فِی الْبَاطِنِ فَاِنَّھُمْ لَمْ یُغْنُوْا عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا.[2]

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ملک و اختیار میں کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں، اللہ کے سوا نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع، نہ کوئی تکلیف دفع کرنے والا ہے نہ کوئی بھلائی کرنے والا، نہ کوئی بیمار کرنے والا ہے نہ کوئی آزمائش میں ڈالنے والا، اور نہ کوئی صحت دینے والا ہے نہ کوئی نجات دینے والا، لہٰذا مخلوق میں مشغول نہ ہو، نہ ظاہراً نہ باطناً، کیونکہ یہ بالیقین اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتے۔

اللہ اللہ! اقلیم علم و تصوف کے اس تاجدار نے کس زوردار انداز اور مؤثر الفاظ میں اللہ رب العزت کی قدرت و اختیار کے اثبات کے ساتھ ساری مخلوق تمام ماسوی اللہ کے اختیار کی مطلق نفی فرمائی ہے۔

---

[1] تکملہ "فتوح الغیب"۔ [2] "فتوح الغیب" مقالہ ۵۹۔

مگر آہ! آج جھوٹے مدعیانِ تصوف غیر اللہ کے لیے اختیار ثابت کرنے اور انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مگر ان تاجدارانِ اقلیمِ ولایت وصدر نشینانِ مسندِ تصوف کے مقابلے میں ان کی بے سند وبے دلیل بات ایک بڑ سے زیادہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ:

کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے!

سیّدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ جن سات مظلوم ومقہور اوّلین سابقین اصحابِ رسول ﷺ کو خرید کر آزاد فرمایا، ان میں ایک مظلومہ صحابیہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

۱۔ وَاُصِیْبَ بصرھا حین اعتقھا فقالت قریش ما اذھب بصرھا اِلَّا اللّاتُ وَالْعُزّٰی فَقَالَتْ کَذَبُوْا وَ بَیْتِ اللّٰہِ مَا تَضُرُّ اللّاتُ وَالْعُزّٰی وَمَا تَنْفَعَانِ فرد اللہ بصرَھَا[1]

جب انہیں (خرید کر) آزاد کیا گیا تو ان کی بینائی جاتی رہی۔ قریش کہنے لگے: اس بینائی لات وعزّیٰ نے ختم کردی ہے۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یہ لوگ بکتے ہیں، رب کی قسم! لات وعزّیٰ نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع!'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔

علیٰ ہذا مشرکین مکہ جنگ میں بتوں کو پکارتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں فرمایا:

نادیٰ المشرِکُوْنَ بشعارھم، یا لَلْعُزّٰی! یا لَھُبَلَ![2]

مشرکین نے اپنے معمول کے مطابق پکارا: اے عزّیٰ! اے ہبل!

اُحد ہی کے دن فتح کے نشے میں مخمور ہو کر ابوسفیان نے ہبل کی جے پکارتے ہوئے کہا تھا:

---

[1] ''سیرت ابن ہشام'' جلد اوّل ص ۳۴۰، ''استیعاب'' ''اصابہ'' ترجمہ حضرت زنیرہؓ۔

[2] ''طبقات ابن سعد'' جلد ۲ ص ۴۲۔

اُعْلُ ھُبَلَ اُعْلُ ھُبَلَ. ہبل کا بول بالا، ہبل کا بول بالا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو جواب نہیں دیتے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کن الفاظ سے یا رسول اللہ؟ فرمایا: تم کہو:
اَللّٰہ اعلیٰ و اجلّ. اللہ ہی سب سے بالا ہے اور اللہ ہی بڑی شان والا ہے۔

اِس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے نادر و حیرت انگیز واقعات اور ان کی ایمان افروز کرامات

ہمارے اسلاف کرام کو اس ایمان و یقین میں...... کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی چیز نفع نقصان نہیں پہنچا سکتی...... اس درجہ غلو تھا کہ وہ اشیاء میں ان کی خداداد تاثیر و خاصیت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اپنے اس یقین کامل کی بنا پر مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کا نام لے کر سمندر[1] میں کود پڑتے تھے اور نہیں ڈوبتے تھے، آگ کے شعلوں[2] میں ڈالے جاتے تھے اور نہیں جلتے تھے، زہر[3] پھانک لیتے تھے اور نہیں مرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۱۔ خلافتِ صدیقی میں حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے بحرین کے مرتدین پر حملہ کر کے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ جو بچ گئے وہ کشتیوں میں سوار ہو کر دارین پہنچ گئے اور دارین خلیج فارس کا ایک جزیرہ ہے، ساحل سے بذریعہ کشتی چوبیس گھنٹوں کی مسافت پر!

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے ان کے تعاقب میں اس جزیرے پر حملہ کا فیصلہ کیا مگر کشتیاں تھی نہیں، لہٰذا اُنہوں نے اپنے لشکر سے خطاب میں فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ سمندر میں بھی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا سکتا ہے۔ لہٰذا تم سمندر میں کود پڑو۔" سارے لشکر نے کہا: "ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔" اور پورے لشکر نے توکلا علی اللہ سمندر میں اپنے اُونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے ڈال دیئے۔ حضرت علاء رضی اللہ عنہ اور سارے لشکر نے یہ دعا کی: یا ارحم الراحمین! یا کریم، یا حلیم، یا احد، یا صمد، یا محی الموتی، یا حی یا قیوم، لا الٰہ الا انت یا ربنا۔ اللہ کے حکم سے سب پار ہو گئے۔ وہ سمندر میں ایسے جا رہے تھے جیسے نرم ریت پر چل رہے ہوں۔ سمندر کے پانی سے اُونٹوں کے صرف پاؤں تر ہوئے۔ دارین پہنچ کر تمام مرتدین کو قتل کر دیا۔ (لشکر کے ایک جرنیل) حضرت عفیف بن المنذر نے اس واقعہ پر کہا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ ذَلَّلَ بَحْرَهٗ ۔ وَاَنْزَلَ بِالْكُفَّارِ اِحْدَى الْجَلَائِلِ
دَعَوْنَا الَّذِیْ شَقَّ[1] الْبِحَارَ، فَجَاءَ نَا ۔ بِاَعْجَبَ مِنْ فَلْقِ الْبِحَارِ الْاَوَائِلِ[2]

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تابع کر دیا۔ اور کفار پر ایک مصیبتِ عظمیٰ ڈال دی۔ ہم نے اس ذات کو پکارا جس نے سمندر کو پھاڑ دیا تھا، پس وہ ہماری مدد کو آن پہنچا۔ اور پہلی دفعہ سمندر کو پھاڑ دینے کی نسبت زیادہ عجب انداز میں آن پہنچا۔''

۲۔ عہدِ صدیقی میں اسود عنسی کذاب نے حضرت عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی کو اپنی نبوت کے انکار اور رسالتِ محمدیؐ کے اقرار پر آگ کے شعلوں میں ڈال دیا، مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا۔ یہ خلافتِ صدیقی میں مدینہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں گلے لگا لیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس وقت تک نہ مارا جب تک مجھے اُمتِ محمدیہ میں ایسا شخص نہ دکھا دیا جس کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو ابراہیمؑ خلیل اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ (''استیعاب'' ترجمہ ابو مسلم خولانی)

۳۔ اسی طرح مشہور ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر زہر ہلاہل پھانک لی مگر زہر نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے در آمد ہوا

کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ، آثارِ صحابہؓ اور اقوال و ارشاداتِ فقہاءِ اُمت و اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے یہ ثابت ہے کہ تصرف و اختیار صرف ذات پاک رب العزت کا حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا خیر و شر اور نفع نقصان کا مالک کوئی بھی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کے اختیار کا گندہ عقیدہ مسلمانوں میں کہاں سے در آمد ہوا؟

اس عقیدہ کا ماٰخذ ''تشیع'' ہے۔ یہ اہل تشیع کا ایمان و عقیدہ ہے کہ تدبیر امور حتیٰ کہ خلق مخلوق اور تحلیل و تحریم کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہؒ کو حاصل ہے۔ چنانچہ شیعوں کی بنیادی کتاب اصول کافی میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَوَّضَ اِلٰى نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرَ خَلْقِهٖ[3]

بیشک اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کے کام اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیے ہیں

---

[1] یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے سمندر میں راستے بنا دینے کی طرف اشارہ ہے۔

[2] طبری جلد ۲ ص ۵۲۵ تا ۵۲۷، واصابہ ترجمہ عفیف بن المنذر۔ [3] اصول کافی باب التفویض الی رسول اللہؐ۔

دوسرے مقام پر ہے: فَهُمْ يُحِلُّوْنَ مَا يَشَاؤُنَ وَيُحَرِّمُوْنَ مَا يَشَاؤُنَ۔[1]

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:

وَاَمَّا الْمُفَوِّضَةُ فَهُمُ الْقَائِلُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَوَّضَ تَدْبِيْرَ الْخَلْقِ اِلَى الْاَئِمَّةِ وَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَقْدَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خَلْقِ الْعَالَمِ وَتَدْبِيْرِ الْخَلْقِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَكَذٰلِكَ قَالُوْا فِيْ حَقِّ عَلِيٍّ۔[2]

مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے امور کی تدابیر "ائمہ" کے سپرد کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیقِ عالم اور تدبیر کائنات پر قادر فرما دیا ہے۔

اور دنیا کی کوئی چیز اللہ نے پیدا نہیں کی۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ کے حق میں کہتے ہیں (کہ خلق و تدبیر عالم اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دیا)

ذاتی نہ! بلکہ عطائی

مفوضہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علیؓ کو ذاتی قدرت و اختیار حاصل ہے۔ ان کا ایمان و یقین یہ تھا کہ اللہ ربّ العزت نے انہیں خلق و تدبیر عالم کے اختیارات تفویض کر دیے ہیں۔ اسی طرح کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مشرکین کا بھی اپنے معبودین سے متعلق یہ ایمان و یقین نہیں تھا کہ وہ ان کی مشکل کشائی و حاجت روائی پر ذاتی طور پر قادر ہیں۔ نہ وہ اپنے معبود اللہ کے نیک اور صالح و مقبول بندوں کو صفات ربانی میں ذاتی طور پر شریک مانتے تھے۔ ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ اللہ کے یہ بندے ہمیں خدا سے قریب کر سکتے ہیں، بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہمارے کام کرا سکتے ہیں۔

گویا وہ بالواسطہ طور پر اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے اور ان کی من جانب اللہ عطائی ملک و قدرت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین طواف کرتے وقت کہتے تھے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ....[3]

---

[1] "اصول کافی" باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفاتہ۔

[2] "غنیۃ الطالبین" حصہ اوّل فصل اصناف الرافضۃ۔ [3] صحیح مسلم باب التلبیہ۔

یعنی مشرکینِ مکہ کہتے تھے کہ اے اللہ! ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وہ آپ کا شریک (ضرور) ہے، جس کا تو مالک ہے اور اس کی تمام مملوکات کا بھی تو ہی مالک ہے۔

تو وہ ذاتی طور پر کسی کو بھی مِلک وقدرت میں خدا کا شریک نہیں مانتے تھے، اور جن کو وہ خدا کا شریک مانتے تھے، ان میں عطائی قدرت و مالکیت اور اختیار و اقتدار کے قائل تھے نہ کہ ذاتی طور پر انہیں قادر و مالک مانتے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنْ لَيْسَ فِي الْعَالَمِ اَحَدٌ يُثْبِتُ لِلّٰهِ شَرِيْكًا يُسَاوِيْهِ فِي الْوَجُوْدِ وَالْقُدْرَةِ وَالْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ وَهٰذَا مِمَّا لَمْ يُوْجَدْ اِلَى الْاٰنَ[1]

جان لو کہ سارے جہان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ایسا شریک مانتا ہو جو وجود، قدرت اور علم وحکمت میں اللہ کے برابر ہو۔ اور ایسا عقیدہ اس وقت تک (دنیا میں کہیں) موجود نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی صفات، قدرت، علم اختیار و مِلک جو بھی ہیں ذاتی ہیں، اس طرح ذاتی صفات کا مالک دنیا میں کسی مشرک نے اپنے معبودین کو نہیں مانا۔ جس نے مانا اپنے معبود کو عطائی صفات کا مالک مانا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مِلک وقدرت اور علم وحکمت عطاء کی ہے۔ مالکِ حقیقی نے یہ صفات انہیں بخشی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ان (مشرکین) میں سے بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ: بیشک آقا اور مدبر تو اللہ ہی ہے،

لکنہ قد یخلع علی بعض عبیدہ لباس الشرف و التألہ ویجعلہ متصرفًا فی بعض الامور الخاصۃ.

لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں کا اختیار دے دیتا ہے..... اس وجہ سے ایسے اشخاص کو بندگانِ خدا (عباد اللہ) کہنے کی لوگوں کو جرأت نہیں ہوتی، وہ ان کو "ابن اللہ" اور "محبوب اللہ" کہتے ہیں اور اپنا نام ایسا رکھتے ہیں جن میں ان کا عبد (غلام) ہونا ظاہر ہو جیسے عبد المسیح اور عبد العزیٰ۔

---

[1] "تفسیر کبیر" جز ۲ ص ۱۱۲، تفسیر آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا۔

وَهٰذَا مرض جمهور اليهود والنصارى والمشركين وبعض الغلاة من مُنَافِقِي دين محمد صلى الله عليه وسلم يومنا هذا[1]

یہ مرض عام یہود و نصاریٰ مشرکین اور آج دینِ محمدی کے بعض غالی منافقوں کو لاحق ہے۔

عام یہود و نصاریٰ مشرکین تو اس مرض میں مبتلا تھے ہی، وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کا مالک یقین کرتے تھے، اپنے آپ کو ان کا غلام اور عبد سمجھتے تھے اور اپنے نام عبدالمسیح اور عبدالعزیٰ وغیرہ رکھتے تھے، مگر آہ! کہ آج بعض مسلمان کہلانے والے بھی اس مرض کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ بھی حضرات انبیاءؑ و اولیاءؒ کو عطائی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ اپنے نفع نقصان اور سود و زیاں کا اختیار انہیں دیتے ہیں۔ دُکھ، درد مصیبت اور تکلیف کے وقت انہیں پکارتے ہیں۔ انہیں اپنا آقا، مالک و مختار جانتے ہیں۔ خود کو ان کا عبد (غلام) مانتے ہیں اور اپنا نام عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہ رکھتے ہیں۔ حضرت محدث دہلویؒ انہیں ''دینِ محمد کے غالی منافق'' کہتے ہیں، ''اَلْغُلَاة مِن منافقي دين محمد.''

خلاصہ: کتاب اللہ سے نہایت صراحت کے ساتھ قدرت اور علمِ غیب اور ہر جگہ، ہر وقت حاضر و ناظر ہونا یہ تین صفات خاص اللہ رب العزت کے لیے ثابت ہوتی ہیں، اور غیر اللہ سے واضح طور پر ان تینوں صفتوں کی بار بار نفی کی گئی ہے۔ اللہ کے محبوب رسولؐ، قرآن کریم میں بھی اور احادیثِ صحیحہ میں بھی اپنے لیے ان تینوں صفات کی بصراحت نفی فرما رہے ہیں۔ پھر حضرات صحابہؓ و تابعین اور اجلہ ائمہ دین و اکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی ان صفات کو غیر اللہ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ثابت کرنے اور ماننے کو صاف صاف کفر قرار دے رہے ہیں۔ تو پھر انکل پچو باتوں اور جاہل و بے دین لوگوں کی جزلیات و خرافات کی بناء پر قدرت و اختیار یا علمِ غیب یا حاضر ناظر ہونا کسی غیر اللہ کسی ولی، کسی نبی حتیٰ کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و شان قرار دینے کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر یہ صفات کم از کم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوتیں تو چونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ تھا لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب پاک قرآن کریم میں صاف صاف فرما دیتے کہ میرے محبوب رسولؐ کو بھی میری طرح قدرت و اختیار، علم غیب اور ہر جگہ ہر وقت حضور و شہود حاصل ہے۔ تم انہیں بھی قادر و قدیر، عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانو، ورنہ مسلمان نہیں رہ

---

[1] ''حجۃ اللہ البالغہ'' مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور جلد اوّل ص ۱۱۲۔

سکتے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قادر و متصرف، عالم الکل، اور حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ فرماتے، لوگوں کو اسے ماننے کی دعوت دیتے، نہ ماننے والوں کو وعید شدید کا مستحق قرار دیتے۔ پھر اصحابؓ رسولؐ و سلف صالحین کا ہر فرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار و اختیار، عامہ، علم بسیط و محیط اور ہمہ وقت ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی صفات سے متصف ماننا۔ حدیث و فقہ کا ہر امام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور عالم الغیب تسلیم کرتا اور جمیع ائمہ عقائد و کلام اپنی مصنفات میں اس عقیدہ کو صراحت کے ساتھ رقم کرتے، اور اسلاف میں یہ عقیدہ عام شائع ہوتا۔

بہرحال کتاب و سنت اور توابع سنت سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم غیب، حضور و شہود اور اقتدار و اختیارِ کل یہ تینوں صفات خاصۂ خدا ہیں۔ پھر یہی تینوں صفات اصل و اساسِ عبادت و لوازمِ الوہیت ہیں۔ جب عبادت کی بنیاد انہی تین صفات پر قائم ہے اور یہ تینوں صفات خاصۂ خدا ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت خاصۂ خدا ہے اور اس میں خدا کے سوا کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کوئی بندۂ خدا کسی غیر خدا یعنی کسی نبیؑ یا ولیؒ کو ان تینوں صفات یا ان میں سے کسی ایک صفت سے متصف جانتا ہے، یعنی کسی بزرگ کو ہر جگہ حاضر و موجود یا عالم الغیب یا ہر بات پر قادر اور صاحبِ اختیار یقین کرتا ہے تو وہ گویا اسے اپنا الٰہ یعنی خدا مانتا ہے، خواہ زبان سے اسے خدا نہ کہے بلکہ پیر و مرشد یا ولیؒ اور نبیؑ کہے۔ کیونکہ جب یہ صفات خاصۂ خدا ہیں تو کوئی شخص جس کسی میں یہ صفات مانے گا گویا وہ اس شخص کا خدا ہو گا، گو درحقیقت وہ خدا نہیں ہے۔

جیسے ایک شخص مانتا ہے کہ فلاں صاحب کا اس کی ماں کے ساتھ نکاح ہے اور وہ صاحب خانہ ہے۔ پھر یہ بھی مانتا ہے کہ میں اپنی ماں کے بطن سے اس نکاح کے بہت مدت بعد پیدا ہوا ہوں اور ہمارا نان نفقہ سب اس پر ہے۔ تو اب وہ صاحب اس شخص کا باپ ہو گا خواہ یہ ناخلف اسے باپ نہ مانے اور واقعہ میں بھی وہ اس کا باپ نہ ہو بلکہ یہ شخص کسی دوسرے آدمی کا خون ہو۔ لیکن شرعاً قانوناً اور عرفاً بھی وہ صاحب اس کا باپ ہے، کیونکہ باپ کی صفاتِ خاصہ اس میں موجود ہیں۔

دُعا

''دُعا'' اور ''دعوت'' دونوں کے معنی ہیں پکار، دُعا، بلانا، پکارنا، مانگنا، سوال کرنا۔

دَعَا یَدْعُوْا کا مصدر ہے، دُعا اور ندا ہم معنی ہیں۔ (لغات القرآن جلد ۳ ص ۱۱، ۱۲)

اَلدُّعَاءُ کے معنی نداء کے ہیں، بلانا، پکارنا، سوال کرنا یا مدد طلب کرنا۔

(''مفردات القرآن'' ص ۳۰۹)

دُعا و استعانت یعنی حاجت و مصیبت کے وقت بلانا، پکارنا اور مدد و اعانت طلب کرنا عبادت ہے۔ لہٰذا یہ خاص خدائے قادر و کریم کا حق ہے۔ لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ.

ایک داعی، حاجت اور تکلیف، دُکھ اور مصیبت کے وقت جب اپنے آپ کو دُکھ اور مصیبت کے ازالہ و مداوئی سے عاجز پا کر ربّ کریم کی بارگاہ میں اس ایمان و یقین کے ساتھ رجوع کرتا ہے کہ وہ ذات پاک اس کی دعا پکار کو سننے والی ہے، اس کے دُکھ درد، ضرورت و حاجت کو جانتی ہے اور اس کے ازالہ اور پورا کرنے پر قادر ہے تو یہ اپنے عجز و نقص، اپنی بے بسی و بے چارگی کا احساس و اِدراک اور ربّ کریم کی قدرت و اختیارِ کامل کا عرفان و ایقان بلاشک و شبہ نہ صرف عبادت بلکہ روحِ عبادت ہے، اعظم العبادات ہے۔ چنانچہ لسانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے عبادت بھی فرمایا گیا ہے اور مخ العبادت بھی!

۱۔ بروایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:

اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرأَ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی دعا عبادت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَقَالَ رَبُّکُمْ.....

اسے امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[1]

مستدرک حاکم کی روایت میں ان الدعا ھو العبادۃ کے الفاظ ہیں۔ (جلد اوّل ۴۹۱)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الدعوات۔

اَلدّعاءُ مُخُّ الْعِبَادۃ. دُعا عبادت کا مغز ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔[1]

۳۔ بروایت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

اَلدُّعَا سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُ الدِّيْنِ وَنُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ.[2]

دعا مومن کا ہتھیار ہے، دعا دین کا ستون ہے اور دعا آسمان و زمین کا نور ہے۔

سبحان اللہ! دُعا کی کیا شان ہے۔ یہ عبادت ہے، مغز و روحِ عبادت ہے، یہ مومن کا ہتھیار ہے۔ کوئی شک نہیں یہ مومن کا ہتھیار ہے، یہ دین کا ستون ہے۔ یہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اے کاش کہ ہم دعا کی عظمت سے پوری طرح آگاہ ہوتے۔

جب دعا مومن کا ہتھیار ہے تو ہر وقت مومن کو اس سے مسلح رہنا چاہئے تا کہ شیطان کے حملوں سے محفوظ رہے، اور کبھی ہلاک نہ ہو۔

۴۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

لَا تَعْجِزُوْا فِی الدُّعَاءِ فَاِنَّہٗ لَا یُھْلِکُ مَعَ الدُّعَا اَحَدٌ.

ھذا حدیث صحیح الاسناد.[3]

دعا میں کمی نہ کرنا بیشک دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوسکتا۔

دعا سے زیادہ بارگاہِ الٰہی میں کوئی چیز مکرم و معظم اور معزز نہیں۔

۱۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ. (ترمذی، ابن ماجہ)[4]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ معظم و پسندیدہ چیز کوئی نہیں۔

حاکمؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔[5]

۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ:

اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ ھُوَ الدُّعَا[6] بہترین عبادت دعا ہے۔

دعا صرف اللہ کا حق ہے

دعا کی بنیاد دو احساسات پر قائم ہے۔ ایک تو دعا مانگنے والا اپنے آپ کو دفعِ مضرت و رفعِ تکلیف سے یکسر

---

۱ "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الدعوات۔ ۲ "مستدرک حاکم" جلد اوّل ص ۴۹۲ کتاب الدعاء۔

۳ "مستدرک حاکم" جلد اوّل ص ۴۹۲۔ ۴ "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الدعوات۔

۵ "بلوغ المرام" از ابن حجر عسقلانی "باب الذکر والدعاء۔ ۶ "مستدرک حاکم" جلد اوّل ص ۴۹۱ کتاب الدعاء۔

عاجز و بے بس پاتا ہے۔ اسے یہ احساس و یقین ہوتا ہے کہ اسباب کے تحت اور اپنے ممکن وسائل و ذرائع کی حد تک میں اس تکلیف و مصیبت کو دُور کرنے یا کسی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے سے بالکل عاجز ہوں، لہٰذا وہ اس غرض کے لیے ایسی ہستی کو پکارتا ہے جس کے متعلق اس کا ایمان و یقین ہوتا ہے کہ وہ مافوق الاسباب اختیار و اقتدار کی مالک ہے، نیز وہ ہر جگہ ہر وقت ہر پکارنے والے کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے، اسے دیکھ رہی ہے، اس کی پکار سن رہی ہے، اس کی مشکل اور حاجت کو جانتی ہے، علیم و خبیر ہے، سمیع و بصیر ہے، اور پھر اس درجہ وسیع و لامحدود اختیار و اقتدار اور قدرت و ملکوت کی مالک ہے کہ جو بھی اور جہاں بھی اور جب بھی اسے پکارے، اس کی دعا قبول کرتی ہے، اس کی مدد کو پہنچتی ہے، اس کی مشکل حل کرتی ہے اور بگڑی بناتی ہے۔

ان دو احساسات و حقائق کے پیش نظر یہ بات واضح اور روشن ہو جاتی ہے اور دعا کی اس حقیقت کے علم و وضوح کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ دعا اللہ ہی کا حق ہے، اور اس قادر مطلق کے سوا کسی کو پکارنا صریح شرک ہے، کیونکہ جب تک کوئی کسی کو علمِ کل اور قدرت کاملہ و مطلقہ صفاتِ خداوندی کا مالک نہ مانتا ہو اور عالم الغیب، سمیع و بصیر، علی کل شیء قدیر نہ جانتا ہو، مشکل کشا اور حاجت روا یقین نہ کرتا ہو، وہ اسے پکارنے اور اس سے دعا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ سمیع و بصیر، علیمٌ بذات الصدور، عالم الغیب والشہادۃ، قادرِ مطلق اور مختارِ کُل صرف ایک ذات پاک ربّ العزت ہے۔ اس کے سوا کوئی عظیم سے عظیم ہستی بھی ان صفات کی مالک نہیں۔ حضرات اولیاء و انبیاء علیہم السلام تک سب بے بس و بے اختیار ہیں۔ سب اس بارگاہِ احدیت و صمدیت میں سائل ہیں۔ سب اسی اِلٰہ واحد کے محتاج ہیں۔ سب نے مشکلات و مصائب میں اسی کو پکارا ہے اور اسی ذات پاک نے سب کی دعا پکار سن کر مشکل کشائی و حاجت روائی کی ہے، لہٰذا دُعا صرف اس قادر کریم کا حق ہے۔

کتاب اللہ: قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ. (سورۃ فاتحہ)

ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

ایک مردِ مومن بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ ربّ العالمین! ہم عبادت صرف تیری ذات کی کرتے ہیں اور مدد واعانت کی طلب ودرخواست بھی آپ ہی کی ذات سے کرتے ہیں۔

پھر یہ فکر وتصور اور یہ علم وایمان ہمہ وقت مسلمان کے پیشِ نظر بلکہ وردِ زبان رہتا ہے، رات دن صبح وشام یہ جب بھی نماز پڑھتا ہے، ہر نماز کی ہر رکعت میں یہی پڑھتا ہے۔حتیٰ کہ وتر کی آخری رکعت میں دعاءِ قنوت پڑھتا ہے، اس کا پہلا جملہ یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ یعنی اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

تو مدد طلبی، دعا واستعانت یہ اللہ واحد کا حق ہے۔ جب دعا عبادت ہے، روحِ عبادت، افضل العبادت، تو پھر غیر اللہ کے لیے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ کی کیا کریم ذات ہے کہ سوال کرنے والے سے خوش اور نہ مانگنے والے سے ناراض ہوتا ہے!

اللہ ربّ العزت وہ ذات کریم ورحمٰن ورحیم ہے کہ جو اس کے در پر آئے، اس سے راضی اور خوش ہوتا ہے اور جو نہ آئے اس سے ناراض وناخوش ہوتا ہے۔ جو اس ذاتِ کریم کے سامنے دستِ سوال دراز کرے، اس کے فضل وکرم کا طالب ہو، اسے وہ محبوب رکھتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّسْئَلَ. (رواہ الترمذی)[1]

اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل وکرم طلب کرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا جائے۔

اور جو اس رحمٰن ورحیم ذات سے سوال نہ کرے، اس پر غضب ناک ہوتے ہیں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ. (رواہ الترمذی)[2]

جو اللہ سے سوال نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتے ہیں۔

''مستدرک حاکم'' کی روایت میں من لا یدعوا اللّٰہ یغضب علیہ کے الفاظ ہیں۔(جلد اوّل ص)

وہ ایسی ذاتِ کریم ہے کہ جو اس کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرے، اسے وہ خالی نہیں پھیرتا۔

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الدعوات۔ [2] ایضاً۔

۳۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ رَبَّكُمْ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِ من عبده إِذَا رَفَعَ يديه أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والبیہقی)[1]

بیشک تمہارا ربّ بہت زیادہ صاحب حیا اور بہت زیادہ صاحب کرم ہے۔ وہ اپنے بندے سے حیا کرتا ہے جبکہ بندہ (دعا کے لیے) ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ انہیں خالی پھیرے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور بیہقی نے "دعوات کبیر" میں روایت کیا ہے "مستدرک حاکم" میں بھی یہ روایت ہے۔ جلد اوّل (کتاب الدعاء)

اس ذاتِ کریم کو چھوڑ کر بندہ اور کس کے آگے سوال کرے جو اپنے عاجز و محتاج بندے کی ہر دعا قبول کرتا ہے، اور کبھی اپنے مضطر بندے کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

وہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔

(بقرہ، رکوع ۲۳)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں، پس بے شک میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب کہ وہ مجھے پکارتا ہے۔

جب کہیں اور جہاں کہیں عاجز بندے نے اپنے اللہ کریم کو پکارا، فوراً اللہ کریم اپنے بندے کی مدد کو آیا، اس کی دعا و درخواست پوری فرمائی۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ بندہ اپنی ہر دعا و درخواست اسی ذاتِ کریم سے کرے اور جو بھی ضرورت اور حاجت ہو وہ اپنے مولا کریم سے طلب کرے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کا سوال کرے تو اپنے اللہ کریم سے کرے۔

چنانچہ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کہ:

لِيَسْأَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ إِذَا انْقَطَعَ۔

(رواہ الترمذی)[2]

تم کو چاہیے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ جب چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اپنے ربّ سے مانگو۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الدعوات۔ [2] ایضاً۔

مگر آہ! آج لوگ اور پھر مسلمان کہلانے والے اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں، پھر طرفہ تماشا یہ کہ صرف جاہل نہیں بلکہ عالم کہلانے والے بھی، پھر کمال یہ ہے کہ اپنے اس شرک وکفر پر احادیث وروایات بھی پیش کرتے ہیں۔

حضرت خاتم المفسرین رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:

آج لوگ اللہ تعالیٰ کو قسمیں (واسطہ وسیلہ) دینے میں حد سے بڑھ گئے ہیں اور اللہ عز شانہٗ کو ہر ایرے غیرے کا واسطہ دیتے ہیں۔

وَاعظمُ مِنْ ذٰلک انهم يطلبون من اصحاب القبور نحوا شفاء المريض واغناء الفقير وردّ الضالة وتيسير كلّ عسير وتوحي اليهم شياطينهم خبر: "اذا اعيتكم الامُور فَعليكم بِاَهْلِ الْقبُوْرِ" وَهُوَ حديث مفترى علٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم باجماعِ العارفين بحديثه لم يروه احد من العلماء ولا يوجد فى شىءٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيْثِ الْمُعْتمدة وَقَدْ نهى النبىُّ صَلى الله عليه وسلم عن اتّخاذ القُبور مَسَاجِدَ ولَعَنَ عَلٰى ذٰلِكَ، فَكَيْفَ يتصَوَّرُ مِنْهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوة وَالسَّلَامُ بِالْإِسْتِغَاثَةِ وَالطَّلبِ مِنْ اَصْحَابِهَا؟ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔[1]

اس سے بھی زیادہ بُری بات یہ ہے کہ قبر والوں سے شفا، فراخ دستی، گمشدہ چیز کی واپسی اور ہر مشکل کی آسانی کا سوال کرتے ہیں، اور ان کے شیاطین نے ان پر ایک روایت القا کر رکھی ہے کہ "جب تم امور میں تھک ہار کر بیٹھ جاؤ تو اہل قبور سے مدد طلب کرو" یہ روایت علماء حدیث کے اجماع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ اسے کسی ایک عالم نے بھی روایت نہیں کیا نہ حدیث کی معتبر کتب میں اس کا سراغ ملتا ہے۔ اور بیشک نبی کریم ﷺ نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے، اور اس فعل پر لعنت فرمائی ہے تو آپ سے یہ کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ قبر والوں سے مدد کے لیے دعا وفریاد کا حکم فرمائیں۔ تو اس سے پاک ہے، یہ بہتانِ عظیم ہے۔

---

[1] "روح المعانی" تفسیر آیۃ الوسیلہ۔

قولِ مجاوراں!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ "اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا بِاَهْلِ الْقُبُوْرِ" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ایں حدیث از قول مجاوران است برائے اخذ نذر و نیاز بر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افتراء کردہ اند[1]

یعنی یہ مجاوروں نے نذر و نیاز بٹورنے کے لیے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا ہے۔(لعنہم اللہ)

مدد کن یا معین الدین چشتی!

بعض جہال و فساق مصیبت کے وقت زندہ یا وفات یافتہ بزرگانِ دین کو مشکل کشائی کے لیے پکارتے ہیں، مثلاً: یا بہاؤالحق بیڑا دھک

یا.......... بگردابِ بلا افتاد کشتی، مدد کن یا معین الدین چشتی

یا.......... امداد کن امداد کن، از بندِ غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن، یا شیخ عبدالقادرا!

اور اسے وہ از قبیل وسیلہ سمجھتے ہیں، حالانکہ وسیلہ تو یہ ہے کہ دعا خالص اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور کسی بزرگ کا واسطہ پیش کیا جائے، یہ بھی سنت کے خلاف ہے، اور یہ دُکھ درد مصیبت اور تکلیف کے وقت غیر اللہ کو پکارنا یہ تو عین شرک ہے یہ وسیلہ کہاں؟ اس کے متعلق علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اِنَّ النَّاسَ قَدْ اَكْثَرُوْا من دعاء غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْاَوْلِيَاءِ الاحياء منهم وَالْاَمْوَاتِ وغيرهم مثل "يا سيدى فلان اَغِثْنِىْ" وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِنَ التَّوَسُّلِ الْمُبَاحِ فِىْ شَىْءٍ وَاللَّائِقُ بِحَالِ الْمُؤْمِنِ عدم التفوه بذٰلِكَ وَقَدْ عَدَّهٗ اُنَاسٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ شِرْكًا وَّان لم يكن فَهُوَ قَرِيْبٌ مِنْهُ.[3]

اللہ تعالیٰ کے سوا زندہ اور وفات یافتہ اولیاء سے دعا کرنے میں بہت زیادہ لوگ مبتلا ہیں۔ مثلاً: "یا فلاں میرے سردار میری مدد فرما" یہ مباح توسل میں سے نہیں ہے اور مومن کی شان کے شایان یہ ہے کہ اس پر التفات نہ کرے اور بہت سے علماء نے اسے شرک قرار دیا ہے۔ اور اگر شرک نہ[2] ہو تو شرک کے قریب (تو ضرور) ہے۔

---

[1] "البلاغ المبین" باب ۵ فصل ۳۔ [2] اگر یہ شرک نہیں تو پھر شرک اور کیا ہے؟ بالیقین شرک ہے۔

[3] "روح المعانی" ایضاً تفسیر آیت الوسیلہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

چنانچہ بعضے وظیفہ یا بہاء الدین مشکل کشا در نشست و برخاست اشتغال داشتہ خود را از محبانِ حضرت بہاء الدین علیہ الرحمۃ شمردہ اند وبعضے برائے کشائش رزق یا نظام الدین اولیاء زری زر بخش ورد نمودہ اند وگروہے اختراع کردہ اند کہ از برائے ہر مہم ورد یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لِلّٰہ کفایت مے کند، خبردار باید شد کہ ایں ہمہ افتراء وبہتان است مثل ایں معنیٰ اصلاز اہل طریقت مستقیمہ روایات نمے کنند واز مردم ثقہ مروی نشدہ است۔[1]

"یا بہاؤالدین مشکل کشا"، "یا نظام الدین اولیا زری زر بخش"، "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ"، وغیرہا نوعیت کے نعرے، وظیفے اور پکاریں حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب افتراء و بہتان ہیں، نہ شریعت میں ان کا کوئی ثبوت ہے اور نہ اہل طریقت سے یہ مروی و منقول ہیں۔

جہلا کہتے ہیں کہ ہم ان بزرگوں سے مانگتے ہیں، یہ اللہ سے مانگ کر ہم کو دیتے ہیں۔ ہم ان کو مستقل بااختیار دینے والا تو نہیں سمجھتے۔ دیتا تو اللہ ہے مگر یہ سبب ہیں۔ اس کے متعلق حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> وَاعْلَمْ اَنَّ طَلَبَ الْحَوَائِجِ مِنَ الْمَوْتٰی عَالِمًا بِاَنَّہٗ سَبَبٌ لِاِنْجَاحِھَا کُفْرٌ.... النَّاسُ الْیَوْمَ فِیْھَا مُنْھَمِکُوْنَ.[2]
>
> جاننا چاہئے کہ مُردوں سے یہ جانتے ہوئے حاجتیں طلب کرنا کہ وہ حاجتیں پوری ہونے کا محض سبب ہیں، کفر ہے، مگر اس زمانہ میں لوگ اس میں مشغول ہیں۔

وفات یافتہ بزرگوں سے حاجتیں، مرادیں مانگنا، خواہ انہیں سبب جان کر ہی مانگی جائیں کفر ہے۔ اور جب حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے عہد میں لوگ اس میں مشغول و منہمک تھے تو آج قریباً اڑھائی سو سال بعد کیا حال ہوگا؟

فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

اَلْاِسْتِعَاذَۃُ بِالْمَخْلُوْقِ لَا تُغْنِیْ مِنْ شَیْءٍ.[3]

---

[1] "البلاغ المبین" حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عجیب تصنیف ہے۔ باب ۲ فصل ۴ (شرکیہ وظائف)۔

[2] "الخیر الکثیر" ص ۱۰۵۔ [3] "بستان العارفین" باب ۲۴۔

مخلوق سے پناہ طلب کرنا تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، کسی مصیبت سے نہیں بچا سکتا

فقہاء اُمت و عمائدِ شریعت کے بعد اب ذرا اکابر اولیاء، مشائخ طریقت کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت ابو یزید[1] بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

اِسْتِغَاثَةُ الْمَخْلُوْقِ بِالْمَخْلُوْقِ كَاسْتِغَاثَةِ الْمَسْجُوْنِ بِالْمَسْجُوْنِ.

مخلوق کا مخلوق سے (مافوق الاسباب) مدد طلب کرنا ایسا ہے جیسے قیدی کا قیدی سے مدد طلب کرنا (حالانکہ ایک قیدی بے چارہ کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے!)

اور حضرت سجاد (امام زین العابدین علیؓ بن حسینؓ (متوفی ۹۴ھ) رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

سفهٌ فِي رائِيهٖ وضَلَّةٌ فِيْ عَقْلِهٖ[2]

محتاج کا محتاج سے طلب کرنا بے وقوفی و جہالت اور عقل کی خرابی و گمراہی ہے۔

سیّد المشائخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) فرماتے ہیں:

وَحَقِيْقَةُ الْفَقْرِ اَنْ لَا تَفْتَقِرَ اِلٰى مَنْ هُوَ مثلك.[3]

فقر کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنی جیسی (محتاج) ہستی کا محتاج نہ ہو۔

علامہ محمد بشیر السہسوانی نے "استغاثة المخلوق بالمخلوق كاستغاثة المسجون بالمسجون" شیخ ابو عبد اللہ القرشی کا قول نقل کیا ہے اور ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے:

اِسْتِغَاثَةُ الْمَخْلُوْقِ بِالْمَخْلُوْقِ كَاسْتِغَاثَةِ الْغَرِيْقِ بِالْغَرِيْقِ.[4]

مخلوق کا مخلوق سے مدد طلب کرنا ایسا ہے جیسے ڈوب مرنے والے کا ڈوب مرنے والے سے مدد طلب کرنا۔

خلاصہ: کتاب و سنت کے بعد اکابر اُمت فقہاء اسلام و اولیاء عظام رحمہم اللہ کے اقوال و ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ دعا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، ذات پاک ربّ العزت کے سوا کسی غیر اللہ سے مافوق الاسباب طور پر دعا و استعانت اور استغاثہ و استعاذہ ضلالت و حماقت ہے اور کفر و شرک۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمائے۔ آمین

---

[1] حضرت بایزید بسطامیؒ اکابر و اعاظم مشائخ اُمت سے ہیں۔ حضرت مخدوم علی ہجویری رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۵ھ) نے "کشف المحجوب" میں آپکو صوفیہ کے ایک سلسلۂ حق طیفوریہ کا بانی لکھا ہے۔ اصل میں نام آپکا طیفور ہے۔ (متوفی ۲۶۱ھ)

[2] "روح المعانی" تفسیر آیت الوسیلہ۔ [3] "فتوح الغیب" مقالہ ۷۵۔ [4] "صیانۃ الانسان" ص ۱۵۲۔

وسیلہ

وسیلہ" کے معنی ہیں ذریعۂ تقرب۔(المنجد)

"لغات القرآن" میں ہے: خطیب اور رازی (رحمہما اللہ) کے نزدیک "وسیلہ" کا معنی ہے: قرب کا ذریعہ، قریب کر دینے والا۔[1]

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الوسیلہ" کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے: "وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ." "اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرو۔"

درحقیقت "توسل الی اللہ" علم و عبادت اور مکارمِ شریعت کی بجا آوری سے طریقِ الٰہی کی محافظت کرنے کا نام ہے۔ اور یہ معنی تقرب الی اللہ کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے کو "واسل" کہا جاتا ہے۔[2]

جمیع حضرات مفسرین نے آیتِ کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ میں وسیلہ سے طاعت وعبادت مراد لی ہے۔

مثلاً خاتمۃ المفسرین عمدۃ المحققین علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

(الوسیلة) هی فعیله بمعنی ما یتوسّل به ویتقرب الی اللّٰه عز وجل من فعلِ الطاعاتِ وترک المعاصی.[3]

یعنی وسیلہ فعیلہ کے وزن پر ہے، اس کے معنی ہیں طاعات (فرمانبرداری) کرکے اور گناہوں (نافرمانی) کو چھوڑ کر اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنا۔

ا۔ توسل بالاعمال والطاعات:

قرآن و حدیث میں طاعات و عبادات، اعمالِ صالحہ اور ترکِ معاصی ہی کو قربِ الٰہی کا ذریعہ و وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] "لغات القرآن" جلد ششم، لفظ "الوسیلہ"۔ [2] "مفردات القرآن" لفظ "الوسیلہ"۔

[3] "روح المعانی" مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۱۲۴ تفسیر آیت الوسیلہ۔

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا. (پارہ ۲۲۔سورۃ سباء، رکوع ۵)

اور تمہارے اموال و اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دیں، مگر جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرے (یہ ایمان و عمل صالح ذریعۂ قرب ہیں)

تو ایمان اور عمل صالح ہی اصل اور صحیح وسیلہ ہیں، جن کے ذریعہ انسان اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں غار کے اندر تین اشخاص کے محبوس و مقید ہو جانے کا ذکر ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اللہ کی رضا کے لیے اپنا عمل صالح پیش کر کے بارگاہِ خداوندی میں نجات کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش کی وجہ سے غار کے منہ پر گری ہوئی چٹان کو ہٹا دیا اور ان کو مصیبت سے نجات بخشی۔[1]

یہ وسیلہ بالاعمال والطاعات ہے۔ اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

۲۔ توسل باسماء الحسنٰی:

دوسرا وسیلہ باسماء الحسنٰی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (پارہ ۹۔اعراف، ع ۲۳)

اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں پس اس کو انہی ناموں کے ساتھ پکارا کرو۔

۲. قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى.

(پارہ ۱۵۔بنی اسرائیل، ع ۱۲)

اے پیغمبر! کہہ دیجئے تم (خدا کو) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، یہ سب اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔

اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ:

اللہ رب العزت کی ذات اور ہستی میں کسی صاحب عقل و ہوش کو شک و شبہ نہیں۔ اگر ہم خود ہیں، اس کی مخلوق ہے تو پھر خالق ہے اور ضرور ہے۔ مگر وہ ہستی کیسی ہے؟ اس کی ذات کی کنہ و حقیقت کیا ہے؟ اس کو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ عقلِ انسانی اس کے ادراک سے عاجز و درماندہ ہے۔

شیخ اکبر نے ذات پاک رب العزت کے متعلق کیا خوب لکھا ہے:

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب البر والصلۃ.

ایسی با کمال ذات موجود ہے جو ہمارے احاطۂ علم و مشاہدہ سے وراء الوراء ہے۔
بس ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اسے جان نہیں سکتے۔[1]

عرفانِ ذات کا واحد ذریعہ صفاتِ الٰہی ہیں:

عرفان و وجدان کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا خود ذات یا اس کی صفات۔ چونکہ یہاں مشاہدۂ ذات کا کوئی امکان نہیں، کوئی اور اس ذات پاک کا کیا نظارہ کرے گا جب انہوں نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ یعنی ''اے میرے پروردگار مجھے اپنا دیدار دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں'' کے جواب میں صاف فرمادیا ''لَنۡ تَرٰىنِیۡ''[2] یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، تو اب ذات پاک باری تعالیٰ کے تعارف و عرفان کی صرف دوسری صورت باقی رہ جاتی ہے یعنی صفاتِ باری تعالیٰ، چنانچہ قرآن کریم میں جگہ جگہ بار بار اسماء و صفاتِ الٰہی کا ذکر و بیان ہے، تا کہ طالبِ حق اس راستے اور واسطے سے معرفتِ الٰہی کا گوہرِ مقصود حاصل کر سکے، ورنہ اس ذات پاک کا نہ تو ادراک کیا جا سکتا ہے نہ اسے کسی چیز پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱. لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ۝

(انعام، ع ۱۳)

اس کو نظریں نہیں پا سکتیں، اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔

۲. لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ. (۲۵۔ شوریٰ، ع ۲)

کوئی چیز بھی اس کی مانند نہیں (مگر) وہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

سنتِ رسول ﷺ:

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول اللہ سے بھی اسماء و صفاتِ الٰہی کے ساتھ دعا و استعانت کی تعلیم ثابت ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں جو ہر دن علی الصبح اور ہر رات سرِ شام تین بار کہے:

بِاسۡمِ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَا يَضُرُّ مَعَ اسۡمِهٖ شَىۡءٌ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَهُوَ

---

[1] ''ترجمان السنۃ'' جلد اوّل حاشیہ حدیث نمبر ۱۳۔ [2] پارہ ۹۔ اعراف، رکوع ۱۷۔

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

اللہ کے نام کے ساتھ (مدد و تحفظ طلب کرتا ہوں) جس کے نام (کی برکت) سے زمین و آسمان کی کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ خدا خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

اور پھر اسے کوئی چیز تکلیف دے۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص شام کو یہ کلمات کہے، صبح تک اس پر کوئی مصیبت اچانک نہیں پڑے گی اور جو کوئی صبح کو ان کلمات کو کہے تو شام تک اسے کوئی ابتلا اچانک (حادثہ) پیش نہیں آئے گا۔[1]

۲۔ صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ اور صحیح مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے لگتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر فرماتے:

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰی.

اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا (سوتا) ہوں اور زندہ ہوتا ہوں (یعنی جاگتا ہوں)۔

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ.[2]

تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا (یعنی نیند کے بعد بیدار کیا) اور (قیامت میں) زندہ ہو کر اسی کی طرف رجوع ہونا ہے۔

اسم الٰہی سے استعانت جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سنت مبارکہ ہے اور آپ نے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم ارشاد فرمایا ہے وہاں اسماء الٰہی کے ساتھ دعا و سوال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و تصویب سے بھی ثابت ہے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، پھر اس نے کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ يَا حَیُّ يَا قَيُّوْمُ اَسْئَلُکَ.

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب مایقول عند الصباح والمساء والمنام۔ [2] ایضاً۔

ایسی باکمال ذات موجود ہے جو ہمارے احاطۂ علم و مشاہدہ سے وراء الوراء ہے۔
بس ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ اسے جان نہیں سکتے۔[1]

عرفانِ ذات کا واحد ذریعہ صفاتِ الٰہی ہیں:

عرفان و وجدان کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں، یا خود ذات یا اس کی صفات۔ چونکہ یہاں مشاہدۂ ذات کا کوئی امکان نہیں، کوئی اور اس ذات پاک کا کیا نظارہ کرے گا جب انہوں نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ یعنی ''اے میرے پروردگار مجھے اپنا دیدار دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں'' کے جواب میں صاف فرمادیا ''لَنْ تَرٰانِیْ''[2] یعنی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، تو اب ذات پاک باری تعالیٰ کے تعارف و عرفان کی صرف دوسری صورت باقی رہ جاتی ہے یعنی صفات باری تعالیٰ، چنانچہ قرآن کریم میں جگہ جگہ بار بار اسماء و صفات الٰہی کا ذکر و بیان ہے، تا کہ طالب حق اس راستے اور واسطے سے معرفتِ الٰہی کا گوہرِ مقصود حاصل کر سکے، ورنہ اس ذات پاک کا نہ تو ادراک کیا جا سکتا ہے نہ اسے کسی چیز پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱. لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ○
(انعام، ع ۱۳)

(اس) کو نظریں نہیں پا سکتیں، اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔

۲. لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ. (۲۵۔ شوریٰ، ع ۲)
کوئی چیز بھی اس کی مانند نہیں (مگر) وہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

سنتِ رسول ﷺ:

کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول اللہ سے بھی اسماء و صفات الٰہی کے ساتھ دعا و استعانت کی تعلیم ثابت ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں جو ہر دن علی الصبح اور ہر رات سرِ شام تین بار کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ

[1] ''ترجمان السنۃ'' جلد اوّل حاشیہ حدیث نمبر ۱۳۔ [2] پارہ ۹۔ اعراف، رکوع ۱۷۔

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

اللہ کے نام کے ساتھ (مدد و تحفظ طلب کرتا ہوں) جس کے نام (کی برکت) سے زمین و آسمان کی کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ خدا خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

اور پھر اسے کوئی چیز تکلیف دے۔ اسے ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص شام کو یہ کلمات کہے، صبح تک اس پر کوئی مصیبت اچانک نہیں پڑے گی اور جو کوئی صبح کو ان کلمات کو کہے تو شام تک اسے کوئی ابتلا اچانک (حادثہ) پیش نہیں آئے گا۔[1]

۲۔ صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ اور صحیح مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سونے لگتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر فرماتے:

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی.

اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ مرتا (سوتا) ہوں اور زندہ ہوتا ہوں (یعنی جاگتا ہوں)۔

اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ.[2]

تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا (یعنی نیند کے بعد بیدار کیا) اور (قیامت میں) زندہ ہو کر اسی کی طرف رجوع ہونا ہے۔

اسم الٰہی سے استعانت جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سنت مبارکہ ہے اور آپ نے جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم ارشاد فرمایا ہے، وہاں اسماء الٰہی کے ساتھ دعا و سوال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر و تصویب سے بھی ثابت ہے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، پھر اس نے کہا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْئَلُکَ.

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب ما یقول عند الصباح والمساء والمنام۔ [2] ایضاً۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تمام تعریف تیرے لیے ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو مہربان و رحیم بے حد محسن، آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اے عظمت و بزرگی اور احسان و بخشش والے، اے زندہ اے ہمیشہ قائم رہنے والے، میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی جب اسے اس کے عظیم نام کے ساتھ پکارا جائے تو وہ جواب دیتا ہے اور جب اس سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا فرماتا ہے۔

اسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[1]

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔ (جلد اول ص ۵۰۴ کتاب الدعاء)

۲. عن بریدۃؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اَنِّیْ اَشْھَدُ اِنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ. فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَاَلَ اللّٰہَ بِاسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِہٖ اَجَابَ اخرجہ الاربعۃ وصححہ ابْنُ حبان.[2]

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، یکتا ہے، بے نیاز ہے، جو نہ کسی کا باپ ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اس نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس نام کے ساتھ اس سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے، اور جب اس نام کے ساتھ پکارا جاتا ہے تو ضرور جواب دیتا ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب اسماء اللہ تعالیٰ۔

[2] "بلوغ المرام" باب الذکر والدعاء، "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب اسماء اللہ تعالیٰ۔ فصل ثانی میں یہ روایت ترمذی اور ابوداؤد سے اور فصل ثالث میں رزین سے منقول ہے۔

مستدرک حاکم میں حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے ساتھ اس مضمون کی چار احادیث ہیں۔[1]

۵۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) ذوالنون (یونس علیہ السلام) نے جب اپنے پروردگار کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا تھا تو ان کی پکار یوں تھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.

تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے، بیشک میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔

کوئی مسلمان کسی حاجت میں ان کلمات سے نہیں پکارتا مگر اللہ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے۔ (رواہ احمد والترمذی)[2]

مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔ (جلد اوّل ص ۵۰۵، کتاب الدعاء)

توسُّل بکلماتِ اللہ:

اسماءِ الٰہی کے بعد کلمات اللہ کے ساتھ دعا بھی مسنون ہے۔

۶۔ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

جو کہیں اُترے (یا ٹھہرے) اور کہے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

میں اللہ کے پورے کلمات کے ساتھ ہر مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

تو اسے کوئی چیز نقصان اور (تکلیف) نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ اس مقام سے روانہ ہو جائے۔ صحیح مسلم[3]، موطا مالکؒ میں بھی یہ روایت ہے۔

۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: رات مجھے بچھو نے ڈس لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تو شام کو کہہ لیتا: اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. تو تجھے وہ تکلیف نہ پہنچاتا۔ (صحیح مسلم)[4]

---

[1] "مستدرک حاکم" جلد اوّل ص ۵۰۲، کتاب الدعاء۔ [2] "ترجمان السنۃ" جلد اوّل ص ۳۸۲، "مشکوٰۃ المصابیح" باب الدعوات فی الاوقات۔ [3] ایضاً۔

توسل بذاتہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُسْئَالُ لِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ. رواہ ابوداؤد ("ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۶۵۰)

اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل صرف جنت کی دعا کی جائے۔ (ابوداؤد)

۹۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ("بخاری" کتاب التوحید)

اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ میں تیرے روئے (اقدس) کے واسطے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

تو یہ خود ذات پاک باری تعالیٰ کا وسیلہ و واسطہ دعاؤں میں محمود و مستحسن و مسنون ہے۔

شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ العزیز کا قول ہے کہ:

الٰهی وسیله بتو هم توئی، اگر کسے ترا بطلب یافت من خود طلب از تو یافتم،

اے اللہ! تیری طرف وسیلہ بھی خود تیری ذات ہے، اگر کسی نے تجھے طلب (جستجو) سے پایا ہے تو میں نے خود طلب (کی توفیق) بھی تجھ سے پائی ہے۔

(تفسیر حسینی تفسیر آیت وسیلہ از حسین بن علی واعظ کاشفی۔ مرتبہ ۸۹۷ھ)

۵۔ توسل بصفاتہ: اللہ ربّ العزت کی صفات علم غیب و قدرت کے واسطہ سے دعاء مسنون ہے۔ حضرت دعا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةُ خَيْرٌ لِّيْ.

نسائی ("مشکوۃ" باب جامع الدعاء)

خداوندا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، بحق اپنے علم غیب اور بحق اپنی قدرت علی الخلق، مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میری زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے وفات دے جبکہ تیرے علم میں میری وفات میرے لیے بہتر ہو۔

۶۔ عزت وقدرتِ الٰہی کا واسطہ:

۱۱۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے ایسا درد تھا کہ میری ہلاکت کا باعث ہوتا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو:

اَعُوْذُ بِعِزَّتِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ۔ (مؤطا امام مالکؒ باب التعوذ)

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور قدرت کے ساتھ اس درد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں

پڑھ کر سات دفعہ اپنا دایاں ہاتھ اس درد والی جگہ پر پھیرو۔" میں نے یہی کہا تو اللہ تعالیٰ نے میرا درد دُور کر دیا۔ پھر میں ہمیشہ اپنے گھر والوں کو اس کا حکم دیا کرتا تھا۔

وسیلہ بالذوات:

کتاب اللہ اور مسنون و ماثورہ دعاؤں میں براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ پھر حضرات صحابہ کرامؓ حتیٰ کہ اہل بیتِ رسولؐ حضرات اُمہات المومنین اور خاندانِ رسولؐ، آلِ نبی رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی کسی دعا میں خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تک کو بطور وسیلہ نہیں پیش کیا۔ اسی طرح سلف صالحین اور ائمہ دین کے عمل اور قول سے حضرات اولیاء وصلحاء کی ذات کے ساتھ توسل کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خاتم المفسرین سیّد محمود آلوسی رحمہ اللہ کیا خوب لکھتے ہیں:

وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ الْاَدعیۃ الماثورۃ عن اھل البیت الطاھرین وغیرھم من الائمۃ لیس فیھا التوسل بالذاتِ المکرمۃ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولعلّ النص علی خلافہٖ ففی صحیح البخاری عن انسؓ اَنَّ عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کَانَ اِذَا قحطُوْا اِسْتَسْقٰی بالعباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فقال اللّٰھم انا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا فَیُسْقَوْنَ. فَاِنَّہٗ لَوْ کَانَ التوسُّل بہ علیہ الصّلوۃ والسلام بعد انتقالہ من ھٰذہ الدار لما عَدَلُوْا اِلٰی غَیْرِہٖ بل کانوا یَقُوْلُوْنَ: اَللّٰھُمَّ انا توسَّلُ الیکَ نبیّنا فَاسْقِنا وَحاشاھُمْ اَنْ یعْدِلُوْا عَنِ التوسّل بعمہ العباس وھم یَجِدُوْنَ اَدْنٰی مَسَاغٍ لذٰلکَ، فعدولھم ھٰذَا، مع انھم السابقون الاوّلون وَھُمْ اعلمُ مِنّا بِاللّٰہ تعالیٰ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبحقوق اللّٰہ تعالیٰ ورسولہٖ علیہ الصلوۃ والسلام وَمَا یشرع من الدّعاء وَما لا یشرع.

اِنَّ ھٰذَا التوسّل من جنس الْاِسْتِشْفَاعِ وَھُوَ اَنْ یَطْلُبَ من الشَّخصِ الدّعاء وَالشَّفَاعَۃ وَیَطْلُبُ مِنَ اللّٰہِ تعالیٰ اَنْ یَقْبَلَ دُعَاءَہٗ وَشَفَاعَتَہٗ وَیُؤَیِّدُ ذٰلِکَ اَنَّ الْعَبَّاسَ کَانَ یَدْعُوْا وَھُمْ یُؤْمِنون لِدُعائِہٖ حَتّٰی سُقُوْا۔[1]

---

[1] "روح المعانی" مطبوعہ مصر جلد ۶ تفسیر آیت دسیلہ۔

تجھے علم ہے کہ اہل بیت طاہرین وغیرہم ائمہ کی ماثورہ دعاؤں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مکرمہ سے کوئی توسل موجود نہیں بلکہ نص اس کے خلاف ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ، جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عباسؓ کے ذریعے بارش کی دعا مانگتے تھے، اور کہا، الٰہی! ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تھے، پس آپ بارش برساتے تھے اور اب ہم اپنے نبیؐ کے عم محترم (حضرت عباسؓ) کو تیرے سامنے وسیلہ بناتے ہیں، پس ہم پر بارش برسا! چنانچہ وہ سیراب کردیئے جاتے تھے۔ پس اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک سے اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد توسل جائز ہوتا تو صحابہ کرامؓ آپؐ کے سوا دوسرے کی طرف مائل نہ ہوتے، بلکہ یوں کہتے "الٰہی ہم آپ کے سامنے اپنے نبیؐ کو وسیلہ پیش کرتے ہیں، تو ہم پر مینہ برسا"، اور وہ اس بات سے پاک ہیں کہ سید الناسؐ کے وسیلے کو چھوڑ کر آپ کے چچا حضرت عباسؓ سے وسیلہ پکڑیں، اگر وہ اس کے لیے معمولی سا جواز بھی پالیتے۔ پس ان کا اس (توسل بالرسول) سے عدول (ایک بڑی بات ہے) خصوصاً جبکہ وہ سابقین اولین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو اور حقوق الٰہی کو حقوق رسول کو اور دعا میں کیا مشروع ہے اور کیا غیر مشروع ان سب باتوں کو ہم سے بہت ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔

یہ توسل شفاعت کی قسم ہے کہ کسی شخص سے دعا کرائی جائے اور خدا سے دعا کی جائے کہ اس (بزرگ) کی دعا وسفارش قبول فرمالے، اور یہ بات اس کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عباسؓ دعا کرتے تھے اور وہ سب آپ کی دعا پر آمین کہتے تھے یہاں تک کہ بارش سے سیراب کردیئے جاتے تھے۔

توسل دعا سے: تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی وفات کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل ان سے طلب دعا تھا، جس میں کسی کو اختلاف نہیں، آج بھی کسی زندہ وموجود بزرگ اور مقبول بارگاہِ الٰہی ہستی سے انسان اپنے لیے اللہ سے دعا کرائے یہ بالاتفاق جائز ہے۔ رہا وفات یافتہ یا غائب سے طلب دُعا یہ ناجائز اور بدعت ہے۔[1]

---

[1] "روح المعانی" مطبوعہ مصر جلد ۶ تفسیر آیت وسیلہ۔

فقہاءِ اسلام خصوصاً امام اعظم رحمہ اللہ کا مسلک و مذہب:

قَالَ ابو حنیفۃ وَصَاحِبَاہُ یکرہ اَنْ یقُوْلَ الرجلُ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ فُلَانٍ اَوْ بِحَقِّ انبیاءکَ اَوْ بِحَقِّ رُسُلِکَ وَالبیت الحرام والْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَنحو ذٰلِکَ اِذْ لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلَی اللّٰہِ حَقٌّ۔[1]

امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ نے فرمایا کہ کوئی شخص (خدا سے کہے کہ) میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بحقِ فلاں یا تیرے نبیوں کے حق سے یا تیرے رسولوں اور بیت اللہ اور مشعر الحرام کے حق سے (اسی قسم کے حق کا واسطہ دے کر بندہ اللہ سے دعا کرے) تو یہ مکروہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

''شرح المختار''، ''فتاویٰ ابن عبدالسلام''، ''درمختار''، جلد۲ ص ۲۴۸، ''کنزالرقائق'' ص ۳۷۳، ''زیلعی'' ''علی الکنز ص ۳۷۳''، ''بزازیہ بر عالمگیریہ''، سراجیہ ص ۶۷، ''شرح وقایہ'' جلد۴ ص ۵۹، ''ہدایہ'' جلد۴ ص ۴۷۳، ''عالمگیری'' ص ۱۷، وغیرہا معتبر کتب فقہ حنفی میں بھی یہی مضمون ہے۔ (''ندائے حق'' ص ۱۰۶، از مولانا سید محمد حسین صاحب نیلوی)

''صیانۃ الانسان'' ص ۱۸۲ پر ہے:

نَصَّ علی المنع منہ جمہور اہل العلم.

جمہور اہل علم نے اس کی ممانعت پر مصرح کلام کیا ہے۔

اور ص ۲۰۱ پر تو یہ دعویٰ موجود ہے کہ احناف کے جمیع متون میں یہی تحریر ہے:

وَذَکَرَ الْعَلَائی فِی شرح التنویر عن التتارخانیہ عن ابی حنیفۃ اَنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ ان یَدْعُوا اللّٰہَ اِلَّا بِہٖ وفی جمیع متونہم اَنَّ قول الداعی المتوسل بحق الانبیاء والاولیاء وبحق البیت والمشعر الحرام مکروۃ کراھتہ تحریم وَھِیَ کَالْحَرَامِ فِی الْعُقُوْبَۃِ بِالنَّارِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَّلُوْا ذٰلِکَ کُلُّھُمْ بِقَوْلِھِمْ لَا حَقَّ للمخلوق عَلَی الْخَالِقِ۔[2]

علائیؒ نے ''شرح التنویر'' میں تتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ کسی کو یہ مناسب نہیں کہ اللہ سے اللہ کے وسیلہ کے سوا دعا کرے، اور احناف کی متون کی جمیع

---

[1] ''شرح فقہ اکبر'' ص ۱۲۶، مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور۔ [2] ''صیانۃ الانسان'' ص ۲۰۱۔

کتابوں میں ہے کہ دعا کرنے والے وسیلہ پیش کرنے والے کا قول بحق الانبیاء یا بحق اولیاء یا بحق بیت اللہ وغیرہ سب مکروہ ہے اور کراہت تحریمی ہے جو کہ امام محمدؒ کے نزدیک حرام کی طرح عذابِ جہنم کی مستوجب ہے۔ اور سب نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔

بعض حضرات نے تو اس کی کراہت (تحریمی) پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔

و کرہ الدّعا بِحَقِّ فُلَانٍ اتفاقًا۔ ("معدن" حاشیہ کنز کتاب الکراہیۃ)

بجاہ النبیؐ و بحرمۃ النبیؐ: ائمہ دین کے نزدیک یہ بھی مشروع و مسنون نہیں ہے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

وَلم یعهد التوسّل بالجاهِ والحرمة عن احدٍ من الصّحابة رضی اللّٰه عنهم...... وَجَعَلَ مِن الاقسام الغیر المشروع قول القائل اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُکَ بجاہ فلان. فانه لم یرو عن احدٍ من السلف انّهٗ دعا کذٰلِکَ......

وَمَا یذکر بعض العامة من قوله صلی اللّٰه علیه وسلم، اِذا کانت لکم الی اللّٰه تعالی حاجة فَاسْئَلُوا اللّٰه تعالی بجاهی فانّ جاهی عند اللّٰه عظیم. لَمْ یروہ اَحَدٌ من اهل الْعلمِ وَلَا هُوَ شیء فی کتب الحدیث[1]

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و حرمت سے وسیلہ پکڑنا کسی ایک صحابیؓ سے بھی ثابت نہیں۔ وسیلے کی غیر مشروع قسموں میں ایک قسم قائل کا یہ قول بھی ہے کہ "الٰہی! میں تجھ سے بجاہِ فلاں دعا کرتا ہوں" بلاشک وشبہ سلف (صالحین) میں سے کسی ایک سے بھی ایسا منقول نہیں کہ انہوں نے اس طرح دعا کی ہو۔...... اور جو بعض عوام کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی حاجت ہو تو میرے جاہ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو کہ عند اللہ میرا بڑا رُتبہ ہے" اسے کسی اہل علم نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں اس کا نام ونشان ہے۔

خلاصہ: آج شرک کا دَور دَورہ ہے۔ لوگوں نے نام نہاد بے دین "پیروں" کو خدا بنا رکھا ہے۔ بے جان درختوں اور جانوروں، قبرستان کے جنڈی، جالوں اور گھوڑوں تک کی پوجا ہو رہی ہے۔ شرک کا گویا ایک طوفان وتلاطم ہے۔ بچوں تک کو اس طوفان نے اپنی

---

[1] "روح المعانی" ایضاً تفسیر آیت الوسیلۃ۔

لپیٹ میں لے لیا ہے۔ حتیٰ کہ سرکاری مدارس کی نصابی کتابوں میں "یا علی" کے نعرے موجود و منقول ہیں۔ ہر طرف ایک اندھیر مچا ہے۔ کوئی سدھ بدھ نہیں۔ درمیانی واسطوں، وسیلوں میں اُلجھ کر دنیا اللہ ربّ العزت کی ذات پاک سے بہت دُور چلی گئی ہے۔ بالکل بے گانہ ہو چکی ہے۔ اب تو خدا سے کٹی ہوئی دنیا کو ایک بار پھر خدا سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ دعا میں، پکار میں، وسیلے واسطے چھوڑ کر، خشوع خضوع کے ساتھ، اخلاص واحسان کے ساتھ خالصۃً اللہ تعالیٰ سے لَو لگانے کی ضرورت ہے۔ یہی کتاب وسنت کی تعلیم ہے اور یہی اللہ والوں کا عمل۔

درود شریف بہترین وسیلہ ہے:

پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے لیے رحمت کی دعا یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود وسلام سے بہتر وسیلہ اور کون سا ہو سکتا ہے جو اللہ ربّ العزت کی اطاعت وعبادت ہے۔ دعا میں پہلے حمد وثنا ہو، پھر حضرت کی ذات پر درود وسلام ہو، پھر دعا کی جائے اور آخر میں پھر درود پاک پڑھ لیا جائے تو سبحان اللہ، نورٌ علیٰ نور۔ یہ صورت کتاب وسنت اور تعاملِ اسلاف کے عین موافق ہے۔

۱۔ حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا، اس نے نماز پڑھی، نماز کے بعد دعا کی: اَللّٰهُمَّ اغفرلی وارحمنی. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے نماز پڑھنے والے تو نے جلدی کی۔ جب تو نماز پڑھے فارغ ہو کر بیٹھ جا۔

فَاحْمِدِ اللّٰه بِمَا هُوَ اَهْلُه وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُه.

اور خدا کی ایسی تعریف کر جو اس کی شان کے شایان ہے، پھر مجھ پر درود پڑھ، پھر اللہ سے دعا کر۔

پھر ایک اور شخص آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے نماز پڑھنے والے! اُدْعُ تُجَبْ. دعا مانگ، تیری دعا قبول کی جائے گی۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی ("مشکوٰۃ" باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تو قبولیتِ دعا کے لیے تو وسیلہ حمد وثنا اور درود ہی بہترین وسیلہ ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نماز پڑھی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) آپ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ گیا تو پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا، پھر اپنے لیے دعا مانگی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ.

مانگو دیئے جاؤ گے۔ سوال کرو، عطا کیے جاؤ گے۔ (ترمذی)[1]

۳۔ ایک اور روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے، فرمایا: اِنَّ الدُّعاء موقوف بین السمآءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ منها شیء حَتّٰی تُصَلّی علی نَبِیِّکَ. (رواہ الترمذی)[2]

یعنی جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھا جائے گا، دعا قبول نہیں ہوگی، زمین آسمان کے درمیان معلق رہے گی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود دُعا کی قبولیت کے لیے وسیلہ ہے۔ دُرود دُعا کے ساتھ ہوگا تو دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچے گی۔

۴۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا:

كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ.

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)[3]

ہر دعا رُکی رہتی ہے یہاں تک کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے (تو مقبول ہوتی ہے)

انسان پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر دعا مانگے، پھر آخر میں درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اوّل و آخر درود کو قبول فرمائیں گے، ان کے کرم سے یہ بعید ہے کہ درمیان میں دعا کو رد فرما دیں۔

خلاصہ: ذات وصفات و اسماء الٰہی کے ساتھ دعا میں توسل مسنون و مستحسن ہے۔ اعمال حسنہ واطاعات وعبادات کے ساتھ بھی وسیلہ پکڑنا ثابت ہے۔ اس کے سوا وسیلہ بالذوات یعنی کسی وفات یافتہ بزرگ کو وسیلہ پیش کرنا شریعت میں ثابت نہیں۔ فقہاء اسلام کے نزدیک بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں! دعا میں بہترین وسیلہ اللہ کی حمد وثنا کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ یہ مأمور، مسنون اور مستحسن ومیمون ہے۔

علامہ سہوانی رحمہ اللہ کیا خوب لکھتے ہیں:

وَعَلَّمَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التوسّل المشروع عَلٰی هَیْئَاتٍ متعددةٍ فلا ملجئ الی الوُقُوْعِ فی مضیق الشبهات.[4]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مشروع توسل کی کئی صورتوں سے تعلیم دی ہے لہٰذا (حرام و) مشتبہ صورتوں میں پڑ کر انسان کو پناہ نہیں مل سکتی۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] ایضاً۔ [3] "صیانۃ الانسان"۔ [4] ایضاً ص

(۸)

شرک

''شرک'' شِرْکَۃ اور اِشْرَاکٌ سے اسم ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

شِرْکَۃ اور مُشَارَکَۃ کے معنی دو مِلکوں کے مل جانے کے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کسی ایسی شے کا پایا جانا جو دو یا دو سے زائد کے لیے ہو خواہ وہ شے ''ذات'' ہو یا ''وصف''[1] تو شرک کے معنی ہیں: حصے داری، ساجھا۔

اشراک (شرک کرنا) کے معنی ہیں کسی کو کسی کا ساجھی اور حصے دار بنانا۔

شریک کے معنی ہیں: ساجھی، حصے دار، اور مشرک کے معنی ہیں: شریک بنانے والا، شرک کرنے والا۔

شرک باللہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ظلم عظیم ہے،
اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ. (لقمان ع ۲)

مشرک پر جنت حرام ہے، اس کا ابدی مقام جہنم ہے:

شرک ایسی بڑی لعنت ہے، اتنا بڑا ظلم ہے کہ مشرک جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا، یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ. (مائدہ، ع ۱۰)

بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا بالتحقیق اس پر اللہ نے بہشت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

---

[1] ''لغات القرآن'' جلد سوم ص ۲۶۴ معنی لفظ ''شارکہم''۔

مشرک کے اعمالِ صالحہ اکارت اور برباد جائیں گے

باغی مشرک کے اعمالِ صالحہ غارت و برباد جائیں گے، قیامت میں اس کی نیکیوں کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اللہ ربّ العزت نے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اٹھارہ حضرات انبیاء و رُسل علیہم السلام کے نام ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ.

اور ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (ہدایت دی) اور ہم نے ان کو پسند کیا، اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی، یہ ہے اللہ کی ہدایت، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (انعام ع ۱۰)

اور اگر یہ شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے تھے سب اکارت ہو جاتے۔

یہ حضرات انبیاءؑ و رُسلؑ، اللہ کے منتخب و مقبول بندے، ہدایت یافتہ بلکہ دنیا کے ہادی و رہنما...... بفرضِ محال...... اگر یہ حضرات بھی شرک کرتے تو ان کے اعمالِ صالحہ، خدماتِ دینی، فریضۂ نبوت کی ادائیگی کے سلسلہ میں جانگسل و روح فرسا مشکلات و مصائب، یہ تمام کارِ خیر، اعمالِ حسنہ برباد ہو جاتے۔ معاذ اللہ۔

کتنی بڑی لعنت ہے شرک! کہ فرض کرو، اگر اس کا ارتکاب کرتے تو اس کی شامت و نحوست سے معاذ اللہ حضرات انبیاءؑ و رُسلؑ تک کے اعمال کا بھی کوئی وزن نہ رہتا۔ اللہ اس ظلمِ عظیم و لعنت سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین

دوسری جگہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہیں:

۲. وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَo (زمر، ع ۷)

بلاشبہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے (انبیاء علیہم السلام) کی طرف وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے اور تو خسارہ میں رہے گا۔

تو جس طرح توحید کا حکم اجماعی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبیؐ کو اپنی ہی عبادت کا حکم دیا ہے، اسی طرح شرک کی نہی بھی اجماعی ہے۔ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام شرک کی نہی و ممانعت پر متفق ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اس حقیقت سے باخبر کر دیا ہے کہ آخرت میں مشرک کے اعمال ضائع جائیں گے۔ بفرضِ محال اگر کسی نبی سے بھی شرک کا ارتکاب ہو جائے تو اس کے عمل بھی برباد ہوئے اور اسے قیامت کے دن حرمان و خسران کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ معاذ اللہ

بہر حال شرک بہت بڑی لعنت ہے اور اس کا وبال عظیم ہے۔ اتنی بڑی لعنت کہ گو حضرات انبیاء و رُسلؑ معصوم ہیں، ان سے شرک ایسے ظلمِ عظیم تو کیا عام گناہ کا بھی ارتکاب و صدور ممکن نہیں، لیکن بالفرض ان حضرات میں سے بھی کوئی شرک کا مرتکب ہو جائے تو اس سے بھی کوئی رعایت نہیں ہوگی، اور بارگاہِ الٰہ میں ان کی کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہے گی، العیاذ باللہ

اب ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ شرک کو انسانی زندگی میں کیسے راہ ملی۔

شرک کے عوامل و محرکات

شرک کی بنیاد و اساس بھی توحید و معرفتِ ربانی پر قائم ہے

اللہ ربّ العزت کی معرفت، انسانی فطرت ہے۔ انسان نے اپنے جبلی تقاضوں سے مجبور ہو کر اللہ کو جانا اور مانا ہے، اور اپنے قلب کی گہرائیوں میں اپنے خالق و رازق اور مالک کی محبت کے جذبات کو ہمیشہ مضطرب پایا ہے۔

جب ناخلف انسان نے فطرت سے بغاوت کی اور اللہ ربّ العزت کی بجائے اپنے دل کی بستی میں غیر اللہ کو بسا لیا تو بھی فطرت کے تقاضے برابر اس کے دل میں موجود رہے۔ گو ان میں وہ گرمی، حرارت وہ جوش و خروش اور وہ اشتعال و اضطراب نہ رہا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے منکر و مشرک بندوں کو ان کے کفر و شرک کے باوجود نہیں بھلایا اسی طرح کافر و مشرک بندے بھی اپنے کفر و عصیان اور شرک و طغیان کے باوصف اپنے اللہ کو نہ بھلا سکے، اور اللہ کی معرفت و محبت کی چنگاری ان کے دل کی دنیا میں غیر اللہ کی طلب و عبادت کی

خاکستر کے اندر دبی رہی۔ گو وہ باغی و سرکش اور طاغی و مشرک بندگانِ خدا تعبدِ غیر اللہ میں مشغول ہو گئے تاہم اللہ کے تصور سے اپنے قلوب و اذہان کو بیگانہ نہ کر سکے۔ نہ صرف اللہ کا تصور ان کے دل میں برابر موجود و متمکن رہا بلکہ اصنام و طواغیت کی عبادت کا محرک بھی یہی تصور رہا اور توحیدِ باری تعالیٰ کے جذبات ہی سے غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد پڑی۔

ذیل کی قرآنی تصریحات سے یہ حقیقت واشگاف طور پر سامنے آ جائے گی کہ مشرک کے شرک میں بھی برابر معرفت و محبتِ ربانی کا جذبہ کارفرما رہا اور الٰہ واحد کی توحید و تعلق ہی سے تعدد و تعبدِ آلہہ کو راہ ملی۔

۱۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ. (پارہ ۱۱۔ یونس، رکوع ۲)

[اور] یہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکیں نہ [نف]ع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

تو غیر اللہ کی عبادت کا منشاء اور سبب، شفاعت عند اللہ کا زعم و خیال ہے کہ وہ معبود ہستی [چ]ونکہ اللہ تعالیٰ کی محبوب و مقبول شخصیت ہے، ہم اس کی پرستش محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کر کے ہماری نجات کا موجب ہوگی، یا دنیا میں ہماری حاجتیں پوری اور مشکلات حل کرا دے گی۔

امام المفسرین فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اَنَّهٗ مَتٰی مَاتَ منهم رجل كبير يَعْتَقِدُوْنَ فِيْهِ انه مجاب الدعوة ومقبول الشفاعة عند الله تعالى اتَّخذوا صَنَمًا عَلٰى صُوْرَتِهٖ يَعْبُدُوْنَه عَلٰى اعتقاد ان ذٰلك الْاِنسان يَكُوْنُ شَفِيْعًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَة عند اللّٰهِ تعالى على مَا اَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عنهم بهٰذه المقالة فى قوله هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔[1]

• جب ان میں سے کوئی عظیم شخص وفات پا جاتا جس کے متعلق ان کا اعتقاد ہوتا کہ عند اللہ وہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعۃ ہے تو اس کی شکل و صورت پر بت گھڑ لیتے اور اس خیال سے اس بت کی عبادت شروع کر دیتے کہ وہ عظیم بزرگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۱۲، ۱۱۳، تفسیر آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

اپنے قول هٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ میں ان کے اسی مقولہ کی خبر دی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

۲۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا۝ (پارہ۱۶۔مریم،رکوع۵)

اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تا کہ ان کے لیے وہ (عنداللہ) باعثِ عزت ہوں، ہرگز نہیں۔ (بلکہ) وہ تو ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور (اُلٹا) ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

تو غیر اللہ کو الٰہ و معبود بنانے کا باعث محض یہ زعمِ باطل ہے کہ وہ معبود چونکہ مقرب بارگاہِ الٰہی ہیں، ہم ان کی پوجا کریں گے تو وہ ہم سے خوش ہو کر عنداللہ ہماری عزت و نجات کا سبب بن جائیں گے۔

حالانکہ وہ معبودان عابدین کی عبادت ہی سے برأت و انکار کریں گے اور قیامت کے دن اُلٹا ان کے مقابل و مخالف ہو جائیں گے۔

تیسرا ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو:

۳۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط (پارہ۲۳۔رکوع اوّل زمر)

اور جن لوگوں نے خدا کے سوا اور شرکاء تجویز کر رکھے ہیں (کہتے ہیں) ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ:

الاولیاء عِبارَۃ عن کُلِّ معبود باطل کالملائکۃ وعیسٰی علیہ السلام والاصنام[1]

اولیاء سے مراد ہر باطل معبود ہے، جیسے فرشتے اور عیسیٰ علیہ السلام اور بت (وغیرہ)

تو ان ملائکۃ اللہ یا حضرات انبیاء و اولیاء اللہ یا ان کے بتوں، مقبروں، وغیرہ کی عبادت کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ کے مقبول و مقرب بندے ہمیں بھی خدا کے قریب کر دیں گے، ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔

---

[1] تفسیر "روح المعانی" ج۲۳ ص۲۳۵، تفسیر آیت وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔

۴۔ اُمم سابقہ کی بستیوں کی تباہی وہلاکت کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً.

(پارہ ۲۶۔ احقاف، رکوع آخر)

سو خدا کے سوا جن لوگوں کو انہوں نے خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنا معبود بنا رکھا تھا، انہوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی؟

خلاصہ: قرآن کریم کی ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف مشرکینِ مکہ بلکہ سابقہ مشرک اقوام و اُمم نے بھی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اوثان و اصنام، اولیاء و صلحاء جن جن کی بھی عبادت کی محض اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق اور فطری تقاضا کے تحت کی۔ ان غیر اللہ کی پرستش اور بندگی سے ان کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کے محبوب و مقبول بندے ہیں، ہم ان کی پوجا پاٹ کریں گے تو یہ خوش ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے، ہمیں درجہ و مرتبہ میں خدا کے قریب و نزدیک کر دیں گے، اور آخرت میں بھی بارگاہِ ربّ العزت میں ہماری عزت و سرخروئی اور نجات کا موجب ہوں گے۔

محض حصولِ قرب و تقربِ الٰہی کا جذبہ و داعیہ اور عند اللہ عزت و قبولیت اور بلندیٔ مرتبت کی طلب، تڑپ سے مغلوب و متاثر ہو کر مشرکین نے شرک کا ارتکاب کیا، اور غیر اللہ کی بندگی میں مبتلا ہوئے۔

معبودانِ باطل کا خدائے واحد سے تعلق

بندے نے اللہ سے اپنے فطری تعلق، اور جذبۂ توحید و معرفت ربانی کے تقاضوں ہی کی بناء پر اس باطل معبود کی پرستش شروع کر دی، جس کا اسے ذات پاک ربّ العزت سے کوئی ربط و تعلق یا رشتہ و علاقہ نظر آیا۔

ا۔ نسبی تعلق: چنانچہ مشرکین نے بعض معبودوں کی پرستش اس لیے کی کہ وہ اپنے زعمِ باطل میں خدا تعالیٰ سے ان کا صلبی تعلق سمجھتے تھے اور اپنی دانست میں انہیں خدا کے بیٹے یا بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

مثلاً مشرکینِ مکہ بتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے، اور وہ انہیں خدا سے ان کے صلبی تعلق کی بناء پر پوجتے تھے۔

شرک بالاصنام:[1] لغات القرآن میں ہے:

""مشرکین اپنے دیوتاؤں کے نام زیادہ تر مؤنث رکھتے تھے، چنانچہ لات، عزیٰ اور منات تینوں مؤنث ہیں۔ وہ ان کو العیاذ باللہ خدائے قدوس کی بیٹیاں سمجھ کر پوجتے تھے۔" (جلد چہارم ص ۲۹۴)

خود کتاب اللہ قرآن کریم میں ہے: (پارہ ۲۷۔ سورہ نجم، رکوع اوّل)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰىo وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰىo اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰىo

بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے منات کے حال میں کچھ غور کیا؟ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہوں اور خدا کے لیے بیٹیاں؟

تو مشرکینِ مکہ لات و منات اور عزیٰ کو "خدا کی بیٹیاں" ہونے کی بناء پر خدا کے ہاں مقرب و مقبول اور ان کی شفاعت کو عنداللہ منظور سمجھتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمِ کعبہ میں کفارِ قریش کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے ان کے سامنے پڑھا: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى. جب آپ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ

وَقَالُوْا قَدْ عَرَفْنَا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَيَخْلُقُ وَلٰكِنْ اٰلِهَتُنَا هٰذِهٖ تَشْفَعُ لَنَا عِنْدَهٗ[1]

کہنے لگے بالیقین ہم جانتے ہیں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے اور وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے، لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کرتے ہیں۔

ان بتوں کے نام ہی اسماءِ الٰہی سے مشتق ہیں:

۱۔ الامام الکبیر والعلامۃ الشہیر امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تفسیر المسمی "جامع البیان فی تفسیر القرآن" المعروف بہ "تفسیر ابن جریر" میں لکھتے ہیں:

اَللّٰات وهى من اللّٰهِ الحقت فيه التا فانثت كما قيل عمرو للذكر وللانثى

[1] "طبقات ابن سعد" جلد اوّل صفحہ ۲۰۵۔

عمرۃ او کما قیل للذکر عباس ثم قیل للانثی عباسۃ فکذلک سمی المشرکون اوثانھم باسماءِ اللّٰہ تعالی ذکرہ وتقدست اسماءہ فقالو من اللّٰہ اللّٰتُ من العزیز العُزّی وزعموا انھنّ بنات اللّٰہ۔[1]

"اللات" "اللہ" سے مشتق ہے۔ "اللہ" کے ساتھ "تا" ملا دی گئی تو اللہ کی مؤنث "اللات" بن گیا، جیسے "عمرو" کی مؤنث "عمرۃ" اور عباس کی عباسۃ، اسی طرح مشرکین نے اپنے بتوں کے نام اسماءِ الٰہی پر رکھے تھے، چنانچہ "اللہ" سے "اللّات" اور "العزیز" سے "العزیٰ" اور ان کا زعم (باطل) یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن جریرؒ کا یہی قول اپنی تفسیر میں نقل کر دیا ہے اور علامہ علاء الدین بغدادیؒ نے اپنی تفسیر "خازن" میں اور علامہ بغویؒ نے اپنی تفسیر "معالم التنزیل" میں یہی مضمون رقم فرمایا ہے۔

شرک بالملائکہ: ۲ اسی طرح بعض مشرکینِ مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔

۱. وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحَانَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ (پارہ۱۴۔نحل،ع۷)

اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (حالانکہ) وہ پاک ہے اور اپنے لیے جو چاہتے ہیں (یعنی بیٹے)۔

۲. اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۝

(پارہ۱۵۔بنی اسرائیل ع۴)

کیا تمہارے ربّ نے تم کو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور خود (اپنے لیے) فرشتوں کو بیٹیاں بنایا ہے۔

شرک بالجنات: ۳ مشرکین اللہ تعالیٰ سے جنوں کا بھی نسبی رشتہ قائم کرتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا۔ (۲۳۔ الصّٰفٰت)

اور انہوں نے خدا اور جنوں میں (بھی) رشتہ داری قائم کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ سے اسی نسبی تعلق کی بناء پر مشرکینِ مکہ جنوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر، تفسیر آیت اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ.....

وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَھُمْ۔ (پارہ ۷۔انعام،رکوع ۱۲)

اور لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آدمی جنوں کی پناہ پکڑتے تھے۔ کَانَ رِجَالٌ مِنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ (سورہ جن) غالباً عہد جاہلیت میں مشرکین جنوں کو غیب دان سمجھ کر ان سے غیب کی خبریں پوچھتے تھے اور انہیں نفع نقصان پر قادر سمجھ کر ان سے ڈرتے تھے، ان سے پناہ مانگتے، مدد طلب کرتے تھے اور ان کی رضا اور خوشی کے لیے نذر نیاز پیش کرتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ حالانکہ جن بھی انسانوں کی طرح اللہ کی ایک مخلوق ہے اور مخلوق کی پرستش و عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عبادت تو صرف خالق کا حق ہے۔

قرآن نے آ کر مشرکین کے ان تصورات و عقائد کو مٹایا، مگر آہ! آج اہل اسلام، نام نہاد مسلمان، جنات سے ڈرتے ہیں۔ اپنی جہالت سے انہیں اپنے بیماروں خصوصاً بیمار عورتوں کے ''سر پر چڑھاتے'' ہیں۔ پیشہ ور بدمعاش و بدقماش قسم کے لوگوں کو بلا کر اپنی معصوم و مظلوم بہو بیٹیوں کو ان کے آگے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ ان کو سر کے بالوں سے پکڑ کر ان کے ''جن نکالتے'' ہیں۔ ان جنات کو عالم الغیب سمجھ کر ان سے غیب کی خبریں پوچھی جاتی ہیں۔ پھر ان کو ''نکلنے'' اور چھوڑنے پر راضی کرنے کے لیے نذریں نیازیں پیش کی جاتی ہیں۔ مرغے بکرے وغیرہ کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ جہالت کی اس ساری مہم میں عورتوں کو بے عزت کیا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کھیل میں ان بیچاریوں کی عصمتیں لوٹ لی جاتی ہیں۔

پھر تعجب اور تحیر کا مقام ہے کہ ''جن'' نہ کبھی کسی ہندو عورت کو پکڑتے ہیں نہ سکھ عورت کو۔ نہ کسی یہودی کی بہو بیٹی کے سر پر یہ سوار ہوئے ہیں نہ نصرانی کی بہن اور بیوی پر۔ ان ''شریف جنوں'' کو جب سوار ہوتے دیکھا گیا ہے غریب مسلم بہو بیٹیوں کے سر پر دیکھا گیا ہے۔ ''یہ جن'' مشرک، کافر اور بے دینوں سے تو ڈرتے ہیں، مگر کلمہ گو مسلمانوں پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ دین کی مظلومی اور جہالت و حماقت کی حد ہوگئی۔

شرک بالانبیاء: یہود و نصاریٰ کی ضلالت کی بنیاد بھی یہی تھی اور وہ حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے صلبی تعلق کی بنا پر انہیں پوجتے تھے۔ قولہ تعالیٰ:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ط

(پارہ ۱۰۔ توبہ، ع ۵)

اور (بعض) یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔

سکنی تعلق: بعض مشرکین نے بعض معبودانِ باطل کی پرستش اس زعم پر کی ہے کہ ان میں خدا رہتا ہے، خدا ان کے اندر بستا ہے۔ مثلاً مشرکینِ ہند اپنے معبود بتوں کو خدا کا مسکن یا مظہر خیال کرتے تھے، انہیں خدا کا اوتار کہتے تھے، ان کا زعمِ باطل یہ تھا کہ اللہ ان دیوی دیوتاؤں میں حلول کر گیا ہے۔

عیسائیوں کے ایک گروہ کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا ہے یعنی ان میں داخل ہو گیا ہے۔ جس سے دونوں میں وحدت و اتحاد پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰؑ اب عین خدا ہیں۔ اللہ ربّ العزت نے اس فرقے کو کافر فرمایا۔ فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ. (۶۔ مائدہ، ع ۱۰)

فتنۂ حلول واتحاد: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ دعوت میں بھی بعض ضال و مضل بلکہ ملحد و بے دین فرقے ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف بعض مشرکینِ عرب و ہند کی طرح اپنے معبودانِ باطل کو ذات باری تعالیٰ کا مسکن و مظہر جانا، بلکہ بعض عیسائیوں کی طرح عقیدۂ حلول واتحاد کے بھی قائل ہوئے۔

بعض متصوفہ یعنی مدعیانِ تصوف کا مذہب[1] یہ ہے کہ انسان جب کثرتِ عبادت سے اللہ تعالیٰ کا حبیب و محبوب بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں حلول کر لیتے ہیں (معاذ اللہ)۔ اب اس شخص کا وجود جدا نہیں رہتا۔ اب خالق و مخلوق اور عابد و معبود میں کوئی تغایر اور فرق نہیں رہتا۔ اور بندہ اس مقام پر شریعت کی پابندی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ حلال و حرام اور جمیع شرعی احکام کا مکلف نہیں رہتا۔ اس سے اوامر و نواہی ساقط ہو جاتے ہیں۔ عابد و معبود، رب اور مربوب میں دوئی و غیریت مٹ جاتی ہے۔ اب دونوں ایک ہیں۔ جب مکمل وحدت ہے تو عبادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فتنۂ وحدت الوجود: عوام کو گمراہ و مرعوب کرنے کے لیے اس الحاد و ضلالت کو ایک مسئلہ کی شکل دے دی گئی ہے اور اسے مسئلہ ''وحدت الوجود''

---

[1] نام نہاد ''تصوف'' کے اس مردود سلسلۂ حلولیہ کا بانی ابو حلمان دمشقی ہے۔ (''تصوف اسلام'' ص ۵۳)

سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ عجمی خرافات ''تصوف'' کے نام سے ساتویں صدی ہجری میں اسلام کے اندر داخل ہوئیں اور شریعت کی حد تک تو بلا شک وشبہ اس قسم کی خرافات زندقہ والحاد ہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ وحدتِ وجود پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بَطَلَ قَوْلُ اَهْلِ الْاِلْحَادِ الْقَائِلِيْنَ بِوَحْدَةِ الْوُجُوْدِ. (تفسیر سورۂ فاتحہ)[1]

ان ملحدین کا قول باطل ہوا جو وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

مگر صرف شریعت میں یہ حلول و وحدت کا فلسفہ الحاد نہیں، صحیح تصوف میں بھی اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

شریعت سے کھلی بغاوت:

یہ اکابر اہل تصوف کے نزدیک بھی مردود ہے۔ ''وحدت الوجود'' کی تان جا کر ''اباحیت'' پر ٹوٹتی ہے۔ غایت محبت اور کثرتِ عبادت سے بندہ خدا کا محل وظرف ہی نہیں بلکہ ''محلول'' بن جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اس میں حلول کر لیتے ہیں۔ پھر اتحاد و وحدت کے بعد عبادت کا کیا سوال؟ عبادت تو عبد، معبود کی کرتا ہے۔ جب بندہ عین خدا بن گیا، عبد خود معبود بن گیا، تو اب بندہ مکلف بالشریعۃ نہیں رہتا۔ اب اوامر ونواہی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

درحقیقت یہ وحدت الوجود، حل وحلول اور اباحیت وبغاوت کے فلسفے انسان اسی وقت گھڑ سکتا ہے جب شریعت سے آزاد ہو جائے۔ شریعت کی حدود کے اندر رہ کر انسان اس قسم کی ملحدانہ خرافات کہاں بک سکتا ہے؟

اکابر وعمائدِ تصوف کی طرف سے ان فتنوں کا سدباب:

اہل شریعت حضرات علماء کرام نے جہاں الحاد کے قلع قمع اور اس خرافات کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی وہاں شکر ہے کہ اس فتنہ کے سر اٹھاتے ہی اکابر واعظم اصحابِ تصوف نے بھی اس کی سرکوبی کی۔

۱۔ امام غزالی[2] رحمہ اللہ اپنی کتاب ''التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ'' میں رقمطراز ہیں:

---

[1] ''التفسیر القیم لابن القیم'' امام ابن قیم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلمیذ اور ان کے جانشین ہیں۔ بڑے نامور امام ہیں۔ ۷۵۱ھ میں وفات پائی۔ [2] مشہور ومعروف امام ہیں، صاحب تصانیف کثیرہ، متوفی ۵۰۵ھ۔

وَمِنْ جِنس ذٰلک مَا یُدْعِیه بعض من یدعی التصوف انّهٗ بَلَغَ حَالَۃ بینه وبین اللّٰہِ تَعالٰی اسقطت عنه الصَّلٰوۃ وَحَلَّ لَهٗ شُرْبُ الْمُسکر وَالْمَعَاصِیْ فهٰذا مِمَّا لا اشکُّ فی وجوب قَتلِهٖ اِذْ ضَرره فِی الدِّیْنِ اَعْظَمْ[1]

ازیں قسم بعض مدعیانِ تصوف کا ادّعا (باطل) ہے کہ وہ عند اللہ ایسی حالت کو پہنچ گیا ہے کہ اس سے نماز ساقط ہوگئی اور اسے شراب نوشی وغیرہ گناہ حلال ہوگئے، یہ ایسی صورت ہے کہ میں اس کے قائل کے قتل کے وجوب میں کوئی شک نہیں کرتا جبکہ اس کا دینی نقصان عظیم ہے۔

۲۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ طریقت وتصوف کے مسلمہ امام ہی نہیں بلکہ ایک مستقل سلسلہ سہروردیہ کے بانی بھی ہیں۔ آپ قدیم اکابر صوفیہ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مرید خاص اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ، حضرت شیخ حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ وغیرہم کے مرشد ہیں۔ آپ کا زمانہ ۵۳۹ھ تا ۶۳۲ھ ہے۔ آپ ابن العربی کے ہمعصر ہیں۔ ان کے وقت میں یہ حلول واتحاد، وحدت الوجود اور اباحیت وغیرہ کا فتنہ شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ بانی سلسلہ سہروردیہ رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''عوارف المعارف'' میں اس فتنہ کو الحاد و زندقہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل فتنہ کا ایک گروہ ملامتیہ کہلاتا ہے۔ یہ اہل اباحت کی راہ چلتے ہیں اور ان کا زعم یہ ہوتا ہے کہ ان کے ضمائر خدا کی جانب خالص اور راجع ہوگئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی مقصود میں کامیابی ہے۔

والارتسام بمراسم الشریعة رتبة العوام.... وهٰذا هو عین الالحاد والزندقة.[2]

اور شریعت کی پابندیاں عوام کے لیے ہیں.....اور یہ عین الحاد اور زندقہ ہے۔

اگلے صفحہ پر رقمطراز ہیں:

اہل فتنہ میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو حلول کے قائل ہیں، اور یہ گمانِ باطل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حلول کرتا ہے.....اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس میں کوئی چیز حلول کرے یا وہ کسی شے میں حلول کرے۔ (عوارف المعارف)

---

[1] ''شامی'' کتاب الجہاد، باب المرتد۔ [2] ''عوارف المعارف'' جلد اوّل باب ۹۔

۳۔ حضرت سہروردی رحمہ اللہ سے اسبق و اقدم سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۹۸ھ)...... جو پیر پیران، مرشدِ مرشدان و شیخ المشائخ ہیں...... سے ایک شخص نے پوچھا کہ اہلِ معرفت ترکِ بر و تقویٰ کے مقام تک بھی پہنچ جاتے ہیں؟.......... فرمایا:

اِنَّ ھٰذَا قَوْلَ قَوْمٍ تَکَلَّمُوْا بِاِسْقَاطِ الْاَعْمَالِ وَھٰذَا عِنْدِیْ عَظِیْمَۃٌ وَالَّذِیْ یَسْرِقُ وَیَزْنِیْ اَحْسَنُ حَالًا مِنَ الَّذِیْ یَقُوْلُ ھٰذَا۔

یہ قول ان لوگوں کا ہے جو ترکِ اعمال کے قائل ہیں۔ یہ میرے نزدیک بہت بڑی (بیبا کی کی) بات ہے، اور جو چوری کرتا اور زنا کرتا ہے اس کا حال بھی ایسی بات کرنے والے سے بہتر ہے۔ (عوارف المعارف جلد اول باب ۹)

یہ اس لیے کہ چور اور زانی تو گنہگار ہے، وہ چوری اور زنا کو گناہ سمجھتا ہے، اور یہ تو شریعتِ محمدیہ کا منہ چڑاتا ہے، یہ ملحد و بے ایمان ہے۔

۴۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۶ھ) رقمطراز ہیں:

وَاَمَّا مَنْ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ ھُوَ فلانٌ للانسان بعینہ، اَوْ اِنَّ اللّٰہ یحلّ فِیْ جِسْمٍ مِنْ اجسام خَلْقِہٖ اَوْ اَنَّ بعد محمدٍ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نبیا غیر عیسی بن مریم لا یختلف اثنان فی تکفیرہ۔[1]

جو شخص کسی معین انسان کے متعلق یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے، یا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی جسم میں حلول کرتا ہے، یا یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے حضرت عیسیٰؑ کے کوئی اور نبی ہے تو اس کی تکفیر میں (آج تک) دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

۵۔ اسی طرح امام المتکلمین علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۱۶ھ) ''کفریہ عقائد'' میں لکھتے ہیں:

حُلُوْلُہٗ فِیْ بَعْضِ اشْخَاصِ النَّاسِ۔[2]

(یہ اعتقاد کہ) اللہ تعالیٰ بعض انسانوں میں حلول کر گیا ہے۔

یہ کفر تصوف کے پاکیزہ نام سے اسلام کے اندر داخل کیا گیا، حالانکہ صحیح تصوف تو شریعت کی

---

[1] ''کتاب الفصل'' باب الکلام فی من یکفر ومن لا یکفر۔

[2] ''شرح مواقف'' ص ۷۲۹۔

انتہائی اطاعت واتباع کا نام ہے۔ شریعت سے انحراف سولہ آنے الحاد ہے، اسے تصوف سے کیا تعلق؟

سیّد الاولیاء حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) کی کثرت عبادات وریاضات کا اندازہ ان روایات سے کیا جا سکتا ہے کہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی۔ پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ بعد عشاء پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے۔

سالہا سال کی عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے بہت بڑا نور نظر آیا جو دیکھتے دیکھتے سارے اُفق پر چھا گیا، اور اس میں سے آواز آئی کہ: اے عبدالقادر! میں تمہارا پروردگار ہوں، میں نے تمہارے لیے حرام کو حلال کر دیا۔ میں نے لاحول ولاقوۃ پڑھ کر کہا کہ "دور ہو ملعون" بس وہ نور تاریکی بن گیا اور اس میں سے آواز آئی: اے عبدالقادر! تم اپنے علم کی قوت سے مجھ سے بچ گئے ورنہ میں تمہارے مثل ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں" میں نے کہا: ملعون تو اب بھی مجھے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، کہتا ہے کہ تم اپنے علم وقوت سے بچ گئے، حالانکہ مجھے بچانے والی میری کوئی قوت نہیں، محض اللہ کا فضل وکرم ہے۔[1]

تو اکابر حضرات صوفیہ کے نزدیک تو اتباع شریعت ہی عین حقیقت ہے اور بدرجۂ غایت اتباع سنت ہی روح طریقت ومعرفت! لیکن وہ جاہل وفریب خوردہ مدعیانِ تصوف، جنہیں صحیح تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی، ترک سنت اسقاطِ شریعت بلکہ خلاف سنت اور استخفاف شریعت کو "تصوف" اور انتہائے محبت سمجھتے ہیں، غایت جہالت کو "معرفت" وحقیقت سے تعبیر کرتے ہیں، اور اتحاد ووحدت اور وحدت الوجود کے فتنۂ الحاد والقائے شیطانی کو فلسفہ اور مسئلہ سمجھتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

۳۔ عبدی وقربی تعلق: اللہ ربّ العزت کے ساتھ عبدی وقربی تعلق بھی فسادِ عقیدہ کا موجب بنا ہے۔

شرک بالعباد:[5] عموماً اللہ کے خاص بندوں اور مقبول ومقرب بزرگوں کو ربّ اور حضرات انبیاءؑ واولیاءؒ اللہ کو خود اِلٰہ بنا دیا گیا اور خلق کثیر اس ضلالت وگمراہی کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بنی۔

---

[1] "تصوف اسلام" ص ۸۱، اسلامی تصوف پر مولانا عبدالماجد دریابادی کی پاکیزہ تصنیف ہے۔ اکابر ومشائخ صوفیہ کے حالات اور ان کی تصانیف پر تبصرہ ہے۔

یہ فتنہ دوسرے تمام فتنوں سے بہت وسیع وہمہ گیر اور زیادہ مفترو مہلک ہے اور انسانیت کی پوری تاریخ اس فتنہ سے مجروح و داغدار ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اکثر اقوامِ عالم اس فتنہ میں مبتلا ہوئیں۔ کیا یہود و نصاریٰ اور کیا ہندو، سکھ اور مسلمان! جہاں یہ فتنہ وسعت و ہمہ گیری کے اعتبار سے دوسرے سب فتنوں سے زیادہ اور اہم ہے وہاں اس لحاظ سے بہت زیادہ حیرت و عبرت اور حسرت و افسوس کا موجب ہے کہ اللہ کے جو محبوب و منتخب بندے شرک کی بیخ کنی اور توحید کی اشاعت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور جنہوں نے ہر قیمت پر شرک کو مٹانے کی سعی مسلسل کی اور اپنی جان تک قربان کر کے دنیا کو توحید کا سبق دیا، آروں سے چر گئے، آگ کے شعلوں میں پھنک گئے، سولی پر چڑھ گئے، تلوار سے کٹ گئے، ان کے وجود پاک کی تکا بوٹی ہو گئی، ان کے لہو سے زمین لالہ زار بنی، مگر ان عظیم بندگانِ خدا نے اُف تک نہ کی، ہر حال میں ہر قیمت پر اپنا فرض ادا کیا اور خلقِ خدا کو شرک کی لعنت سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی، وا حسرتا کہ اللہ کے بندوں نے خود انہی عظیم بندگانِ خدا کو خدا بنا دیا۔ خود ان حضرات انبیاء و صلحاء اور صدیقین و شہداء ہی کی ذات کو شرک کا ذریعہ بنا دیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کو اور ان کی مبارک مزاروں اور خانقاہوں کو معبد و مسجد بنا لیا۔ ان کی قبروں کی چوما چاٹی ہونے لگی۔ مزاروں پر جبہ سائی ہونے لگی۔ سجدے تڑپنے لگے۔ چڑھاوے چڑھنے لگے۔

ان کی تصویریں چومی جانے لگیں۔ ان کی تمثالیں اور مورتیاں بجنے لگیں۔ حتیٰ کہ ان کے نام پر بت اور صنم گھڑ، ڈھال کر لوگ ان کی عبادت کرنے لگے۔ جن نفوسِ قدسیہ کی حیاتِ طیبہ کا لمحہ لمحہ، جن کے وجودِ اطہر کا رُواں رُواں اور جن کے لہو پاک کا قطرہ قطرہ نشر و اشاعتِ توحید اور سد باب و استیصالِ شرک کے لیے وقف تھا، ان کی وفات کے بعد ان کی مزار پاک کا ذرہ ذرہ شرک و بدعت کا مرکز بن گیا اور ان کا ہر ہر اثر و نشان توحیدِ باری تعالیٰ کے لیے چیلنج کی شکل و صورت اختیار کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولیاء و صلحاء اوّلین:

قدیم ترمفسر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی سند کے ساتھ امام محمد بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ودّ، سواع، یعوق، یغوث، اور نسر نیک اولیاء اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، بہت سے لوگ ان کے مقتدی و پیرو کار تھے۔

فَلَمَّا مَاتُوْ قَالَ اصحابهم الّذين كانوا يقتلون بهم لو صورناهم كان

اشوق لنا الی العبادۃ اذا ذکرناھم فصوّروھم فلما ماتوا وجاء اٰخرون دبّ الیھم ابلیس فقال انما کانوا یعبدونھم وبھم یسقون المطر فعبدوھم[1]

جب یہ (اولیاء اللہ) وفات پا گئے تو ان کے مقتدیوں پیروؤں نے کہا: اگر ہم ان کی شکلیں بنالیں، جب ہم ان شکلوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ کرلیں گے تو عبادتِ الٰہی میں بہت ذوق وشوق پیدا ہوجایا کرے گا، چنانچہ انہوں نے ان کے مجسمے بنا ڈالے۔ جب یہ لوگ مر گئے اور نئی نسل آئی تو شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھائی کہ تمہارے اسلاف تو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انہی کے صدقے بارش سے سیراب ہوتے تھے، چنانچہ انہوں نے ان بتوں کی پوجا شروع کردی۔

غور فرمایئے! مجسمہ سازی وبت گری کی ابتداء عبادتِ الٰہی کے جذبہ سے ہوئی اور یادِ خدا میں ذوق وشوق اور ولولہ وجوش پیدا کرنے کے لئے انہوں نے آدم علیہ السلام کے ان نیک بیٹوں کے مجسمے یعنی بت بناڈالے۔ مآل کار جن کی پوجا ہو کر رہی۔

بت مقصود نہ تھے، بلکہ بت تو صرف اولیاء وصلحاء کی عبادت کا قبلہ وذریعہ تھے

مشہور ومتداول تفاسیر وغیرہ میں اکابر مفسرین وعلماء اعلام نے اس حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے کہ بت پرست جو بتوں کی پرستش کرتے تھے اس سے مقصود بتوں کی پوجا نہیں تھی، بلکہ مقصود اصلی ان حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء کرام ومقربین بارگاہِ الٰہی کی عبادت ورضا طلبی تھی جن کی شکل وصورت پر انہوں نے وہ مورتیاں بنا رکھی تھیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاِنَّما یَعْبُدُوْنَھُمْ لِاِعْتِقَادِھِمْ انّھا تماثیل الکواکب اوتماثیل الارواح السماویہ اوتماثیل الانبیاء والصالحینَ الّذین مضوا ویکُوْنُ مقصودھم

---

[1] تفسیر ابن جریر، تفسیر آیت ولا تذرن ودًا.... تفسیر ابن کثیر اور "البدایہ والنہایہ" جلد۱ص۱۰۵،۱۰۶ پر بھی یہی الفاظ مرقوم ہیں۔

مِنْ عبادتها توجيه تلك العبادات الى تلك الاشياء التى جَعَلُوا هذه الصُّوَرَ لها۔[1]

اور مشرکین ان بتوں کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ستاروں یا ارواح سماویہ یا گزشتہ حضرات انبیاء وصلحاء کی مورتیاں ہیں اور ان کی عبادت سے ان کا اصل مقصود ان چیزوں کی عبادت ہے جن کی شکل وصورت پر انہوں نے وہ مورتیاں بنا رکھی ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

۲. فالقومُ كانوا يعتقدون فيها انّها طلسمات مَوضُوعَةٌ عَلٰى صور الكواكب اَو انّها تماثِيل الملآئكة والانبياء المتقدمين وكانوا يُعظِّمونها عَلٰى اَنْ تعظيمها يوجبُ تعظيم الملآئكة واولئك الانبياء المتقدمين۔[2]

مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ مورتیاں ستاروں کی شکلوں پر بنائی گئی ہیں یا یہ فرشتوں اور گزشتہ حضرات انبیاءؑ کی مورتیاں ہیں۔ وہ ان مورتیوں مجسموں کی تعظیم اس خیال سے کرتے تھے کہ ان کی تعظیم حقیقت میں ان ملائکہ اور حضرات انبیاء سابقین کی تعظیم ہے۔

اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے رقمطراز ہیں کہ:

۳. اِنَّ الشُّفَعَاءَ لَيْسَتِ الْاَصْنَام انفسها بل اشخاص[3] مقرَّبُوْنَ هِيَ تَمَاثِيلهم۔[4]

شفعاء سے بعینہٖ بت مراد نہیں بلکہ اس سے ان کی مراد وہ مقرب بندے ہیں جن کے وہ مجسمے ہیں۔

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے بتوں کو صاف "قبلہ" تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] "تفسیر کبیر" جلد ۷ ص ۲۳۰۔ [2] "تفسیر کبیر" جلد ۶ ص ۲۶۱۔

[3] چنانچہ ہبل جو عرب کا مشہور بت تھا اور بیت اللہ میں نصب تھا یہ ہابیل شہید کے نام پر بنایا گیا تھا ("فیض الباری" شرح بخاری جلد ۴ کتاب المغازی باب غزوۂ اُحد) اور ہندوؤں کا مشہور بت برہما حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت ہے، جنہیں اہل کتاب ابراہام کہتے ہیں۔

[4] "روح المعانی" پارہ ۲۳، تفسیر آیت اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ.

والمشرکون دعَوْا اِلٰی اَنّ الصّالحین مِنْ قبلھم عَبَدُوا اللّٰہ وَتقرّبُوْا اِلَیْہِ فَاعْطَاھُم اللّٰہ الْاُلُوھیۃ....فنحتوا علٰی اَسْمَائِہم اَحْجارًا وجَعَلُوْھَا قبلۃ عِنْدَ تَوَجّھم اِلٰی ھٰؤلَاءِ۔[1]

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اگلے نیک لوگوں نے خدا کی خوب عبادت کی اور بارگاہِ الٰہی میں مقرب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت عطاء فرمادی.....پس مشرکین نے ان بزرگوں کے ناموں پر پتھر (کے بت) تراش لیے۔ ان بزرگوں کی طرف توجہ کرتے وقت وہ ان بتوں کو قبلہ بنا لیتے۔

خلاصہ: ان تصریحات وتفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مشرکین کے معبود ذوی العقول صلحاء واولیاء اللہ تھے۔ بدبخت افراد وقبائل بظاہر بتوں کی پوجا کرتے بھی تھے تو پتھروں وغیرہ کے یہ صنم اور بت مقصود بالذات نہ تھے بلکہ ان عباد اللہ الصالحین کی طرف متوجہ ہونے کا حیلہ وذریعہ اور قبلہ تھے۔

مشرکین ان بتوں کے آگے شرکیہ اعمال کرتے، ان کی پوجا پاٹ، چوما چاٹی کرتے تو محض اس لیے کہ اس ذریعہ سے انہیں ان اولیاء وصلحاء کا تقرب حاصل ہو جائے گا، وہ ان سے خوش اور راضی ہو جائیں گے اور ان کی بگڑی بن جائے گی۔

ورنہ دنیا میں ایسا احمق اور بے وقوف کوئی مشرک نہیں جو یہ سمجھے کہ یہی ہمارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بت ہمیں خدا تک پہنچا دیں گے یا ہماری مشکل حل کر دیں گے۔

آج قبریں اور خانقاہیں اولیاء اللہ کی عبادت کا ذریعہ ہیں:

بالکل اسی طرح آج کے نام نہاد مسلمان، حضرات اولیاء کی قبروں، خانقاہوں اور ان کے بعض آثار ونشانات کی عبادت کرتے ہیں مگر اس سے مقصود قبر وغیرہ کی بالذات عبادت نہیں ہوتی، مقصود صاحبِ قبر اس بزرگ کی تعظیم وعبادت ہوتی ہے۔ اسی کی رضا وخوشنودی کا حصول مطلوب ہوتا ہے، گو بظاہر بوس وکنار سجدہ وطواف قبر کا ہوتا ہے اور منت منوتی جھنڈے، نشان،

[1] ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جلد اوّل، ص ۱۰۸، مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور۔

مکان، پیپل، بڑ، جنڈ، جال اور گھوڑے وغیرہ کی مانی جاتی ہے۔ ورنہ ایسا احمق اور اندھا کوئی شخص نہیں ہوسکتا جو مٹی چونے کی قبر اور مکان ونشان کو حاجت روا ومشکل کشا سمجھے یا یہ یقین کرے کہ پیپل، بڑ، جنڈ، جال یا جھنڈا اور گھوڑا انسان کو بچے دیتا ہے۔

پھر اولیاء وصلحاء کی عبادت مقصود نہ تھی ان کی عبادت قرب ووصلِ الٰہی کا ذریعہ تھی

بتوں کی عبادت سے مقصود اللہ کے عظیم بندوں، نبیوں اور ولیوں کی عبادت تھی۔ پھر ان اکابر کی عبادت بھی اصلاً مقصود نہیں تھی، یہ خود ذریعہ تھی بارگاہِ الٰہی میں قرب ووصل کا۔ ان کا زعم تھا کہ ان اعاظم رجال کی ہم عبادت کریں گے تو یہ خوش ہوکر بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے۔ ان کے واسطے سے ہماری الٰہ اعلیٰ خدائے واحد تک رسائی ہوجائے گی۔ ہمیں اس طرح اس ذات واجب الوجود کا تقرب حاصل ہوجائے گا۔

قریباً تمام اکابر واجلہ ائمہ تفسیر وعلماء اعلام کی یہی تحقیق ہے۔

۱۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے:

اَنّہ کان یَمُوْتُ اقوام صَالِحُوْنَ فَکَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ تَمَاثِیْلَ عَلٰی صُوَرِھِمْ وَیَشْتَغِلُوْنَ بتعظیمھا وغرضھم تعظیم اُولٰٓئِکَ الاقوام الَّذِیْنَ ماتوا حتی یَکُوْنُوا شافعین لَھُمْ عِنْدَ اللّٰہِ وھو الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِھِمْ (مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی.)[1]

نیک (بزرگ، اولیاء اللہ) لوگ مرجاتے تو لوگ ان کی شکل وصورت پر مورتیاں گھڑ لیتے اور ان کی تعظیم میں لگ جاتے اور اس سے ان کی غرض ان وفات پانے والے بزرگوں کی تعظیم ہوتی تاکہ وہ بزرگ عنداللہ ان کے سفارشی ہوں۔ ان کے اس قول (مانعبدہم الا..... سے ان کی یہی مراد ہے۔

۲۔ شہرہ آفاق محدث وفقیہ وفلسفی ومتکلم اسلام سیّد شریف علی بن محمد الجرجانیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

بت پرست دو واجب الوجود الہوں کے قائل نہیں نہ وہ اپنے بتوں کو صفات الوہیت سے

---

[1] "تفسیر کبیر" جلد ۳۰، ص ۱۴۳، تفسیر آیت وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ.....

متصف مانتے ہیں، گو وہ انہیں اِلٰہ کہتے ہیں۔

بَل اتَّخذوھا عَلٰی انّھَا تماثیلُ الانبیاء او الزُّھاد اَو الملآئکۃ او الکواکب واشتغلُوا بِتَعظِیمِھَا عَلٰی وجہ العِبَادَۃ تَوصُّلا بِھَا اِلٰی مَا ھُوَ الٰہ حقیقۃً۔[1]

بلکہ انہوں نے تو اس لیے بتوں کو اِلٰہ بنایا کہ وہ حضرات انبیاء یا تارک الدنیا عبادت گزار بندوں یا فرشتوں یا ستاروں کی سورتیاں ہیں اور وہ ان کی عبادت کے طور پر تعظیم کے اندر (اس لیے) مشغول ہو گئے تا کہ وہ اس سے اِلٰہ حقیقی تک پہنچ سکیں۔

عہدِ آخر کے شہرہ آفاق مفسر محقق علامہ آلوسی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ:

ایک قول ہے کہ اصنام کی طرف شفاعت کی نسبت باعتبار السببیۃ ہے، یہ اس لیے کہ:

کَمَا ھُوَ المشھور وَضَعُوْھَا عَلٰی صُوَرِ رجال صَالحین ذوی خطرٍ عندھم وزعموا انھم متٰی اشتغلوا بعبادتھا فان اولٰئک الرجال یَشْفَعُوْنَ لَھُمْ۔[2]

جیسا کہ مشہور ہے انہوں نے اپنے عالی مقام وذی قدر صلحاء کی صورت پر ان بتوں کو بنا رکھا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو وہ نیک بزرگ بندے (اولیاء اللہ بارگاہِ الٰہی میں) ان کی سفارش کریں گے۔

ابتلاءِ عظیم! کلمہ گو مسلمان کفار ومشرکین کے نقشِ قدم پر!

تفسیر کبیر میں ہے:

انّھم وَضَعُوا ھٰذِہ الاصنام والاوثان علی صور انبیآئھم واکابرھم وزعموا انھم متٰی اشتغلوا بعبادۃ ھٰذہ التماثیل فانّ اولٰئک الاکابر تکون شفعاء لھم عند اللّٰہ تعالٰی ونظیرہ فی ھٰذا الزمان اشتغال کثیر من الخلقِ بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد انھم اذا عظموا قبورھم فانّھم یَکُوْنُوْنَ شفعاء لھم عند اللّٰہ۔[3]

---

[1] "شرح مواقف" مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ص ۵۸۰۔

[2] "روح المعانی" جلد ۱۱، ص ۸۸، تفسیر آیت ویعبدون من دون اللّٰہ (سورہ یونس)

[3] "تفسیر کبیر" جز ۱۷، ص ۵۹، ۶۰، تفسیر آیت وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ....

انہوں نے یہ بت اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی شکل وصورت پر بنا رکھے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بزرگ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے اور اس کی مثال اس زمانے میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہو گئے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ جب وہ ان بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ قبروں والے بزرگ عنداللہ ان کی سفارش کریں گے۔

امامؒ کی بیان کردہ یہ حقیقتِ حال کتنی دردناک ہے کہ مشرکینِ عرب جس طرح دنیوی ضروریات اصلاحِ معاش، وسعتِ رزق وغیرہ حاجات یا نجاتِ آخرت کی عنداللہ سفارش کے لیے اپنے بزرگوں کی شکل وصورت پر گھڑے ہوئے بتوں کے سامنے شرکیہ اعمال اور پوجا پاٹ کرتے تھے، کہ وہ بزرگ اور خاصانِ خدا جن کے یہ بت ہیں یا مورتیاں، ہم سے ان شرکیہ اعمال، اس تعظیم اور عبادت کی وجہ سے خوش اور رضامند ہو جائیں گے اور اپنے خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کر کے ہماری مشکلات حل اور ضروریات پوری کرا دیں گے، اسی طرح اس زمانے کے مدعیانِ اسلام اولیاء اللہ کی قبروں پر دنیوی حاجت روائی و مشکل کشائی یا نجاتِ اُخروی کے لیے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، قبروں کی چوما چاٹی کرتے ہیں، طواف و سجدہ کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، نذریں، منتیں مانتے ہیں، آہ و فریاد کرتے ہیں، روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

پھر حضرت امام رحمہ اللہ کا زمانہ تو چھٹی صدی ہجری کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں یہ تصور تھا کہ یہ اولیاء اللہ ہمارے ان شرکیہ اعمال سے راضی اور خوش ہو کر بارگاہِ الٰہی میں ہماری سفارش کریں گے اور اپنے اللہ سے ہمارا کام کرا دیں گے، مگر آج تو اللہ کو سفارش کرنے یا اللہ سے کام کرا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج تو اکثر و بیشتر یہی ایمان و ایقان ہے کہ سب کچھ صاحبِ قبر، حضرت صاحب کے اختیار میں ہے۔ مشکل کشائی یہ خود کریں گے۔ حاجت روا یہ خود ہیں۔ ایک جہنم کے ایندھن نے تو برملا یہاں تک کہہ دیا ۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے؟
لینا ہے ہمیں جو کچھ، لے لیں گے محمدؐ سے!

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مشرکین سابقین اور موجودہ مسلمانوں کے فہم و فکر اور قول و منطق میں توافق و تطابق:

مشرکین کا یہ قول ہے کہ: ''ہم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی اہلیت ہی نہیں، ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور یہ بت عند اللہ ہماری سفارش کریں گے۔''[1]

یا ان کی یہ منطق: ''معبودِ اعظم (اللہ تعالیٰ) کی ذات اس سے بلند و بالاتر ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے، بشر کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ اللہ کے بزرگ بندوں (اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام) کی عبادت میں لگے رہیں۔''[2]

یا ان کا یہ کلام کہ: ''ان کی عبادت کے بغیر خدا کی عبادت قبول نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کا رتبہ بہت بلند ہے، اس کی عبادت سے اس کا تقرب حاصل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ان کی عبادت ضروری ہے تا کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔''[3]

مشرکینِ مکہ کے اس مذکورہ بالا قول و کلام اور عہدِ حاضر کے جاہل مشرکین کا یہ پیچ اور پوچ قول کہ: ''مکان پر چڑھنا ہو تو پہلے سیڑھی کا انتظام کرنا ہوگا، بھلا سیڑھی کے بغیر مکان پر کون چڑھ سکتا ہے؟'' یا یہ فضول دلیل کہ بادشاہ یا حاکم اعلیٰ سے کوئی کام ہو تو براہِ راست عرض نہیں کیا جا سکتا، پہلے نچلے درجہ کے حکام اور افسروں کی خدمت میں درخواست گزاری جائے گی، وہ اُوپر اقتدارِ اعلیٰ تک پہنچائیں گے تب کام ہوگا۔ ہماری وہاں تک رسائی کہاں؟ اسی طرح کوئی بندہ براہِ راست بارگاہِ الٰہی میں درخواست و دعا نہیں کر سکتا۔ ہم اپنی دعائیں ان بزرگوں، اللہ والوں سے کریں گے، وہ آگے اللہ تعالیٰ تک پہنچائیں گے، اور ہمارا کام کرا دیں گے۔''

سولہ آنے توافق و تطابق ہے، مشرکین و ''مسلمین'' کے زعم و خیال اور قول و منطق میں مشابہت کاملہ ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ ایک منطق کل کے مشرکین کی تھی اور ایک دلیل آج کے نام نہاد ''مسلمین'' کی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

---

[1] ''تفسیر کبیر'' جلد ۱۷، ص ۵۹۔ [2] ان الٰه الاعظم اَجلّ مِنْ اَنْ یعبده البشر لکن اللائق بالبشر اَنْ یَشْتَغِلُوْا بعبادةِ الاکابر مِنْ عبادِ اللّٰهِ. (''تفسیر کبیر'' جلد ۷، ص ۲۳۰)

[3] وَقَالُوْا لا تقبل عبادة اللّٰه اِلَّا مضمومة بعبادتهم بل الحق فی غایة التعالی فلا تفید عبادته تقربًا منه بل لَابُدَّ من عبادة هٰؤلاء لیقربُوا الی اللّٰه زُلفٰی. (''حجۃ اللہ البالغہ'' جلد اوّل ص ۱۰۸)

شرک کی تاریخ

شرک کی ابتداء: کتاب وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی ابتداء سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے عہد نبوت میں ہوئی۔ اس دھرتی پر سب سے پہلے قومِ نوحؑ بتوں کی نجاست سے ملوث وآلودہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور شرک و بت پرستی کی تردید کے لیے اپنے اولوالعزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

قومِ نوحؑ پانچ بڑے بتوں کی پرستش کرتی تھی، وَدّ[1]، سُواع[2]، یعوق[3]، یغوث[4] اور نسر[5]۔

دنیا میں بت گری وبت پرستی کا آغاز:

آیئے، ذرا دیکھیں کہ قومِ نوحؑ میں ان اوثان واصنام کی پرستش کا آغاز کیونکر ہوا۔ بلکہ دنیا میں بت گری کیسے شروع ہوئی؟ اس کا جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ملتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ وَدّ، سواع، یعوق، یغوث اور نسر

اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما هلکوا اوحی الشیطٰن الٰی قومهم ان انصبوا الٰی مجالسهم التی کانوا یجلسون انصابا وسمّوها باسمائهم فَفَعَلُوْا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتّٰی اِذَا هَلَکَ اُولٰئِکَ وَنُسِخَ الْعِلْمُ عبدت.[2]

یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک آدمیوں (اولیاء اللہ) کے نام تھے۔ جب یہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو پٹی پڑھائی کہ "جہاں یہ بزرگ بیٹھا کرتے تھے تم وہاں ان کے بت بنا کر نصب کردو، اور ان کے نام انہی بزرگوں کے نام پر رکھ دو" چنانچہ انہوں نے ایسا کیا جب تک وہ لوگ زندہ رہے ان بتوں کی عبادت نہ کی گئی مگر جب وہ لوگ مر گئے اور حقیقتِ حال کا علم کسی کو نہ رہا تو ان کی عبادت شروع ہوگئی۔

حضرت شیثؑ: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وَدّ حضرت آدم علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور آپ کا لقب شیث تھا جو شرف نبوت سے مشرف ہوئے۔

---

[1] حضرت عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن اسحاق (رحمہم اللہ) سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ نوح۔

مفسر شہیر حضرت امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حافظ ابن عساکرؒ نے حضرت شیث علیہ السلام کے حالات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

حضرت آدم علیہ السلام کی چالیس اولادیں تھیں، بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں، لڑکوں میں سے ہابیل، قابیل، صالح، عبدالرحمن اور ود زندہ رہے۔

وکان ودّ یقال له شیث وکان اخوته قد سودوه وولد له سواع ویغوث ویعوق ونسر۔[1]

اور ودّ ہی کو شیث کہا جاتا ہے، ان کے بھائیوں نے انہی کو اپنا سردار بنا لیا تھا، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر ان ہی کے لڑکے تھے۔

اَوَّلَ مَعْبُوْدٍ عُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

یہی ودّ الملقب بہ شیث علیہ السلام اوّلین معبود ہیں، اللہ کے سوا جن کی عبادت کی گئی

خاتم المفسرین علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

ابن ابی حاتم نے حضرت عروہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا، یہ پانچوں آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، ان سب میں بڑا اور سب سے نیک وَدّ تھا۔ مروی ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا سب سے اوّل معبود وَدّ ہے۔[2]

بیت اللہ میں بت پرستی کا آغاز:

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لحی ہے۔ (عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ عمرو بن لحی کی نسل سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رأیت عمرو بن لحیّ یَجُرُّ قُصْبَه فِی النَّارِ.

میں نے دیکھا عمرو بن لحی جہنم میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا ہے۔

عمرو بن لحی کسی کام سے مکہ سے شام گیا، وہاں عمالیق کو دیکھا کہ:

یَعبدونَ الاصنام فقال لهم ما هٰذه الاصنام التی اراکم تعبلون؟ قالوا له: هٰذهٖ اصنام نعبدها فَنَستَمطِرُهَا فَتُمطِرُنَا، نَستَنصِرها فتنصرنا.

وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اس نے ان سے پوچھا، تم بتوں کو کیوں پوجتے ہو؟

---

[1] "تفسیر ابن کثیر" جلد ۴، ص ۴۲۶، تفسیر آیت ولا تذرن ودًا.....

[2] "روح المعانی" ج ۲۹، آیت ولا تذرن ودًا.....

انہوں نے کہا، ہم ان بتوں کو پوجتے ہیں، ہم ان سے (خشک سالی میں) بارش کا سوال کرتے ہیں تو یہ بارش برساتے ہیں اور (جنگ میں) فتح کی دعا مانگتے ہیں تو ہمیں فتح دیتے ہیں۔

عمرو نے ان سے کہا: تم مجھے بھی ایک بت دے دو، میں اسے عرب لے جاؤں گا تاکہ وہ لوگ بھی اس کی عبادت کریں۔

فَاَعطَوْہُ صَنَمًا یقال له هُبَلُ فقدم به مكة فَنَصَبَه وَاَمَرَ النَّاس بعبادته وتعظيمه[1]

چنانچہ انہوں نے اسے ایک بت دے دیا جسے ہبل کہا جاتا تھا۔ وہ اسے مکہ لے آیا اور نصب کر دیا اور لوگوں کو اس کی پوجا اور تعظیم کا حکم دیا۔

چونکہ یہ حرم کا متولی تھا، اس لیے مکہ اور پھر عرب میں بت پرستی پھیل گئی۔ پہلے حرم کی تولیت کا تاج قبیلہ جرہم کے سردار حارث کے سر پر تھا۔ عمرو نے لڑ کر حارث اور اس کے قبیلہ کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی بن گیا۔ اور اس ظالم ولعین نے تولیتِ کعبہ کے شرفِ عظیم سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر بانیٔ کعبہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے دینِ حنیف کو اوّل دفعہ بدل کر بت پرستی کی بنا ڈالی، لعنہ اللہ۔

عرب میں بت پرستی کا شیوع:

کعبۃ اللہ، اللہ کا گھر ہے، اللہ والوں کا دل اللہ کے گھر کی محبت وعقیدت کے مقدس اور پاک جذبہ سے معمور اور بھرپور ہے۔ بیت اللہ کی عقیدت کے اسی مقدس جذبہ سے عرب میں بت پرستی کا آغاز وشیوع ہوا۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

بنی اسمٰعیل (عرب) میں عبادت الحجارہ (بت پرستی) کا آغاز یوں ہوا کہ جب مکہ کی سرزمین (کثرتِ آبادی کی وجہ سے یا وسائل معاش کی کمی کے باعث) ان پر تنگ ہو گئی اور وہ فراخی و وسعت کی تلاش میں دوسرے شہروں کی طرف نکلے تو جو بھی (مستقلاً یا طلبِ معاش کے لیے) مکہ سے روانہ ہوتا تھا،

حَمَلَ معه حجرًا من حجارة الْحَرَمِ تَعْظِيمًا للحرم فحيثما نزلوا وضعوه

---

[1] "سیرت ابن ہشام" جلد اوّل ص ۷۸، ۷۹۔

فطافوا به کطوافهم بالکعبة، حتّٰی سلخ ذٰلک بهم الٰی ان کانوا یعبدون ما استحسنوا مِنَ الحجارة وَاعجبهُم۔[1]

وہ اپنے ساتھ حرم کعبہ کے پتھروں میں سے ایک پتھر حرم ہی کی تعظیم کے پیش نظر لے جاتا تھا۔ جہاں جا کر ٹھہرتا وہاں اس پتھر کو رکھ دیتا اور طواف کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جس پتھر کو وہ اچھا سمجھتے اور پسند کرتے اس کی عبادت کرنے لگے۔

خلاصہ: شیطان مردود وملعون کے اغوا واضلال سے دنیا میں بت گری وبت پرستی کا آغاز ہوا۔ ابلیس لعین نے رجال صالحین کے محبین و متبعین کے دل میں وسوسہ ڈالا، ریشہ دوانی کی، اولیاء اللہ کی یادگار کے طور پر ان کے اصنام و انصاب، مجسمے اور بت بنوائے اور اس طرح دنیا میں بت پرستی کی بنیاد قائم کی۔

پھر عرب میں بت پرستی کا شیوع ہوا، تو بیت اللہ کی عقیدت اور حرم مکہ کی تعظیم کے جذبہ سے ہوا۔ غرض شرک کی اصل واساس معرفت ومحبت ربانی کے جذبہ پر قائم ہے۔ جس نے بھی جب کبھی کسی کو معبود بنایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے کسی تعلق ہی کی بنا پر بنایا۔ خواہ مزعومہ نسبی تعلق کی بناء پر، خواہ عبدی وقربی تعلق کی بناء پر!

آج بھی لوگ اولیاء اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کو معبود بناتے ہیں تو اس شرک کی بنیاد بھی ان اولیاء و مشائخ، ان صلحاء اُمت کا اللہ تعالیٰ سے قرب وتعلق ہے۔ اللہ ربّ العزت ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] "سیرت ابن ہشام" جلد اوّل ص ۷۹، ۸۰۔

شرک کی اقسام

امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

دین میں شرک دو قسم پر ہے، شرکِ عظیم، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا اور یہ سب سے بڑا کفر ہے، دوم، شرکِ صغیر کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔[1]

شرکِ عظیم کی دو قسمیں ہیں، شرک اعتقادی[1] شرک عملی[2] یا فعلی، پھر شرک اعتقادی دو قسم پر ہے، شرک فی العلم[1] یعنی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو عالم الغیب یا حاضر و ناظر جاننا، دوسرا شرک فی التصرف[2]، اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مافوق الاسباب یعنی نفع یا نقصان کا مالک سمجھنا۔

شرک فعلی پانچ اقسام پر مشتمل ہے، شرک فی الذات[1]، شرک فی الصفات[2]، شرک فی العبادت[3]، شرک فی الاطاعت[4] اور شرک فی العادت[5]۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے شرک کی درج ذیل چار قسمیں کی ہیں:

۱۔ شرک فی العلم: ہر جگہ حاضر و ناظر رہنا، اور ہر چیز کی خبر ہر وقت رکھنی، دُور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اُجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کی تہہ میں، یہ اللہ ہی کی شان ہے، اور کسی کی یہ شان نہیں۔ سو جو کوئی کسی کا نام اُٹھتے بیٹھتے لیا کرے، اور دُور و نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلہ میں اس کی دہائی دیوے، اور دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے یا شغل کرے، یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں، زبان سے یا دل سے، یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں، جیسے بیماری، تندرستی، کشائش و تنگی، مرنا جینا، غم و خوشی، سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے، اس قسم کی باتیں شرک ہیں'' اس کو اشراک فی العلم کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا علم

[1] ''مفردات القرآن'' ص ۲۷۹۔

کسی اور کو ثابت کرنا، سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے، خواہ پیر شہید سے رکھے، خواہ امام سے، خواہ بھوت (جن) و پری سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ شرک فی التصرف:

عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا اور روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا، فتح و شکست دینی، مرادیں پوری کرنی، حاجتیں بر لانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، برے وقت میں پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے، اور کسی نبی، ولی کی، پیر، شہید کی، بھوت اور پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مراد مانگے، اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہے۔ اور اس کو اشراک فی التصرف کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا، سو یہ محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ شرک فی العبادت:

بعضے تعظیم کے کام اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں، جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا اور اس کے نام کا روزہ رکھنا، اور اس کے گھر کی طرف دُور دُور سے قصد کر کے سفر کرنا، اور راستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتوں اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا، اور اس کی طرف سجدہ کرنا، اور اس کی طرف جانور لے جانا، اور وہاں منتیں ماننی، اس پر غلاف ڈالنا، اس کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنی اور التجا کرنی اور دین و دنیا کی مرادیں مانگنی اور ایک پتھر (حجر اسود) کو بوسہ دینا اور اس کی دیوار سے اپنا منہ ملنا، اور اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنی، اور اس کے گرد روشنی کرنی، اور اس کا مجاور بن کر اس کی خدمت میں مشغول رہنا، جیسے جھاڑو دینی، روشنی کرنی، فرش بچھانا، پانی پلانا، وضو غسل کا لوگوں کے لیے سامان درست کرنا اور اس کے کنوئیں کے پانی کو تبرک سمجھ کر پینا، غائبوں کے لیے لے جانا، رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلنا، اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا، وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اُکھاڑنا، مویشی نہ چگانا، یہ سب کام اللہ

نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔ پھر جو کوئی کسی پیر و پیغمبر کو یا بھوت اور پری کو یا کسی سچی یا جھوٹی قبر کو یا کسی تھان کو یا کسی چلّے کو یا کسی کے مکان کو، یا کسی کے تبرک کو یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے نام کا روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہووے یا جانور چڑھاوے یا ایسے مکانوں میں دُور دُور سے قصد کر کے جاوے، یا وہاں روشنی کرے، غلاف ڈالے، چادر چڑھائے، قبر کو بوسہ دے، مور چھل جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دیوے، ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاور بن کے بیٹھ رہے، رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلے، وہاں کے جنگل کا ادب کرے، تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے، اس کو شرک فی العبادت کہتے ہیں، یعنی اللہ کی سی تعظیم کرنی۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے، اور اس کی تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ شرک فی العادت:

اللہ نے اپنے بندوں کو سکھلایا ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں، جیسے ہر کام کا شروع اس کے نام سے کرنا اور جب اولاد ہو تو اس کے شکر میں اس کے نام کا جانور ذبح کرنا اور اس کا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن، خدا بخش (وغیرہ) رکھنا، کھیت اور باغ میں تھوڑا بہت اس کے نام کا رکھنا، ریوڑ میں سے کچھ اس کی نیاز کر رکھنا..... اور کھانے پینے پہننے میں اس کے حکم پر چلنا اور بُرائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے، جیسے قحط اور ارزانی، صحت و بیماری، فتح و شکست، اقبال و ادبار، غمی اور خوشی یہ سب اس کے اختیار میں سمجھنا اور اپنا ارادہ جس کام کا بیان کرنا ہو تو پہلے اس کے ارادہ کا ذکر کر دینا، مثلاً یوں کہے کہ اگر اللہ چاہے تو ہم فلاں کام کر دیں گے، اور جب قسم کھانے کی حاجت ہو تو اسی کے نام کی قسم کھانی، اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بتائی ہیں۔ پھر جو کوئی کسی انبیاء و اولیاء، اماموں اور شہیدوں کی یا بھوت اور پری کی اس قسم کی تعظیم کرے، بسم اللہ کی جگہ ان کا نام لیوے، جب اولاد ہو ان کی نذر و نیاز کرے، اپنی اولاد کا نام عبدالنبی، امام بخش، پیر بخش (وغیرہ) رکھے، جو کھیتی باڑی سے آوے پہلے ان کی نیاز دے، ان کے نام کے جانور ٹھہرا دے، پھر ان جانوروں کا ادب کرے، دانہ وغیرہ سے نہ ہانکے، لکڑی پتھر سے نہ مارے، اور بُرائی بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے اس کو ان کی طرف نسبت کرے، کہ فلاں کی پھٹکار میں دیوانہ ہو گیا، فلانے کو ایسا راندا کہ محتاج ہو گیا، فلانے کو نواز دیا تو فتح و اقبال مل گیا، قحط فلاں

ستارے کے سبب سے پڑا، فلاں کام جو فلاں دن شروع کیا تھا یا فلاں ساعت میں سو پورا نہ ہوا۔ یا یوں کہے، اللہ و رسول چاہے گا تو میں آؤں گا۔ یا پیر چاہے گا تو یہ بات ہو جائے گی۔ اسے معبود یا داتا، بے پروا، خداوندِ خدایگاں، مالک الملک، شہنشاہ بولے، یا پیغمبر کی یا علماء کی، یا امام کی، یا پیر کی، یا ان کی قبروں کی قسم کھاوے، سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو شرک فی العادت کہتے ہیں۔ یعنی اپنی عادت (روزمرہ) کے کاموں میں جو اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے سو غیر کی کرے۔ ان چاروں طرح کے شرک کا قرآن و حدیث میں صریح ذکر ہے۔[1]

۵۔ شرک فی الاطاعت:

شرک فی الصفات (شرک فی العلم اور شرک فی التصرف) شرک فی العبادت اور شرک فی العادت کا ذکر ہو چکا، اب شرک فی الاطاعت سے متعلق عرض ہے:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

ایک قوم تھی، اس کے بعض بعضوں کی عبادت کرتے تھے، یعنی اہل کتاب۔

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ.

وہ اپنے احباب اور رہبان کی عبادت کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو خدا کے سوا ربّ بنا رکھا ہے۔

اور مسند (امام احمدؒ) اور ترمذی میں ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ احبار و رہبان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَلٰى انهم احلّوا لهم الحرام وَ حَرَّمُوْا عليهم الحلال فَاتَّبَعُوْهُمْ فَذٰلِكَ عبادتهم اِيَّاهُمْ.

ہاں! احبار و رہبان نے ان کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیا اور انہوں نے ان کی متابعت کر لی، یہی ان کی احبار و رہبان کی عبادت تھی۔

(یہ نقل کر کے امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:)

---

[1] "تقویۃ الایمان" پہلا باب۔

فَالْجَهَلَةُ مِنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ وَمَشَائِخِ الضَّلَالِ يَدْخُلُوْنَ فِيْ هٰذَا الذم وَالتَّوبِيخ.[1]

پس جاہل دینی پیشوا گوشہ نشین بزرگ اور گمراہ مشائخ (سبھی) اس مذمت اور اس زجر و توبیخ میں داخل ہیں۔

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

ارشاد فرمایا: وہ لوگ احبار و رہبان کی (معروف طریقے سے تو) عبادت نہیں کرتے تھے،

وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اِسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ. (رواه الترمذی)[2]

لیکن جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے وہ اس کو حلال سمجھ لیتے اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے وہ اس کو حرام سمجھ لیتے۔ (یہی گویا ان کی عبادت تھی)

شارح "سیرت ابن ہشام" امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں کہ:

جب قبیلہ خزاعہ نے قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکال دیا، خود بیت اللہ کے متولی بن بیٹھے تو اس قبیلہ کے سردار عمرو بن لحی کو عرب نے اپنا رب بنالیا۔ وہ ان کے لیے جو بھی بدعت ایجاد کرتا تھا وہ اسے شریعت بنالیتے تھے۔

لانّهٗ كان يطعم الناس ويكسوهم فى الموسم فربما نحر فى الموسم عشرة آلاف بُدْنة وكسا عشرة آلاف حُلّة.[3]

کیونکہ وہ لوگوں کو حج کے ایام میں خوب کھلایا اور لباس پہنایا کرتا تھا، بسا اوقات ایک حج کے موقع پر وہ دس ہزار اُونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلاتا تھا اور دس ہزار نئے جوڑے لوگوں کو پہناتا تھا۔

اس ملعون نے جو بھی دینِ ابراہیمؑ میں تغیر و تبدل کیا، جو بھی بدعت ایجاد کی، لوگوں نے اسے قبول کرلیا، تو گویا عرب نے اسے اپنا رب بنالیا۔

اس مردود جہنمی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

---

[1] "تفسیر ابن کثیر" مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۳۷۷۔

[2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۸۲۰۔

[3] حاشیہ "سیرت ابن ہشام" جلد اوّل ص ۸۹، طبع مصر۔

لَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَجُرُّ قُصْبَہٗ فِی النَّارِ یوذی اھل النار ریح قصبہ.

(ابن جریر عبدالرزاق وغیرہ)[1]

میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا، جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا ہے، اس کی انتڑیوں کی بدبو سے دوزخی تکلیف میں مبتلا ہیں۔

تو یہود و نصاریٰ اور اہل عرب نے اپنے احبار و رہبان اور عمرو بن لحی کی اطاعت بایں طور کی کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کو ان کے حرام کہہ دینے سے حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو ان کے حلال کہہ دینے سے حلال کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کی عبادت قرار دیا۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا: ذلک عبادتھم. یہ شرک فی الاطاعت ہے۔

شرک فی الاطاعت کی حقیقت:

شرک فی الاطاعت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت کے سوا کسی کی مستقل اطاعت کی جائے۔ یعنی اگر کسی کا حکم، حکم الٰہی کے خلاف بھی ہو تو بھی اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا جائے، یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ قرآن میں اسے صریح الفاظ میں شرک سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ارشاد فرمایا:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ. (پارہ ۸۔ سورہ انعام، ع ۱۴)

اگر تم نے ان (اولیاء الشیطان) کی اطاعت کی تو بیشک تم مشرک ہوئے۔

اطاعتِ مستقلّہ:

حقیقت یہ ہے کہ جب مُلک و بادشاہی اللہ ربّ العزت کی ہے، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ تو حکم و حکومت بھی خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ. سوائے اللہ کے حکم کسی کا بھی نہیں۔ جب حکم کسی کا نہیں تو کسی کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اطاعت مستقلّہ ہے، جو صرف اللہ احکم الحاکمین کا حق ہے۔

اطاعت غیر مستقلّہ:

ہاں! ایک اطاعت غیر مستقلّہ ہے۔ یہ درحقیقت اللہ ربّ العزت کی اطاعت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے حکم سے ہوتی ہے جیسے رسول، اولی الامر، علماء دین وائمۂ مجتہدین وغیرہم کی اطاعت، قرآن کریم میں اَطِیْعُوا اللّٰہَ کے ساتھ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم تو اکثر و بیشتر آیا ہے، اور ایک جگہ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء، ع ۸) بھی فرمایا گیا ہے۔ تو اس قسم کی اطاعت، درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، صاف فرمایا گیا ہے:

---

[1] تفسیر "روح المعانی" تفسیر آیت ما جعل اللہ من بحیرۃ.....

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (سورۂ نساء، ع ۱۱)

جس نے رسول کا حکم مانا (درحقیقت) اس نے اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانا۔

تو جو اطاعت غیر اللہ کی ہو مگر ہو حکم الٰہی کے تحت! وہ نہ تو اطاعت مستقلہ ہے اور نہ ہی شرک یا حرام ہے۔ وہ تو اُلٹا مطلوب و محمود ہے۔ ہاں وہ اطاعت جو حکم الٰہی کے خلاف ہو، وہ اطاعت مستقلہ ہے، جو حرام و ممنوع ہی نہیں بلکہ شرک ہے۔

اس تفصیل کے بعد حضرات فقہا اُمت اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کی تقلید و اطاعت کو ناجائز و ناروا بلکہ شرک کہنے والوں کی کم فہمی واضح ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرات فقہا و مجتہدین کی فقہ و اجتہاد کتاب و سنت کے تابع ہوتا ہے، خدا اور رسولِ خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے، لہٰذا یہ عین اطاعتِ خدا اور رسولِ خدا ہے۔ ہاں اگر بالفرض ان حضرات میں سے کسی کا کوئی حکم خدا اور رسولِ خدا کے حکم کے خلاف ہو تو پھر لازمی طور پر اس کی اطاعت جائز نہیں، وہ رد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ امام الائمہ، امام اعظم رحمہ اللہ کا واضح ارشاد ہے کہ اگر میرا کوئی حکم خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر مارو۔

قال اتركوا قولي بخبر الرسول صلى الله عليه وسلم وقولِ الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ونُقِلَ عنه اَنَّهٗ قالَ اذا صَحَّ الحديثُ فَهُوَ مَذْهَبِي۔[۲]

حقیقت یہ ہے کہ امراء و حکامِ اسلام ائمہ دین وغیرہم کی اطاعت اس وقت تک جائز و واجب ہے جب تک ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی معصیت سرزد نہ ہو۔ اگر ان کا کوئی حکم خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف ہو تو پھر اس کی اطاعت حرام ہے۔ احادیث پاک میں صراحت و تاکید موجود ہے۔

۱۔ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكره مالم يُؤمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (متفق عليه)[۱]

حکم کو سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلمان مرد پر فرض ہے خواہ وہ حکم پسند آئے یا ناپسند ہو۔ جب تک اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ جب اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو مسلمان پر اس کی سمع و اطاعت جائز نہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

---

[۱] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الامارۃ۔ [۲] تفسیر مظہری جلد ۲، ص ۸۰۹، سورۃ النساء۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خلیفہ عبدالملک کو جو بیعت نامہ لکھ کر بھیجا اس میں حمد وثنا کے بعد لکھا:

وَاُقِرُّ لَکَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ عَلٰی سُنَّةِ اللّٰهِ وَسُنَّتِ رَسُوْلِهٖ فِیْمَا اسْتَطَعْتُ بِهٖ.[1]

میں تیری بات سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں (بشرطیکہ) اللہ تعالیٰ کے حکم اور سنتِ رسول کے موافق ہو۔ (وہ بھی) اپنی طاقت کے مطابق۔

۳۔ بروایت نواس بن سمعان، ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ. (رواہ فی شرح السنہ)[2]

خدا کے احکام کی خلاف ورزی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت (کا کوئی حق) نہیں۔

۴۔ بروایت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةٍ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ. (متفق علیہ)[3]

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں (کسی کی) اطاعت (روا) نہیں۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوتی ہے۔

۵۔ بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَی اللّٰهَ. جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت جائز نہیں۔

شرک فی العبادت:

شرک فی العبادت کا مختصر ذکر تو ہو چکا ہے، لیکن اقسامِ شرک میں سے شرک فی العبادت ہی ایک ایسی قسم ہے جس میں اولادِ آدمؑ ہمیشہ زیادہ مبتلا رہی ہے۔ سجدہ رکوع، نذر و منت، نحر و قربانی، یہ اعظم انواعِ عبادت ہیں، اور اللہ کے باغی و طاغی بندوں نے عبادت کی ان انواع میں اللہ کے ساتھ عموماً شرک کیا ہے۔ لہٰذا اب ان اعظم انواعِ عبادت سے جدا جدا بحث کی جاتی ہے۔

---

[1] مؤطا مالکؒ باب ماجاء فی البیعۃ۔

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الامارۃ۔ [3] ایضاً۔

[4] ابن ماجہ باب لا طاعۃ فی معصیت اللہ۔

سجدہ

عبادت ''افراط فی التعظیم'' سے عبارت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سجدہ مسجود کی انتہائی تعظیم اور ساجد کی انتہائی ذلت وانکساری پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ صرف ذات پاک ربّ العزت کا حق ہے۔ ارشاد فرمایا:

۱. یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ. (۱۷۔ حج، ع ۱۰)

اے ایمان والو! تم رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

رکوع ہو یا سجدہ، یہ عبادت کے افراد ہیں اور عبادت ربّ تعالیٰ کا حق ہے، جو خالق ہے۔ یہ کسی مخلوق کا حق نہیں، صرف خالق کا حق ہے۔ ارشاد فرمایا:

۲. لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (۲۴. حٰم السجدہ، ع ۵)

تم نہ سورج کو سجدہ کرو، اور نہ چاند کو، اور (صرف) اللہ کو سجدہ کرو، جس نے ان کو پیدا کیا، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

ان دونوں آیات میں سجدہ کو عبادت فرمایا گیا ہے اور خاص خدائے واحد کا حق، جو کائنات کا خالق اور ربّ ہے۔ یہ مخلوق کے لیے روا نہیں، منع ہے، حرام ہے، خواہ وہ مخلوق شمس وقمر ہو یا نبی اور ولی یا کوئی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کو عبادت سے تعبیر فرمایا ہے، اور اسے خاص ربّ تعالیٰ کا حق فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی ذات کے لیے بھی اسے جائز قرار نہیں دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ تھے کہ ایک اونٹ آیا اور اس نے (اللہ کے حکم سے بطور خرق عادت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، تو آپ کے اصحابؓ نے آپ سے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں، ہم (ان سے) زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ وَلَوْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (رواہ احمد)[1]

اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو، اگر میں کسی کو یہ اجازت

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب عشرۃ النساء۔

دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی میں سجدہ کو عبادت قرار دے کر عبادت کو ربّ تعالیٰ کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور اپنے لیے اکرام و تعظیم کا امر فرمایا۔ محبتِ قلبی سے تعظیم کی حد تک تعظیم اور اطاعت و فرمانبرداری پر مشتمل اکرام و تکریم محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے لیکن سجدہ جو عبادت وعبودیت کی غایت ونہایت ہے یہ صرف اللہ ربّ العزت کا حق ہے، اللہ کے سوا کسی کا بھی حق نہیں۔ اور اگر کسی کو کسی کا سجدہ کرنا روا ہوتا تو پھر عورت کو حکم ہوتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے (نواحِ کوفہ) حیرہ کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "حیرہ والے اپنے رئیس کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپ (ان سے) زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میری قبر پر تیرا گزر ہو تو کیا تو میری قبر کو سجدہ کرے گا؟" میں نے عرض کیا "نہیں (قبر کو سجدہ نہیں کروں گا)" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ.

سجدہ نہ کرو۔ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اسے امام احمدؒ نے بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[1]

ان ارشاداتِ نبوت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ سجدہ صرف اللہ کا حق ہے اور اللہ کے سوا کسی کا بھی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حق نہیں وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت پر مرد کا جو حق ہے وہ کسی پر کسی کا نہیں۔ مسلمان بہنوں کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے سبق لینا چاہئے اور اپنے خاوند کی اطاعت و فرمانبرداری اور تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھنی چاہئے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب عشرۃ النساء۔

سجدہ لغیر اللہ کا حکم

حرام ہے: شرح فقہ اکبر میں ہے: والسجدة حرام لِغير الله سبحانه[1]
(اللہ سبحانہٗ کے سوا سجدہ حرام ہے)

کفر ہے: شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کا قول ہے:

اِنْ كَانَ لِغَيْرِ اللّٰهِ عَلٰى وَجْهِ التعظيم كفرٌ قال القهستاني وفي الظهيريه يكفر بالسجدة مطلقاً.[2]

اگر سجدہ غیر اللہ کی تعظیم کے پیش نظر ہے تو کفر ہے قہستانی نے کہا اور ظہیریہ میں ہے کہ مطلق سجدہ کرنے سے کافر ہو جائے گا۔

کبیری میں ہے: لَوْ سَجَدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى يكفر.[3]

شرک کے قریب ہے: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الافراط في التعظيم حَتّٰى يَتَاخَمَ الشرك كَالسَّجدة ولثم الارض.[4]

مثلاً سجدہ اور زمین بوسی تعظیم میں حد سے بڑھ جانا حتیٰ کہ شرک کے قریب تر ہو جانا ہے۔

غیر اللہ کے لیے جائز نہیں: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ[5] رقمطراز ہیں:

اے برادر سجده كه عبارت از جبين بر زمين نهادن است متضمن نهايت تذلّل و انكسار است و مشتمل بر كمال تواضع مخصوص بعبادت واجب الوجود جلّ سلطانهٗ داشته اند، وغير او سبحانه را تجويز نه نموده.[6]

اے بھائی! سجدہ کہ زمین پر پیشانی رکھنا ہے یہ انتہائی ذلت و عاجزی اور کمال تواضع و فروتنی پر مشتمل ہے، لہٰذا تواضع کی یہ قسم ذات پاک واجب الوجود جل سلطانہ کی عبادت کے لیے خاص ہے اور اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔

---

[1] شرح فقہ الاکبر، ص ۲۳۰۔ [2] "رد المحتار" جلد ۵، ص ۲۵۵۔ [3] "کبیری" ص ۲۶۲۔ [4] "حجۃ اللہ البالغہ" جلد ۲، ص ۵۵۶۔ [5] امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ شریعت و طریقت کے معروف و مشہور امام ہیں۔ کفر و شرک اور رفض و بدعت کے خلاف جہاد عظیم کیا۔ نورالدین جہانگیر کے دربار میں رسمی سجدہ نہ کیا جس کی پاداش میں برسوں گوالیار کے قلعہ میں محبوس و مقید رہے۔ سال وفات ہے ۱۰۳۴ھ۔
[6] "مکتوبات امام ربانی" جلد ۲، مکتوب ۹۲۔

بیت اللہ کو سجدہ کرنا بھی کفر ہے: تو سجدہ صرف اللہ کا حق ہے۔ اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی جائز نہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بیت اللہ کو سجدہ کرے گا تو بھی کافر ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے:

حَتّٰی لَوْ سَجَدَا لکعبۃ نفسھا کَفَرَ۔

یہاں تک کہ اگر نفسِ کعبہ کو سجدہ کیا تو کافر ہو جائے گا۔

علامہ ابن عابدین المعروف شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اگر اس کا مسجود اللہ تعالیٰ ہوگا اور کعبہ کی طرف صرف منہ ہوگا تو اس کا تو حکم دیا گیا ہے اور اگر کانَ السجود لنفس الکعبۃ کفر الفسِ کعبہ کو سجدہ کیا تو یہ کفر ہے۔[1]

قبر کا سجدہ: جب کعبۃ اللہ تک کا سجدہ کفر ہے اور جب محبوبِ خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اقدس کا سجدہ جائز نہیں، حتیٰ کہ ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سجدے کی اجازت نہیں جیسا کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ اور حضرت قیس بن سعد اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کی روایات مندرجہ بالا سے ثابت ہے تو کسی اور کی قبر کے لیے سجدہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرات اولیاء اللہ وصلحاء اُمت کی قبروں کو سجدہ ناجائز، حرام بلکہ کفر ہے۔ جیسا کہ ائمہ اعلام دین وفقہاء عظامِ اُمت کے ارشادات سے واضح ہے۔ "شرعۃ الاسلام" میں ہے:

وَلَا یَتَّخِذ مشاھد الصلحاء والانبیاء مساجد ای متعبدا فانّہ فعل الیھود۔[2]

اولیاء وانبیاء کی مزاروں کو سجدہ گاہ نہ بنائے، یہ بیشک یہودیوں کا عمل ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی[3] رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقت وفات اپنی اُمت سے یہ خوف ہوا کہ مبادا آپ کی قبر شریف کے ساتھ وہ کچھ کریں گے جو یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کے ساتھ کیا، تو آپ نے ان کو اس سے اس طور پر منع فرمایا کہ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی جنہوں نے قبور انبیاءؑ کو مساجد بنا لیا۔"

وایں برد وطریق متصور است، یکے آنکہ سجدہ بقبور برند ومقصود

---

[1] "ردالمحتار" (شامی) جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ بحث فی استقبال القبلہ۔ [2] "الدر الفرید" ص ۱۱۷۔

[3] آپ گیارہویں صدی کے اعاظم رجالِ اُمت سے ہیں۔ "اشعۃ اللمعات" آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ "مدارج النبوۃ" وغیرہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ سالِ وفات ۱۰۵۲ھ ہے۔

عبادت آں دارند چنانکه بت پرستاں بت مے پرستند، دوم آنکه مقصود و منظور عبادت مولیٰ تعالیٰ دارند ولیکن اعتقاد برند که توجه بقبور ایشاں در نماز وعبادت حق موجب قرب ورضائے تعالیٰ است وموقع وے عظیم تر است نزد حق سبحانهٗ از جهت اشتمال وے بر عبادت ومبالغه در تعظیم انبیائے اوؒ ایں هر دو طریق نامرضی ونامشروع است، اوّل خود شرک جلی ر کفر است وثانی نیز حرام است از جهت آنکه دروے نیز اشراک بخدا تعالیٰ است اگرچه خفی است وبهر دو طریق لعن متوجه است، ونماز گزاردن بجانب قبر نبی یا مرد صالح بقصد تبرک وتعظیم حرام است، وهیچ کس را در آں اختلاف نیست۔[1]

اوراس کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ قبروں پرسجدہ کریں اور مقصد ان کی عبادت ہو جیسا کہ بت پرست بتوں کی پوجا کرتے تھے، دوسری صورت یہ کہ مقصود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ نماز وغیرہ عبادت الٰہی میں ان قبروں کی طرف متوجہ ہونا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مقام عظیم تر ہے۔ حضرات انبیاء (واولیاء) کی تعظیم میں مبالغہ اور اللہ کی عبادت دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، یہ دونوں صورتیں ناروا وغیر مشروع ہیں، پہلی صورت شرک جلی اور کفر ہے اور دوسری صورت بھی حرام ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، گو خفی ہے، اور ان دونوں صورتوں پر لعنت فرمائی گئی ہے اور نبی یا نیک مرد (ولی) کی قبر کی طرف تعظیم وبرکت کی نیت سے منہ کرکے نماز پڑھنا حرام ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

عبادت کی نیت سے نہیں، بلکہ تبرک وتعظیم کی غرض سے نبی یا ولی کی قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا بالاتفاق حرام ہے۔

اگر قبر کو سجدہ کرنے سے مقصود صاحب قبر کی عبادت ہے، جیسے بت پرست بتوں کی پوجا کرتے ہیں، تو یہ شرک جلی ہے، اور کفر! اور اگر مقصد قبر یا صاحب قبر کی عبادت نہ ہو بلکہ مقصود خدا کی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ ہو کہ یہاں اللہ کی نماز پڑھنا موجب قرب ورضاء الٰہی ہے تو یہ شرک خفی ہے اور حرام!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے وہ ان ہر دو طریقوں کو شامل ہے۔

---

[1] "اشعۃ اللمعات" جلد اوّل باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔

اگر قبر کی عبادت کی نیت سے قبر پر نماز پڑھے گا، سجدہ کرے گا تو ملعون ہوگا اور اگر نیت تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے لیکن تبرک و تعظیمِ قبر کے پیشِ نظر قبر پر سجدہ کرے گا تو بھی ملعون ہوگا۔

قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں:

قبر کو سجدہ گاہ بنانا تو بجائے خود قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس میں ایہامِ شرک ہے، اور قبر کی تعظیم بلیغ! حضرت ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا. (رواہ مسلم)[1]

قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھو۔

جہاں قبر کی تعظیم منع ہے وہاں اس کا استخفاف بھی منع ہے۔ جہاں ان کا سجدہ وطواف وغیرہ حرام ہے وہاں قبروں پر قدم رکھنا، ان پر چلنا یا ان پر بیٹھنا بھی ممنوع ہے۔

مطلق مقبروں میں نماز مکروہ ہے:

لِاَنَّ اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصّالحین مَساجِدَ وَقیل لِاَنَّهٗ تشبه بالیهود.[2]

کیونکہ بتوں کی عبادت کی اصل اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہے اور کہا گیا ہے کیونکہ یہ یہودیوں کے مشابہ ہے۔

نمازِ جنازہ:

شریعت میں قبر کو سجدہ کرنے کی گنجائش کہاں ہوگی، جبکہ نمازِ جنازہ میں سجدہ کی اجازت نہیں، حالانکہ سجدہ اصلِ نماز ہے، اور کوئی نماز ہو، فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، ہر نماز میں ایک رکعت کے اندر دو سجدے ہیں۔ سجدہ کے بغیر کوئی نماز صحیح نہیں۔ لیکن ایک نمازِ جنازہ ہے جس میں سجدہ کی اجازت نہیں۔ کیونکہ سامنے چارپائی پر میت موجود ہے۔ اللہ کی غیرت اور نبی کی شریعت اجازت نہیں دیتی کہ یہاں انسان اپنی پیشانی غیر اللہ کے سامنے جھکائے، اپنی جبینِ نیاز خم کر دے۔ اللہ کی جو غیرت زمین کے باہر میت کے سامنے سجدہ کی

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب دفن المیت، جامع ترمذی باب ما جاء فی کراہۃ المشی علی القبور.....

[2] "شامی" جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ، کراہۃ الصلوٰۃ فی المقبرہ۔

روادار نہیں، وہ اس میت کو جبکہ یہ زیر زمین قبر میں دفن ہوگئی، سجدہ کرنا بھلا کب گوارا کر سکتی ہے؟

مسِ قبر تک حرام ہے: قبر کے فتنۂ عظیم سے بچنے کے لیے شریعت نے جہاں قبر کے نزدیک یا قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے، سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے، وہاں قبر کو ہاتھ تک لگانے سے بھی شدت کے ساتھ روکا ہے، اور حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے اسے نصاریٰ کی عادت وسنت قرار دیا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:[1]

وَلَا يمسح القبر وَلَا يُقَبِله فَإِنَّ ذٰلک مِنْ عَادَةِ النصارى وَقَالَ المناوى فى شرح جامع الصغير لَا يمسّ القبر وَلَا يُقَبله فَانَهٗ مِنْ عادة النصارى وَقَالَ فى المضمرات لَا يقبّل القبور لِاَنَّهٗ عادة النصارى وَقال فى التاتار خانيه وَلَا يقبّل القبور لَانَهٗ من عَادة النصارى.

"نہ تو قبر کو ہاتھ لگائے اور نہ ہی اسے بوسہ دے، بیشک یہ نصرانیوں کا شیوہ ہے۔" مناویؒ نے "شرح جامع الصغیر" میں کہا ہے "قبر کو مس نہ کرے اور نہ اسے بوسہ دے، یہ نصاریٰ کی عادت ہے" اور "مضمرات" میں ہے "قبروں کو بوسہ نہ دے کیونکہ یہ نصرانیوں کا شیوہ ہے" اور "تاتارخانیہ" میں ہے "قبروں کو بوسہ نہ دے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے"۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے: قال الفقهاء الخراسانيون لا يمسح القبر ولا يُقبّله وَلا يمسه فَإِنَّ ذٰلک من عادة النصارى.[2]

قبر کو بوسہ دینا نصرانیوں کا شیوہ ہے: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

واز جمله آداب زيارت ست که رو بجانب قبر و پشت بجانب قبله مقابل روئے میّت بالستد وسلام دهد ومسح نکند قبر را بدست، وبوسه نه دهد آن را ومنحنى نشود وروئے بخاک نمالد که این عادتِ نصارىٰ است.[3]

---

[1] جلد ۴، کتاب الکراہیۃ، باب ۱۶، فی زیارۃ القبور۔ [2] "الدر الفرید" ص ۱۲۳۔

[3] "اشعۃ اللمعات" جلد ۱، ص ۷۶۲، باب زیارۃ القبور۔

زیارتِ قبر کے آداب میں سے ہے کہ قبر کی طرف منہ اور قبلہ کی جانب پیٹھ کر کے میت کے منہ کے مقابل کھڑا ہو جائے اور سلام کہے، قبر کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ بوسہ دے اور نہ جھکے اور نہ زمین پر منہ رگڑے کہ یہ نصاریٰ کا شیوہ ہے۔

شمس العارفین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ قبر پر ہاتھ رکھنے اور اسے بوسہ دینے کو یہودیوں کی عادت فرماتے ہیں:

وَاِذَا زَارَ قَبْرًا لَا يَضَعُ يَدَهٗ عَلَيْهِ وَلَا يُقَبِّلُهٗ فَاِنَّهٗ عَادَةُ الْيَهُوْدِ.

امام غزالی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا يَمْسَحِ الْقَبْرَ وَلَا يمسه وَلَا يقبله فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَادَةِ النصارى.[۱]

اجلہ ائمہ حدیث وفقہ وتصوف کے ارشادات سے ثابت ہو گیا کہ قبر کو ہاتھ تک لگانا یا اس کا بوسہ لینا یہ سنت وعادتِ یہود ونصاریٰ ہے۔ اسلام کے اندر اس کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

مزارِ رسولِ اکرم:

اور کسی بزرگ یا امام یا ولی کی قبر کے لیے ان امور کی گنجائش کب ہوگی جبکہ خود سیدِ دو عالم، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارِ پُر انوار کے لیے بھی اجازت نہیں۔ اکابر ائمہ دین کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱۔ امام الحدیث والفقہ حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا يمسّ القبر وَلَا التابوت وَلَا الجدار لورد النّهى عَنْ مِثْلِ ذٰلك بِقبر النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم فكيف بقبورِ سائر الْاَنَامِ وَلَا يُقَبِّلُهٗ فَاِنّه زِيَادَة عَلَى الْمسّ فَهُوَ اَوْلٰى بالنّهى فالتَّقبِيْلُ مُخْتَصٌّ بالحجر الْاَسْوَدِ وبايدى الانبياء عليهم السلام والعلماء والصلحاء.[۳]

نہ تو قبر کو نہ ہی تابوت کو اور نہ ہی دیوار کو ہاتھ لگائے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر اس قسم کے سب کاموں کی ممانعت وارد و ثابت ہے تو عام لوگوں کی قبروں پر کیسے جائز ہوں گے؟ اور نہ ہی قبر کو بوسہ دے، کیونکہ یہ ہاتھ لگانے سے زیادہ ہے، یہ نہی کا زیادہ مستحق ہے اور بوسہ لینا حجر اسود اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور علماء وصلحاء کے ہاتھوں کے ساتھ مخصوص ہے۔'

---

۱ "غنیۃ الطالبین" جلد ۱، ص ۳۳۔ ۲ "احیاء العلوم" باب زیارۃ القبور۔

۳ "شرح عین العلم"۔

۲۔ فتاویٰ عالمگیریؒ میں ہے:

فیتوجّه إلى قبرہٖ صلی الله علیه وسلم فیقف عند راسهٖ مستقبل القبلة ثم یدنوا منه ثلثة اذرع او اربعة وَلَا یَدْنُوْ منه اکثر من ذلک وَلَا یضَعُ یده علی جدار التربة فهو اهیب واعظم للحرمة۔[1]

پس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی طرف متوجہ ہو اور سر اقدس کے سامنے کھڑا ہو، آپ کے تین یا چار ہاتھ قریب، اس سے زیادہ قریب نہ ہو اور نہ ہی مزار کی دیوار پر ہاتھ رکھے، اس میں آپ کی حرمت وعظمت زیادہ ہے۔

۳۔ وفاء الوفاء میں علامہ سمہودیؒ[2] رحمہ اللہ ایک مستقل فصل فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ میں رقمطراز ہیں:

ومنها ان یجتنب لمس الجدار وتقبیله والطواف به والصّلٰوة الیه قال النووی لا یجوز ان یطاف بقبرہ صلّی الله علیه وسلّم ویکرہ الصدق البطن والظهر بجدار القبر قاله الحلیمی وغیرہ قال ویکرہ مَسحَهٗ بالید وتقبیله بل الادب یبعد منه کما یبعد منه لو حضر فی حیاتهٖ هٰذَا هُوَ الصّواب. وهو الذی قاله العلماء وَاَطْبَقُوْا علیه وَمَن خطر بباله ان المسح بالید ونحوہ ابلغ فی البرکة فهوَ من جهالتهٖ وَغفلتهٖ لِاَنَّ البرکة اِنما هِیَ فیما وافق الشرع واقوال العلماء.

.....وروی ان انس بن مالک رضی الله عنه رای رجلًا وَضَعَ یدهٗ علٰی قبر النبی صلی اللّٰهُ علیه وسلم فنهاہ وقال ما کنا نعرف هٰذَا علٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وقد انکرہ مالکؒ والشافعیؒ واحمد رحمه الله اَشَدَّ الْاِنکار.

وَفی تحفة ابن عساکر رحمه الله لیس من السنة ان یَّمَسَّ جدار القبر المقدس وَلَا اَنْ یقبّله وَلَا یطوف به کما یفعله اَلجُهّال، بل یکرہ ذلک ولا یجوز والوقوف من بُعْدٍ اَقْرَبُ الیٰ الْاِحْترام ثم روی من طریق ابی نعیم اَنَّ ابن عمر رضی الله عنهما کان یکرہ ان یکثر مسّ قبر النبی صلی الله علیه وسلم وَقالَ ابوبکر الاثرم

---

[1] فتاویٰ عالمگیریہ کتاب المناسک باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] علامہ نورالدین علی بن احمد السمہودی بڑے جلیل القدر امام ہیں۔ "وفاء الوفاء" مدینہ طیبہ کے حالات پر چار جلدوں میں آپ کی بڑی ضخیم وعظیم تصنیف ہے۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

رحمہ اللّٰہ قلتُ لابی عبداللّٰہ یعنی احمد بن حنبل رحمہ اللّٰہ قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یلمس ویتمسّح بہ قال لا اعرف ھذا. وقال ابن قدامہ من الحنابلہ فی المغنی وَلَا یستحبُّ التمسح بحائط قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال احمد ما اعرف ھذا قال الاثرمؒ رایتُ اھل العلم من اھل المدینۃ لا یمسّون قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بل یقومون مِن ناحیۃ فَیُسَلِّمُوْنَ قالَ ابوعبداللّٰہ: وکان ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما یفعل ذالک ومنھا اجتناب الانحناء للقبر عند التسلیم قال ابن جماعۃ: قال بعض العلماء اِنّہ من البدع ویظن من لا علم لہُ انّہٗ من شِعار التعظیم واقبح منہ تقبیل الارض للقبر لم یفعلہ السلف الصالح والخیر کلہ فی اتّباعِہٖ[1]

اور آدابِ زیارت میں سے ہے کہ دیوار کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے اور اس کا طواف کرنے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے اجتناب کرے۔ علامہ نوویؒ نے کہا ہے کہ حضرتؐ کی قبر کا طواف جائز نہیں اور قبر اقدس کی دیوار کے ساتھ پیٹ اور پیٹھ کا مس کرنا مکروہ ہے۔ یہ حلیمی وغیرہ نے کہا ہے اور کہا کہ قبر اقدس کی دیوار کو ہاتھ لگانا اور اسے بوسہ دینا مکروہ ہے بلکہ ادب یہ ہے کہ اس سے دُور رہے جیسا کہ آپؐ کی حیاتِ مقدسہ میں آپؐ سے دور رہتا، اور یہی صواب وصحیح ہے اور سب علماء نے یہی کہا ہے اور جس کو یہ خیال گزرے کہ ہاتھ لگانے وغیرہ میں برکت ہے سو یہ اس کی جہالت وغفلت ہے۔ کیونکہ برکت تو شرع کی موافقت میں ہے اور علماء کے اقوال کی متابعت میں ہے۔

اور مروی ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک نے ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اقدس پر ہاتھ رکھے دیکھا تو اسے اس سے روکا اور فرمایا کہ ہم عہدِ رسول اللہؐ میں اس فعل کو (اچھا) نہیں جانتے تھے اور امام مالک اور شافعی اور احمد رحمہم اللہ نے بھی اس پر انکار کیا ہے شدید انکار۔

اور تحفہ ابن عساکرؒ میں ہے کہ قبر مقدس کی دیوار کو مس کرنا سنت نہیں۔ نہ ہی اسے بوسہ دے اور نہ ہی اس کا طواف کرے جیسا کہ جہلا کرتے ہیں بلکہ یہ مکروہ ہے اور ناجائز، اور دُور کھڑا ہونے میں زیادہ احترام ہے۔ پھر ابونعیم نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نبی کریمؐ کی قبر پاک کو زیادہ مس کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر الاثرم کا قول ہے کہ میں نے حضرت امام احمد

---

[1] "وفاء الوفاء" جز رابع ص ۱۴۰۲ تا ۱۴۰۶، ملخصاً بلفظہ۔

بن حنبلؒ سے پوچھا کہ قبرِ رسولؐ کو مس کیا جائے ہاتھ لگایا جائے؟ فرمایا میں یہ نہیں جانتا، اور حنابلہ میں سے امام ابن قدامہؒ نے المغنی میں کہا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اقدس کی دیوار کو ہاتھ لگانا مستحب نہیں اور نہ ہی اسے بوسہ دے، امام احمدؒ نے فرمایا: میں اسے نہیں جانتا، اثرمؒ نے کہا: میں نے اہل مدینہ کے اہل علم کو دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مس نہیں کرتے تھے بلکہ ایک طرف کھڑے ہوکر سلام کہتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ ایسا ہی کرتے تھے اور آدابِ زیارت میں سے ہے کہ سلام پڑھتے وقت قبر پر جھکنے سے اجتناب کیا جائے۔ ابن جماعہ نے کہا: بعض علماء نے کہا کہ یہ بدعت ہے اور بے علم سمجھتا ہے کہ یہ تعظیم ہے، اور قبر کی زمین بوسی کرنا جھکنے سے زیادہ قبیح ہے، سلف صالحین نے ایسا نہیں کیا اور ان کے اتباع میں خیر ہی خیر ہے۔

اِنحِناء (جھکنے) کی بھی اجازت نہیں:

شریعت نے سجدہ اور رکوع تو بجائے خود رہا، بندے کو بندے کے آگے جھکنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے اسے فعل مجوس قرار دیا ہے:

وَامّا الْاِنْحِناء للسلطان اَوْ لغيره فَمَكْرُوْهٌ لِاَنَّهٗ يَشْبَهُ بِفِعْلِ المجوسِ كذا فى الدُّرَرِ.... وَفى جواهر الاخلاطى "اَلْاِنْحِناءُ لِلسُّلْطَانِ اَوْ لِغَيْرِهٖ مَكْرُوْهٌ لِاَنَّهٗ يَشْبَهُ فعل المجوس وفى التمرتاشى ويكره الانحناء عند التحية وبه وَرَدَ النهى.

بادشاہ یا کسی اور کے لیے جھکنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مجوسیوں کے کردار سے ملتا جلتا ہے۔ یہ "دُرر" میں ہے۔ اور "جواہر الاخلاطی" میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے لیے جھکنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوس کے عمل کے مشابہ ہے اور "تمرتاشی" میں ہے کہ ملاقات کے وقت جھکنا مکروہ ہے اور اس پر نہی وارد ہے۔

شامی میں ہے:

وَفى المحيط اَنَّهٗ يكره الانحناء للسلطان وغيره.[2]

اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے لیے جھکنا مکروہ ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ کتاب الکراہیۃ، باب ۲۸۔ [2] "ردالمحتار" جلد ۵، ص ۲۵۵۔

[2] "ردالمحتار" (شامی) کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ۔

جو شریعت کسی زندہ انسان کے آگے جھکنے کی اجازت نہیں دیتی وہ کسی فوت شدہ بزرگ کی قبر کو سجدہ کرنے یا اس پر جھکنے کی اجازت کب دے سکتی ہے؟

سلام کرتے وقت جھکنا حرام ہے: شریعتِ محمدیؐ نے انسان کو انسان کے آگے جھکنے سے اس شدت سے روکا ہے کہ سلام وملاقات کے وقت اگر زیادہ جھک جائے گا تو یہ بھی حرام ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وفی الزاهدی الایماءُ فی السلامِ الی قریب الرکوع کالسجود.[ع]

اور زاہدی میں ہے کہ سلام کرتے وقت رکوع کے قریب جھک جانا سجدے کی طرح (حرام) ہے۔

عبرت: شریعت نے ابن آدم کو اتنی بلندی وعظمت عطا کی کہ اُسے تحیہ وسلام کے وقت کسی کے آگے جھکنے کی اجازت نہیں دی، لیکن آج آدمی اتنا ذلیل اور پست ہو گیا، اپنے بلند وبالا مقام سے اتنا گر گیا کہ آدمی تو آدمی! مٹی اور چونے کے سامنے جھک رہا ہے اور قبر کو سجدہ کر رہا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

جس دین میں آدمی سے ملتے وقت رکوع کے قریب جھک جانا سجدے کی طرح قرار دے کر حرام ٹھہرایا گیا ہو، اس دین میں کسی غیر اللہ کے لیے رکوع اور سجدہ کے جواز کا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

نذر (منّت)

نذر عبادت ہے، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور غیر اللہ کے لیے نذر و منت جائز نہیں، حرام ہے، شرک ہے۔

۱۔ طاہر بن احمد رحمہ اللہ (متوفی ۵۴۲ھ) کے "خلاصۃ الفتاویٰ" میں ہے:

النذرُ لِغَیرِ اللّٰہِ حَرَامٌ لِاَنَّہٗ مِنْ اَنْوَاعِ الْکُفرِ لِاَنَّ ھٰذَا عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لِغَیرِ اللّٰہِ کُفرٌ۔[1]

غیر اللہ کی نذر حرام ہے، کیونکہ یہ کفر کی ایک قسم ہے۔ اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کفر ہے۔

۲۔ علامہ ابن نجیم مصریؒ (متوفی ۹۷۰ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف "بحر الرائق" میں اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ وغیرہ رقمطراز ہیں:

وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَا تَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ۔[2]

نذر مخلوق کے لیے جائز نہیں، اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کا حق ہی نہیں۔

حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی جائز نہیں، چنانچہ:

۳۔ فتاویٰ کاملیہ میں ہے:

سئلت عَنِ النَّذْرِ لانبیاء وَالاولیاء ھَلْ یجوز اَمْ لَا فَالجواب اَنَّہٗ بَاطِلٌ وحرامٌ لِاَنَّ النَّذْرَ اِنَّمَا یَکُوْنُ لِلّٰہِ تعالٰی۔[3]

سوال یہ ہے کہ حضرات انبیاءؑ و اولیاء کے لیے نذر جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ باطل و حرام ہے، کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

غیر اللہ کی بھینٹ چڑھانے پر عذابِ جہنم:

غیر اللہ کے تقرب کے لیے بھینٹ چڑھانا اتنا شدید گناہ ہے کہ مکھی جیسی حقیر و ذلیل جان

---

[1] "خلاصۃ الفتاویٰ" جلد ۴ ص ۳۲۸۔ [2] "شامی" جلد ۲، کتاب الصوم، مطلب فی النذر۔ [3] "الدر الفرید" ص ۹۸۔

کو بھینٹ چڑھائے گا تو جہنم میں جائے گا۔ طارق بن شہاب سے مرفوعاً روایت ہے کہ فرمایا: صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک شخص جنت میں داخل ہوا اور صرف ایک مکھی کی وجہ سے ایک جہنم میں داخل ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ فرمایا: کسی قوم کا ایک بت تھا۔ وہاں سے کوئی شخص اس بت پر بھینٹ چڑھائے بغیر نہیں گزر سکتا تھا۔ دو شخص ادھر سے گزرے۔ ان لوگوں نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: نیاز چڑھاؤ۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ انہوں نے کہا: ضرور چڑھاؤ خواہ ایک مکھی ہی ہو۔ فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَدَخَلَ النَّارَ. چنانچہ اس نے (پکڑ کر) ایک مکھی (اس بت پر) بھینٹ چڑھادی اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، پس وہ دوزخ میں گیا۔ اب دوسرے سے کہا: تو نیاز چڑھا۔ اس نے کہا: مَا كُنْتُ لِاُقَرِّبَ شَيْئًا دُوْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَهٗ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ. خدا کی ذات کے سوا میں کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا۔ اس پر انہوں نے اس کی گردن اڑا دی، پس وہ داخل جنت ہوا۔ اسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔[1]

ذبح وغیرہ کوئی عبادت اور نیکی ہو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے:

حضرت نبیشہؓ ہذلی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کفر کے زمانہ میں رجب کے مہینے میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے، آپ اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا:

> اِذْبَحُوْا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ اَیِّ شَهْرٍ كَانَ وَبَرُّوْا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَطْعِمُوْا. (رواه النسائی)[2]
>
> ایک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ذبح کرو، خواہ کسی مہینہ میں کرو۔ اور جو بھی نیکی کرو، اللہ عزوجل ہی کے لیے کرو۔ اور اسی کی رضا کے لیے کھانا کھلایا کرو۔

تو ذبح و نذر صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ نذر و منت اور جانور ذبح کرنے ہی پر بس نہیں بلکہ جو بھی نیکی اور عبادت ہو اللہ ربّ العزت ہی کے لیے ہو۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

---

1 "ترجمان السنہ" جلد دوم حدیث نمبر ۷۶۲۔ 2 ایضاً حدیث نمبر ۷۶۳۔

ذبح لغیر اللہ: نذر و منت ہر قسم کی عبادت کی ہو سکتی ہے۔ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، زر و مال، ماکولات و مشروبات، طعام و کلام کی منت مانی جا سکتی ہے۔
جانور ذبح کر کے اس کا گوشت کچا یا پکا کر غرباء و مساکین کو کھلانے کی نذر بھی ہو سکتی ہے اور یہ نذر کی ایک عظیم قسم ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث میں اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج تھا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ. (رواہ مسلم)[1]

اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔
امام احمد رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے، اور ابو داؤد میں بھی اس مضمون کی روایت ہے
کتاب اللہ قرآن کریم میں چار[2] مقامات پر غیر خدا کے لیے ذبح کو حرام فرمایا گیا ہے۔
فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ.[1]

(پارہ ۲۔ بقرہ، رکوع ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار اور لہو اور خنزیر کا گوشت، اور جو کچھ (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔

۱۔ اَھَلَّ کے معنی لغت میں ہیں: چاند دیکھتے وقت لوگوں کا آواز کرنا، بچے کا رونے میں آواز بلند کرنا، تلبیہ کہنے والے کا بلند آواز سے تکبیر کہنا، کوئی نعمت پا کر اللہ کا ذکر بلند آوازی سے کرنا۔[3]

۲۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:
الاہلال کے اصل معنی چاند نظر آنے پر آواز بلند کرنے کے ہیں، پھر یہ لفظ عام آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور آیت وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ. کے معنی ہیں کہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔[4]

۳۔ "لغات القرآن" ملاحظہ ہو:

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" کتاب الصید والذبائح۔
[2] بقرہ[1] رکوع ۲۱۔ مائدہ[2] رکوع اوّل۔ انعام[3] رکوع ۱۸۔ نحل[4] رکوع ۔
[3] المنجد۔ [4] "مفردات القرآن" ص ۱۰۱۸۔

اُھِلَّ: پکارا گیا۔ اہلال کے معنی اصل میں چاند دیکھتے وقت آواز لگانے اور پکارنے کے ہیں، پھر ہر آواز کے متعلق اس کا استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ ولادت کے وقت بچے کے رونے اور حاجیوں کے لبیک کہنے کو اہلال کہا جاتا ہے۔ (آیت میں) اِہلال کے وہی لغوی اور عرفی معنی یعنی نامزد کرنا آواز لگانا اور ذکر کرنا مراد ہیں۔ پس جس جانور کو بھی اللہ کے سوا کسی غیر کی نذر سے نامزد کیا جائے خواہ وہ غیر بت ہو یا جن یا خبیث روح یا پیر یا پیغمبر، یا کوئی مکان یا تھان، اور اس نیت سے ذبح کیا جائے کہ اس سے ان کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہوگا اور وہ اس کی حاجت روائی کریں گے، سو وہ جانور حرام اور وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل ہے اور ایسا کرنے والا مشرک اور دائرہ توحید سے خارج ہے، خواہ وقتِ ذبح ذبیحہ پر بسم اللہ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔[1]

۴۔ تفسیر روح المعانی[2] اور رد المحتار[3] (شامی) وغیرہ میں "انوار التنزیل[4]" تفسیر ابی سعود اور تفسیر مظہری (جلد اوّل ص ۱۳۶) میں یہی لکھا ہے کہ:

اہلال کی اصل رویئت ہلال کے وقت آواز بلند کرنے کے ہیں، پھر مطلق رفع صوت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ تفسیر خازن[5]، فتح البیان[6]، جلالین[7]، معالم التنزیل[8]، تفسیر نسفی[9]، قرطبی[10] اور روح البیان (جلد۲ ص ۱۸۸) میں ہے:

واصل الاھلال رفع الصوت.[11]

لسان العرب میں ہے: وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اَیْ نُوْدِیَ علیه بغیر اسم اللّٰه وفی الصحاح قوله تعالٰی وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لغیر اللّٰه ای نُوْدِیَ علیه بغیر اسم اللّٰه واصله رفع الصوت وھکذا فی مختار الصحاح[12] یعنی لسان العرب، الصحاح اور مختار الصحاح میں ہے کہ وما اھل به لغیر اللّٰه کے معنی ہیں جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے۔ اکثر تفاسیر اور اہل لغت سے یہی ثابت ہے کہ اُھِلَّ کے معنی آواز بلند کرنا ہیں، تو وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے معنی ہوئے: جس چیز پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے یعنی جو چیز اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے نامزد کر دی جائے۔

---

[1] "لغات القرآن" جلد اوّل ص ۳۰۳۔ [2] جلد ۲، ص ۳۷۔ [3] جلد اوّل ص ۸۲۹۔ [4] جلد اوّل ص ۲۱۱۔
[5] جلد اوّل ص ۸۹۔ [6] جلد اوّل ص ۲۲۳۔ [7] ص ۲۴۔ [8] جلد اوّل ص ۶۲۔
[9] جلد اوّل ص ۲۰۹۔ [10] جلد ۲، ص ۲۲۴۔ [11] "الدر الفرید" ص ۸۷، ۸۸۔ [12] "الدر الفرید" ص ۸۹۔

اگر کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے گا تو وہ بھی وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر حرام ہو جائے گا۔ چنانچہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے قتادہ اور مجاہد سے اور در منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ منقول ہے۔[1]

غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والا کافر مرتد ہو جاتا ہے:

۱۔ تفسیر کبیر اور تفسیر نیشا پوری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

قَالَ العلماء لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيْحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهَا التَّقَرُّبَ اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيْحَتُهٗ ذَبِيحة مُرْتَدٍ۔[2]

علماء (اسلام) نے کہا: اگر مسلمان نے کسی ذبیحہ کو ذبح کیا اور اس ذبح سے غیر اللہ کے تقرب کا ارادہ کیا، وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ ایک مرتد کا ذبیحہ ہے (یعنی اس کا کھانا حرام ہے)

۲۔ محیط، غرائب القرآن، حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی، تفسیر روح البیان اور فتوحات ربانیہ وغیرہ میں بھی قریباً یہی الفاظ ہیں۔ فتوحات اور غرائب القرآن کے سوا باقی تینوں کتابوں میں آخری الفاظ ذبیحۃُ مرتدٍ کی بجائے ذبیحۃُ میتۃٌ ہیں، یعنی اس کا ذبیحہ مُردار ہے۔ فتوحات الربانیہ میں یہ الفاظ زائد ہیں: لا یحلُّ اکلھا۔ یعنی اس کا کھانا حلال نہیں۔[3]

۳۔ محی الدین علامہ نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) رقمطراز ہیں:

ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے نام پر ذبح کرے، بت کے لیے ذبح کرے یا صلیب کے لیے یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام یا اسی طرح کسی کے لیے ذبح کرے، پس یہ سب حرام ہیں اور اس ذبیحہ (کا کھانا) حلال نہیں۔

كَانَ الذابح مُسْلِمًا اَوْ نَصْرَانِيًا او يهوديًا.

ذبح کرنے والا خواہ مسلمان ہو خواہ نصرانی ہو اور خواہ یہودی۔

اسی پر امام شافعیؒ نے نص کی ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ مذبوح لہٗ کی تعظیم وعبادت مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔

---

[1] "الدر الفرید" ص ۸۹۔ [2] تفسیر کبیر جلد ۲، ص ۸۱، نیشا پوری جلد ۲ ص ۱۰۲۔

[3] ماخوذ از "الدر الفرید" ص ۹۱۔

فان کان الذابح مُسْلِمًا قَبْلَ ذٰلک صارَ بالذبح مُرْتَدًا
اگر پہلے ذبح کرنے والا مسلمان تھا تو ذبح کرنے سے مرتد ہو گیا۔[1]

جو ذبیحہ بادشاہ (حاکم، افسر، پیر مرشد وغیرہ) کی آمد پر ذبح کیا جائے علماء بخارا نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے، لِاَنَّهٗ مِمَّا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ[2] کیونکہ یہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مطلق تعظیم وتقرب کے لیے ذبح کرنا حرام ہے، مہمانی اور دعوت تو مسنون ہے۔

۴۔ فتح البیان اور فتح القدیر جلد اوّل ص ۱۴۸ میں ہے:

وَمِثله ما يقع من المعتقدِين لِلاَمْوَاتِ مِنَ الذبح عَلٰى قُبُوْرِهِمْ فَاِنَّهٗ مِمَّا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَا فرق بَيْنَه وَبَيْنَ الذَّابِح لِلْوَثَنِ۔[2]

فوت شدہ بزرگوں کے (جاہل) معتقدین کا ان کی قبروں پر ذبح کرنے کا یہی حکم ہے۔ بلاشبہ یہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے اور اس میں اور بت کے لیے ذبح کرنے والے میں کوئی فرق نہیں۔

۵۔ حضرت شاہ عبدالعزیز[3] محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ. ومگر آں جانور که آواز بر آورده شد وشهرت داده شد در حق آں جانور که لغیر الله یعنی برائے غیر خدا ست خواه آں غیر بت باشد یا روحے خبیث..... وخواه جنّے مسلّط بر خانه یا سرائے..... خواه پیرے یا پیغمبرے را بایں وضع جانورے زنده مقرر کرده دهند که ایں همه حرام است، در حدیث صحیح وارد است "ملعون من ذبح لغیر الله" یعنی هر که بذبح جانور تقرب بغیر خدا تعالٰی نماید، ملعون است خواه در وقت ذبح نامِ خدا بگیرد یا نه، زیرا که چوں شهرت داد که ایں جانور برائے فلان است، ذکر نامِ خدا بوقت ذبح فائده نه کرد، چه آں جانور منسوب بآں غیر گشت و خبثے در آں پیدا گشت که زیاده از خبث مردار است، زیرا که مردار بے ذکر نامِ خدا جان داده است و

[1] نووی شرح مسلم، ص ۱۶۰، ۱۶۱۔ [2] "الدر الفرید" ص ۹۱۔ [3] متوفی ۱۲۳۹ھ۔

جان ایں جانور را ازاں غیر قرار دادہ کشتہ اند وآں عین شرک است، وہر گاہ ایں خبث دروے سرایت کرد دیگر بذکر نام خداوند تعالیٰ حلال نمے شود مانند سگ و خوک کہ اگر بنام خدا مذبوح شوند حلال نمے گردند۔[1]

وَمَا أُهِلَّ بِهٖ. اور وہ جانور کہ اس کے حق میں آواز اور شہرت دی جائے کہ غیر خدا کے لیے ہے، خواہ وہ غیر بت ہو یا خبیث روح ہو..... خواہ کسی مکان یا سرائے پر مسلط جن ہو..... خوہ پیر یا پیغمبر ہو، ان کے نام پر اس طرح جانور زندہ مقرر کر دیا جائے یہ سب حرام ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا ملعون ہے، یعنی جو کوئی ذبح سے غیر اللہ کا تقرب چاہتا ہے وہ لعنتی ہے، خواہ ذبح کرتے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے۔ کیوں کہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں (بزرگ) کے لیے ہے پس اب ذبح کے وقت خدا کا نام لینا (یعنی بسم اللہ۔ اللہ اکبر کہنا) بے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کے نام نامزد ہو گیا اور اس میں (معنوی) خباثت پیدا ہو گئی ہے جو کہ مردار کی خباثت سے زیادہ ہے۔ اس لیے کہ مُردار نے تو خدا کے نام کے بغیر جان دی ہے اور اس جانور کو غیر اللہ کے نام سے نامزد کر کے ذبح کیا ہے اور یہ عین شرک ہے۔ اور جب یہ خباثت اس میں سرایت کر چکی ہے تو یہ اللہ کا نام ذکر کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کتے اور خنزیر کو اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو حلال نہیں ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ مضمون اپنے فتاویٰ عزیزی (جلد اوّل ص ۵۶) میں بھی رقم فرمایا ہے:

درحقیقت جان کی قربانی صرف جان آفرین کا حق ہے۔ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا یا ذبح کرنا اسلام میں حرام ہے۔ قرآن کریم میں غیر اللہ کے لیے مذبوحہ جانور کو خنزیر کے گوشت، مردار اور لہو کے ساتھ شمار فرمایا گیا ہے۔ جس طرح لحم خنزیر یا مردار پر کروڑ دفعہ بھی بسم اللہ۔ اللہ اکبر کہو تو حلال نہیں ہوتا، اسی طرح غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور..... جیسا ہندو سانڈ یا

[1] تفسیر فتح العزیز، تفسیر سورہ بقرہ آیت وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ.

گائے چھوڑتے ہیں...... یا غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے غیر اللہ کے نام پر نامزد کردہ جانور حرام ہیں۔ بوقتِ ذبح ان پر ایک بار نہیں کروڑ بار بھی اللہ کا نام لیا جائے یہ حلال نہیں ہو سکتے۔

حاکم وغیرہ کی تعظیم کے لیے ذبح کرنا حرام ہے:

شریعت نے اس بارے میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ کسی حاکم اعلیٰ کے آنے پر اس کی تعظیم کے نقطۂ نظر سے...... نہ کہ مہمانی وضیافت کے طور پر...... اگر جانور ذبح کیا جائے گا تو وہ بھی حرام ہوگا اور اس کا کھانا ناجائز ہوگا۔

۱۔ جامع الرموز (ص ۳۳۹) مجمع الانہر (جلد ۲ ص ۴۹۰) فتاویٰ بزازیہ اور زاہدی وغیرہ کتب معتبرہ فقہ میں ہے:

ذَبَحَ لِقدوم الامیر ونحوہ کواحِدٍ من العظماء یحرم لانّہٗ اُھِلَّ بِہٖ لغیر اللہ وَلَوْ ذَکَر اسم اللہ تعالیٰ وَلَوْ ذَبَحَ للضیف لا یحرم لانّہٗ سنت الخلیل علیہ السلام واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ۔[1]

حاکم اعلیٰ وغیرہ کسی بڑے آدمی کے آنے پر ذبح کیا تو حرام ہوگا کیونکہ یہ غیر اللہ (کی تعظیم) کے لیے پکارا گیا، اگرچہ (بوقتِ ذبح) اللہ کا نام ذکر کیا۔ اور اگر مہمان کے لیے ذبح کیا تو حرام نہ ہوگا کیونکہ مہمانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور مہمان کی تکریم اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔

۲۔ بحر الرائق میں ہے:

وَلَوْ ذبح لِاحد قدوم الامیر اَوْ قدوم واحِدٍ مِنَ العظماء وذکر اسم اللہ تعالیٰ یحرم اکلہ لِاَنّہٗ ذَبَحَھا لِاَجْلِہٖ تَعْظِیْمًا لہ۔[2]

بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا اور اس پر (بوقتِ ذبح) اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا تو بھی اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ اس جانور کو بادشاہ وغیرہ کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے ذبح کیا۔

---

[1] درّ مختار، کتاب الذبائح۔

[2] بحر الرائق، جلد ۸، ص ۱۹۲۔

۲۔ شامی میں ہے:

لو ذبح لقدوم الامیر ونحوہ یحرم ولو سمی۔[1]

جنات کے لیے ذبح کرنا حرام ہے:

بعض جہال جنوں سے نجات [illegible] کرنے کے لیے مرغ وغیرہ [illegible] ہیں یا نئے مکان میں آباد ہوتے وقت جانور ذبح کرتے ہیں تاکہ جنات کے شر سے [illegible] رہیں۔ شریعت میں اسے بھی حرام قرار دیا ہے:

۱۔ رَوَی ابو عبیدہ فی کتاب الاموال وَالبیہقی عن الزہری عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم انّہٗ نہٰی عن ذبائح الجن...... وذبائح الجنّ ان یشتری الرجل الدار او یستخرج العین او ما اشبہ ذلک فیذبح لہا ذبیحۃ للطیرۃ وَکَانُوْا فی الجاہلیۃ یقولون اذا فعلَ ذلک لم یضرّ اہلہا الجن فَاَبْطَلَہٗ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم۔[2]

ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں اور بیہقی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے نام پر ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے......اور جنوں کے نام پر ذبح کرنا یہ ہے کہ کسی شخص نے مکان خریدا یا چشمہ کنواں وغیرہ کھودا تو شگون کے لیے جانور ذبح کیا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسا کرنے سے جن گھر وغیرہ والوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باطل قرار دیا۔

بعض جہال کسی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں تو کاہنوں وغیرہ کے پاس جاتے ہیں۔ کاہن انہیں کہتے ہیں کہ مریض پر جن کا اثر ہے۔ میں اس پر پڑھوں گا۔ مگر جب تک خون نہیں بہایا جائے گا اور مرغ یا بکرا وغیرہ ذبح نہیں کیا جائے گا جن اسے نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ بکرا وغیرہ جانور ذبح کیا جاتا ہے، یہ سب حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

[1] "رد المحتار" شامی کتاب ذبائح۔ "رد المحتار" معروف بہ "شامی" علامہ محمد بن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) کی شہرہ آفاق تالیف ہے۔ [2] "حیاۃ الحیوان" جلد ۱، صفحہ ۲۷۰، بحث الجن۔ "حیاۃ الحیوان" علامہ دمیری (متوفی ۸۰۸ھ) رحمہ اللہ کی بڑی مشہور اور بڑی مفید کتاب ہے۔

اولیاء ومشائخ کی نذر ومنت:

نذر چونکہ عبادت ہے، اور عبادت صرف اللہ ربّ العزت کا حق ہے، اس لیے اگر اولیاء اللہ ومشائخ اُمت کے نام کی نذر مانی جائے گی تو بھی حرام ہوگی۔

۱۔ مجدد الف ثانی امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وحیوان را کہ نذر مشائخ مے کنند وبرسرِ قبر ھائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح مے نمایند، در روایات فقھیہ ایں عمل را نیز داخلِ شرک ساختہ اند ودریں باب مبالغہ نمودہ وایں ذبح را از جنس ذبائح جنّ انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرہ شرک![1]

اور جانور کو بزرگوں کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ فقہی روایت میں اس عمل کو شرک میں داخل کیا ہے اور اس باب میں مبالغہ کیا ہے اور اس ذبیحہ کو ذبائح جن کی جنس میں شمار کیا ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے اور دائرہ شرک میں داخل ہے۔

۲۔ فقہ حنفی کی مشہور ومعتبر کتاب درمختار میں ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ النَّذْرَ الَّذِیْ یقع لِلاَمْوَاتِ مِنْ اکثر العوام وَمَا یؤخذ من الدراھم والشمع وَالزیت ونحوھا الٰی ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا اِلَیْھِمْ فَھُوَ بِالْاِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ۔ (جلد اوّل مطلب فی النذر...)

جان لے کہ بلاشبہ وہ منّت جو اکثر عوام وفات یافتہ بزرگوں کے لیے مانتے ہیں اور روپے پیسے اور چراغ اور تیل وغیرہ اولیاء اللہ کی مزارات پر ان کے تقرب کی نیت سے چڑھاوے چڑھاتے ہیں سو یہ بالاتفاق باطل اور حرام ہیں۔

۳۔ خاتم الفقہاء علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوجوہ منھا انّہٗ للمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَا تکون لمخلوق ومنھا انّہٗ ان ظَنَّ اَنَّ المیّتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ دون اللہ تعالٰی واعتقادہ ذٰلک کُفْرٌ[2]

کئی وجوہ سے (باطل وحرام ہے) ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مخلوق کے لیے

---

[1] مکتوبات امام ربانیؒ، جلد ۳، مکتوب ۴۱۔ [2] شامی جلد ۲، کتاب الصوم، مطلب فی النذر.....

نذر جائز ہی نہیں کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے ہے ہی نہیں، دوسری یہ ہے کہ اس کا گمان ہے کہ میت کاموں کا اختیار رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا، سواس کا یہ عقیدہ کفر ہے۔

۴۔ بحرالرائق جلد۲ص ۳۲۰ مطبوعہ مطبع علیہ مصر میں بھی یہ الفاظ ہیں۔

۵۔ فتاویٰ ہندیہ (جلد۱، ص۱۱۱)، نہر الفائق، فتاویٰ الخیریہ (جلد۱، ص۱۸)، بحرالرائق (جلد۲، ص۳۲۰، ۳۲۱)، درمختار (جلد۱ص ۱۵۵) میں اولیاء اللہ کی نذر و منّت ماننے کو حرام باجماع المسلمین[1]، باطلٌ بالاجماع، بالاجماع باطلٌ وحرامٌ، باطلٌ اجماعًا، حرام بالاجماع کہا گیا ہے۔[2]

سیّد الرسلؐ کے لیے بھی نذر و ذبح حرام ہے:

حتیٰ کہ امام الانبیاء سیّد الرسلؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نذر و ذبح ناروا ہے۔

قَالَ صاحب الروض اَنَّ المسلم اذا ذَبح للنبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کَفَرَ قال الشوکانی واذا کان لِسید الرسل صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کفرا عندہ فکیف بذبح لسائر الاموات.[3]

"صاحب الروض" نے کہا کہ مسلمان نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذبح کیا، کافر ہوگیا۔ شوکانی نے کہا: جب سید الرسلؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذبح کرنا کفر ہے تو دوسرے بزرگوں کے لیے ذبح کرنا کیسے (جائز) ہوگا۔

تنبیہ: حضرات فقہاء اسلام نے کسی بھی مخلوق کی نذر اور منّت کو بالاجماع باطل اور حرام لکھا ہے۔ تو اب اولیاء اللہ کی نذر و منّت ماننا اور ان کے نام پر جانور ذبح کر کے ان کا تقرب حاصل کرنا اور اس فعل کو جو باجماع المسلمین قطعی حرام ہے، نہ صرف مباح و حلال بلکہ ذریعۂ عبادت سمجھنا تو کفر ہوگا۔ کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا تو شریعت میں کفر ہے۔

۱۔ شرح فقہ اکبر، فتاویٰ عالمگیری، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

مَنْ اعتقد الحرام حلالًا وعلی الندب یکفر. (شرح فقہ اکبر، ص ۲۳۷)

جس نے حرام کو حلال یا حلال کو حرام سمجھا وہ کافر ہوگیا۔ (عالمگیری احکام المرتدین)

---

[1] یہ لفظ "بحرالرائق" کے ہیں۔ [2] "الدرالفرید" ص ۹۶، ۹۹، ۱۰۳۔ [3] ایضاً ص ۹۱۔

۲۔ حضرت ملا علی قاری دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

مَنْ فَعَلَ مَا هُوَ حَرامٌ بيقين حَلالًا فَقَدْ كَفَرَ. (شرح فقہ اکبر، ص ۲۳۹)

جس نے حرام کو حلال یقین کر کے کیا بلاشبہ وہ کافر ہو گیا۔

۳۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: (جلد ۲، ص ۱۸۲، کتاب الایمان)

انّ استحلال الحرام كُفْرٌ. بلاشبہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

عندالقبر ذبح حرام ہے: کسی صاحبِ قبر ولی، امام یا نبی کے نام پر نذر ماننا اور جانور ذبح کرنا تو کہاں جائز ہوگا، مطلق قبر کے نزدیک ذبح کرنے کی بھی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ. (۶۔ مائدہ، ع ۱)

اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے، (تمہارے اوپر حرام ہے)

اگرچہ زبان سے غیر اللہ کے لیے نامزد نہ بھی کیا ہو، لیکن شرک کے کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور نیت غیر اللہ کی رضا جوئی ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہے۔ حرمت کا مدار نیتِ خبیثہ پر ہے۔ اس نیتِ خبیثہ کا اظہار قولِ خبیث سے ہو یعنی کہہ دے کہ یہ جانور فلاں بزرگ کا ہے تو بھی حرام ہے اور خواہ فعل سے اس نیت کا اظہار ہو کہ کسی قبر یا تھلے یا جھنڈے یا درخت یا مکان یا نشان پر ذبح کرے جو غیر اللہ کا تھان یعنی پرستش گاہ ہے، تو بھی حرام ہے۔

خلاصہ: نذر و منت کی ہر نوع و ہر قسم عبادت ہے اور صرف اللہ واحد کا حق! ایک اللہ کے سوا کسی کے لیے نذر، ذبح وغیرہ حرام ہے، کفر ہے، شرک ہے۔ اسے جائز و روا سمجھنے والا کافر و مرتد ہے، اور دائرہ اسلام سے خارج!

۶۔ شرکِ خفی، ریا:

"شرک فی العبادت" کی ایک قسم "ریا" ہے، جسے لسانِ نبوت سے شرکِ خفی فرمایا گیا ہے، اور شرکِ اصغر بھی! شرک کی یہ قسم بڑی خطرناک ہے، اور انسان عموماً اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

غیر اللہ کے لیے تو عبادت حرام اور شرک ہے ہی، مگر عبادت تو اللہ واحد کے لیے ہو، لیکن اللہ کی رضا کے ساتھ غیر اللہ کی خوشنودی بھی اگر شامل ہو جائے اور عبادت گزار یہ چاہے کہ لوگ اس کی عبادت دیکھ کر اس سے خوش ہوں، داد دیں، اس کی تعریف کریں، تو یہ ریا ہے، اور ریا شرک ہے۔ اللہ کی غیرت اسے بھی برداشت نہیں کرتی کہ عبادت تو اسی کی ہو لیکن نیت لوگوں کو دکھلانے کی ہو۔ جب تک نیت وارادہ اور عمل ہر لحاظ سے عبادت صرف ایک اللہ کے لیے نہیں ہوگی وہ مردود ہوگی۔ جب عبادت ایک اللہ کا حق ہے تو عبادت سے مقصود بھی ایک اللہ کی رضا ہو۔

ریا شرکِ خفی ہے:

۱۔ بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔

ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ضرور فرمایئے! فرمایا:

وہ شرک خفی ہے (مثلاً) ایک شخص نماز پڑھے اور وہ اپنی نماز کو اس لیے لمبا کردے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے۔ رواہ ابن ماجه (مشکوٰۃ المصابیح" باب الریاء)

ریاکاروں کا انجام؟ جہنم!

اگر عمل وعبادت اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہے اور نیت ریا، دکھاوا اور نمود ونمائش ہے تو پھر بڑے سے بڑے عمل اور عظیم ترین کردار پر بھی ذرہ برابر اجر نہیں ملے گا، الٹا ریا کار کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔

بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم ("مشکوٰۃ المصابیح" کتاب العلم)

قیامت کے دن سب لوگوں سے پہلے اس شخص کا فیصلہ ہوگا جو شہید کیا گیا ہوگا۔ وہ کہے گا: میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کلبت وَلاکنک قَاتَلْتَ لِاَنْ یُقَالَ جری فقد قیل. تو جھوٹا ہے، تُو تو اس نیت سے لڑا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں، سو تجھے بہادر کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے حتیٰ کہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ پھر وہ شخص لایا جائے گا جس نے علم حاصل کیا اور پڑھایا اور قرآن پڑھا۔ وہ کہے گا: علم پڑھا اور پڑھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو جھوٹا ہے، تونے تو علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اور قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، چنانچہ تجھے عالم اور قاری کہا گیا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا اور جہنم میں ڈال

دیا جائے گا۔(اسی طرح) ایک صاحب مال و دولت کو لایا جائے گا۔وہ کہے گا: میں نے تیرے لیے ہر موقع اور ہر راستہ میں خرچ کیا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو نے جھوٹ بولا، تو نے تو اس لیے خرچ کیا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔سو تجھے سخی کہا گیا۔پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(رواہ مسلم)

عبرت! عبرت! عبرت!!!

معاذ اللہ۔غور فرمایئے! اعمال بہترین ہیں، عظیم و جلیل ہیں، فی سبیل اللہ جہاد و قتال اور پھر شہادت ہے، کتاب اللہ کی تعلیم و تعلم اور قرأت و تجوید ہے، اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا ہے۔تینوں اعلیٰ سے اعلیٰ کام ہیں۔مگر چونکہ نیت خالص نہیں، لوجہ اللہ نہیں، اللہ کی رضا مطلوب نہیں، مطلوب و مقصود ریا، شہرت طلبی، داد خواہی اور اپنی مدح و ستائش ہے، لہٰذا آخرت میں انجام ذلت و رسوائی اور جہنم ہے۔

۷۔اتباعِ ہوا و ہوس، (شرک عظیم):

شرک کی ایک عظیم اور خطرناک قسم من کی پوجا ہے۔انسان اللہ کی رضا و اطاعت چھوڑ کر اپنے نفس کی رضا جوئی اور خواہشاتِ نفسانی کی اطاعت کرے۔یہ نفس کی پوجا اور ہوا و ہوس کی عبادت ہے۔ارشاد فرمایا: اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ. (جاثیہ ع ۳) یعنی کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفس کو بنا رکھا ہے......سومنات کے مندر کو ڈھا کر سونے، چاندی، چونے مٹی کے بت توڑنا آسان ہے، مگر من کے مندر کو ڈھانا اور ہوس و ہوا کے حسین بت پاش پاش کرنا بہت مشکل ہے۔

انتباہ: آجکل اتباعِ سنت سے منہ موڑ کر لوگوں نے دین میں جو بدعات اور من مانی عبادات ایجاد کر رکھی ہیں، یہ سب نفسِ شریر کی پوجا پاٹ ہے۔اللہ محفوظ رکھے۔آمین

(۹)

سدِ ذرائعِ شرک

اسلامی توحید صرف زبان سے کلمہ پڑھ دینے کا نام نہیں۔ اسلام میں توحید کا تصور و تخیل جامد نہیں بلکہ زندہ اور متحرک ہے۔ ایک مؤحد مسلمان کی زندگی کے ہر گوشے کونے سے قدم قدم پر توحید کے اثرات پھوٹتے اور انوار جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ اس کی پوری زندگی توحید سے متاثر ہوتی ہے، اور توحید اس کی ہستی کے طول و عرض اور اس کے کردار کے تانے بانے پر چھا جاتی ہے۔ آئندہ بحث میں آپ دیکھیں گے کہ شریعتِ محمدیؐ نے کس وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ پوری انسانی زندگی کو انوار و لمعاتِ توحید سے منور و مستغیر کرنے اور ظلمتِ شرک سے بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اور عقیدۂ توحید نے قدم قدم پر ایک فرزندِ توحید کی رہنمائی و دستگیری فرمائی ہے۔

بیشمار احتیاطی اقدامات کی ایک جھلک:

اِنس و جن کی خلقت و پیدائش کا مقصدِ وحید عبادتِ الٰہی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. اس لیے انسانیت کے ابدی دشمن شیطانِ رجیم نے ہمیشہ شرک فی العبادت میں اللہ کے بندوں کو مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور محسنینِ انسانیت حضرات انبیاء علیہم السلام نے ہر کڑی سے کڑی مصیبت جھیل کر انسانیت کو وحدتِ عبادت کی دعوت دی ہے۔

ہادیٔ اعظم، سیّد الانبیاء امام الرسل، نبیٔ خاتم ﷺ نے تو ہر اس معمولی اور ادنیٰ رخنہ و سوراخ کو بند کر دیا ہے جہاں سے اَفعیٔ شرک کے سر نکالنے کا احتمال تھا۔ شرائعِ سماویہ میں سے سب سے آخری اور سب سے کامل و اکمل شریعت شریعتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے اس سلسلہ میں سدِّ ذرائع کے طور پر جو احتیاطی اقدامات کیے ہیں، وہ بے شمار ہیں، ان کی اجمالی جھلک ملاحظہ ہو:

۱۔ تجاوز فی التعظیم

ہو جس پہ عبادت کا دھوکا مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے، بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

شرک کا ایک ذریعہ تعظیم کی جائز حدود سے تجاوز تھا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی تعظیم میں غلو کر کے مشرک ہوئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں اپنی ذات سے متعلق شدید احتیاط فرمائی۔

۱۔ مدح وستائش میں غلو ومبالغہ کی ممانعت:

اور اپنی شان میں مبالغہ آمیزی سے تاکید کے ساتھ صریح منع فرما دیا۔ ارشاد فرمایا: جس طرح نصاریٰ نے (حضرت عیسیٰ) ابن مریم کی مدح میں مبالغہ آمیزی کی تم اس طرح میری مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو۔

فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (متفق علیہ)[1]

میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، لہٰذا مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دوسری روایت میں ہے، ارشاد فرمایا: "میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے اس مرتبہ سے اونچا کرو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا ہے۔ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول۔

۲۔ سیّد تک کہنے کو برداشت نہ فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالیقین سید ولدِ آدم ہیں سیّد الانبیاء والمرسلین ہیں، مگر حد ہو گئی کہ اپنے آپ کو "سیّد" تک کہنے کی بھی اجازت نہیں دی۔[2]

۳۔ اسمِ الٰہی کے ساتھ لفظی مساوات کی ممانعت:

شریعتِ محمدیؐ میں توحید الٰہی کو اتنا اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے اور شرک کے رخنوں کو اس سختی سے بند کیا گیا ہے کہ اسم پاک کے

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب المفاخرہ۔ [2] ایضاً۔

ساتھ متصل کسی انسان کے نام کے ذکر کی اجازت نہیں، حتیٰ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے نام کے ذکر کی بھی اجازت نہیں دی۔ ایک دن کسی نے آپ کے سامنے کہہ دیا:

ا۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ. یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس سے منع فرمایا اور فرمایا:

جَعَلْتَنِیْ لِلّٰهِ نِدًّا قُلْ مَا شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ [1]

تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ بس یوں کہو: جو صرف خدائے واحد چاہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی ذات کے محض عبارتی ذکر اور اس لفظی مساوات کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرک فرما رہے ہیں تو اللہ کی عبادت میں کسی غیر کی شرکت و مساوات کے لیے کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

۴۔ ضمیر تک میں شرکت کی اجازت نہیں:

حد ہو گئی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ضمیر میں اپنی شرکت کو گوارا نہ فرمایا۔ بروایت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ:

ایک خطیب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور (دوران خطبہ) کہا: مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا یعنی "جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے راہ راست پالیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی"، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُمْ اَوْ قَالَ اِذْهَبْ فَبِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِیْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ قُلْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. [2]

کھڑا ہو یا فرمایا چلا جا تو بُرا خطیب ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے، خطیب نے کہا: اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ یقیناً گمراہ ہوا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بُرا خطیب ہے، تم یوں کہو جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔

خطیب نے اطاعت کے سلسلے میں تو خدا اور رسول کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا لیکن معصیت

---

[1] رواہ ابن مردویہ، نسائی و ابن ماجہ عن ابن عباسؓ (تفسیر "ابن کثیر" آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا)

[2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۲۳۷۔

کے سلسلے میں دونوں کو ایک ہی ضمیر سے ذکر کر دیا یعنی وَمَنْ يَعْصِهِمَا کہا۔ اللہ کا محبوب رسولؐ اللہ کے ساتھ اپنی اس ضمیر کی شرکت کو برداشت نہیں کر سکا اور انتہائی جوش وجلال میں آ کر فرمایا: تو بُرا خطیب ہے، نکل جا!"

اللہ اللہ! رسولؐ کا ضمیر منیر ضمیر (ہما) میں اللہ کے ساتھ شرکت اور لفظی مساوات کا تحمل نہ کر سکا اور ایک ہی ضمیر میں خدا اور رسولِ خدا کے جمع کرنے اور برابر رکھنے پر برہمی کا اظہار فرمایا۔ توحید اسلامی کے نبوی معیار کی بلندی ملاحظہ ہو کہ حضرت نے محض ضمیری شرکت و مساوات پر ناراضگی اور غیظ و غضب کا مظاہرہ فرمایا اور پھر اُمت میں اللہ کی صفاتِ خاصہ علم و قدرت، اختیار و تصرف میں رسول اللہ تو رسول اللہ، اولیاء اللہ اور ماوشما تک کو شریک کرنے کا تماشہ بھی ملاحظہ ہو۔

۵۔ اپنے لیے قیام تک کی بھی اجازت نہیں دی:

جہاں اہل عجم اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے تھے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے سجدہ اور زمین بوسی تو کجا! قیام تک کی اجازت نہیں دی، گو آپ کی شریعت میں کسی بزرگ کے لیے کھڑا ہونا حرام تو نہیں، لیکن اللہ کے محبوب رسولؐ کسی کی تعظیم و تکریم کے لیے قیام کو اچھا نہیں سمجھتے، خصوصاً اپنی ذاتِ اقدس کے لیے!

۱۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے ہو گئے، تو فرمایا:

لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا.

(رواہ ابوداؤد) (مشکوٰۃ باب القیام)

اس طرح مت کھڑے ہوا کرو، جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا (مگر اس کے باوجود)

وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ.

رواہ الترمذی ("مشکوٰۃ" باب القیام)

جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ کو ناپسند ہے۔ (ترمذی)

محبت اور ہوس: صحیح محبت یہی ہے کہ محبوب کی رضا تلاش کی جائے۔ اپنی خواہش کی تکمیل اور اپنی رضاجوئی ہوس ہے۔ محبت محبوب کی رضاجوئی کا نام ہے۔ صحیح محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی خواہش پر اپنی خواہش و آرزو کو قربان کر دیا جائے۔

میلِ من سوئے وصال و میلِ او سوئے فراق
ترک کامِ خود گرفتم تا برآید کارِ دوست!

شاعر کہتا ہے، میں تو اپنے دل میں محبوب کے وصل و وصال کی طلب اور تڑپ رکھتا ہوں میرے محبوب کا رجحان ہجر و فراق کی طرف ہے۔ اب میں نے اپنی آرزو کو ختم کر دیا ہے تاکہ محبوب کی خواہش پوری ہو۔

کسی کی عزت و تکریم کے لیے کھڑا ہونا فی نفسہٖ جائز ہے۔ مگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے حبیب و محبوب، محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے محض اس لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ یہ محبوبؐ کی رضا کے خلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جائز تعظیمی اقدام کو اچھا نہیں سمجھتے۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جائز تعظیم کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں فرطِ محبت میں جائز حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، اور بعد میں آنے والے مسلمان افراط کا شکار ہو کر جائز تعظیم کی حدود سے بڑھ کر عبادت کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائیں۔

۳۔ بروایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: جسے یہ بات پسند ہو،

اَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواه الترمذی وابوداؤد)[1]

کہ لوگ اس کے لیے ساکت و صامت کھڑے رہیں، پس چاہیے کہ وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

۶۔ بادشاہوں کے سامنے کھڑا ہونے کی ممانعت:

شریعت نے بادشاہوں اور سرداروں کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونے سے منع فرمایا ہے۔ دست بستہ کھڑا ہونا تو بجائے خود! مطلق کھڑا ہونے سے روک دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب القیام۔

اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اسے شرک کے قریب قرار دیتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

فَاِنَّ الْعَجم کانَ مِن اَمْرِھِمْ اَنْ تَقُوْمَ الخدم بین یَدَیْ سَادَتِھِم وَالرَّعِیۃُ بین اَیدِیْ مُلُوْکِھِم وَھُوَ مِن اِفْرَاطِھِمْ فِی التَعْظِیْمِ حَتّٰی کَادَ یَتَاخم الشرک فَنُھُوْا عَنْہُ[1]

عجم کا معمول تھا کہ خدام اپنے سرداروں کے سامنے اور رعیت اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے تھے اور یہ تعظیم میں افراط ہے، یہاں تک کہ شرک کے قریب ہے، لہٰذا اس سے روک دیا گیا۔

۷۔ اِنحِناء (جھکنے) کی بھی اجازت نہیں:

سجدہ و رکوع تو سجدہ و رکوع اور قیام تو قیام! شریعت نے بندے کو بندے کے آگے برائے نام جھکنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص اپنے بھائی یا دوست کو ملتا ہے تو کیا اس (کی تعظیم) کے لیے (تھوڑا سا) جھکے؟ فرمایا: نہیں اَیَنْحَنِیْ لَہٗ قَالَ لَا.

(رواہ الترمذی)[2]

حضرات فقہاء عظام رحمہ اللہ نے جھکنے سے نہ صرف منع فرمایا ہے بلکہ اسے فعل مجوس قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ کتاب الکراہیۃ، باب ۲۸)

۸۔ تقبیل ارض:

سجدہ و رکوع، قیام و انحنا کی طرح کسی کی تعظیم کے لیے اس کے سامنے بیٹھ کر زمین کو چومنا بھی شریعت میں حرام ہے کیونکہ یہ بھی سجدہ کے مشابہ ہے۔

درمختار میں ہے: (کتاب الحظ والاباحۃ، باب الاستبراء)

وَکَذَا مَا یَفْعَلُوْنَہٗ مِنْ تَقْبِیْلِ الْاَرْضِ بینَ یدی العلماء والعظماء فحرامٌ والفاعل والراضی بہ اٰثمانِ لِاَنَّہٗ یَشْبَہُ عِبَادَۃَ الْوَثَنْ.

اور اسی طرح علماء واعاظم کے سامنے زمین بوسی حرام ہے۔ ایسا کرنے والا اور اس فعل پر راضی رہنے والا دونوں گنہگار ہیں، کیونکہ یہ فعل بت کی پوجا کے مشابہ ہے۔

---

[1] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد ۲ ص ۵۴۵

۹۔ نام تک میں تشبہ کی ممانعت:

صفات وخصوصیات الوہیت میں شرک و شراکت کا سوال ہی کب پیدا ہوگا جبکہ اسماءِ الٰہی کے ساتھ رسمی تشبہ کی بھی ممانعت فرمائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام نافع ہے۔

۱۔ بروایت سمُرہ بن جندب رضی اللہ عنہ لڑکوں کا نام نافع رکھنے سے منع فرمایا گیا[1]

۲۔ ملک الاملاک، شہنشاہ ایک ذات پاک ربّ العزت ہے، صحیح بخاری (اور ابوداؤد) کی روایت ہے، قیامت میں عنداللہ سب سے زیادہ قبیح الاسم وہ شخص ہوگا جس کا نام "ملک الاملاک" ہوگا۔ اور صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک اغیظ[2] واخبث[3] وہ شخص ہوگا جس کا نام "ملک الاملاک" ہوگا۔[4]

۱۰۔ غلام کو عبد نہ کہو:

بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص (اپنے غلام کو) "عبدی" نہ کہے، کیونکہ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ، تم سب اللہ کے بندے ہو۔ بلکہ اسے "غلامی" کہے یعنی میرا غلام، اور نہ ہی کوئی

۱۱۔ آقا کو ربّ اور مولیٰ نہ کہو:

غلام (اپنے آقا کو) "ربی" یعنی میرا ربّ، میرا مالک نہ کہے، بلکہ "سیّدی" کہے یعنی میرا سردار۔

اور ایک روایت میں ہے:

لَا یَقُلِ الْعَبْدُ لِسَیِّدِہٖ مولای فَاِنَّ مَوْلَاکُمُ اللّٰہُ. (رواہ مسلم)[5]

کوئی غلام اپنے سردار کو "مولائی" یعنی "میرا مولا" نہ کہے کیونکہ تمہارا مولا اللہ ہے۔ (صحیح مسلم)

اللہ اکبر! شریعتِ محمدیؐ میں شرک کے بعید سے بعید رشتوں کو جڑ سے کاٹ دیا گیا اور اسماء الٰہی کے ساتھ اسمی مشارکت ومشابہت کی بھی اجازت نہ دی گئی اور "نافع"، "حَکَم" اور "مَلِکُ الاملاک" (شہنشاہ) نام رکھنے سے روک دیا گیا، بخلاف اس کے عنداللہ سب سے پیارے نام وہ فرمائے گئے جن میں عبدیت کی نسبت ذات پاک اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا:

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاسامی۔ [2] یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا۔
[3] سب سے زیادہ خبیث، بدترین۔ [4] "مشکوٰۃ" باب الاسامی۔ [5] ایضاً۔ [6] ایضاً۔

اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُاللّٰہِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ۔ (رواہ مسلم)[۱]

تو جو اسماء حسنہ اللہ ربّ العزت کے ہیں، شریعت کا مزاج ان اسماء مبارکہ میں بھی کسی کی شرکت گوارا نہیں کر سکتا۔ مخلوق کا یہ حق نہیں ہے کہ خالق کے اسماء معروفہ مخصوصہ میں سے کسی نام پر اپنا نام رکھے، نہ کنیت! جب خالق اور مخلوق کے درمیان ذاتی اور صفاتی شرکت جائز نہیں، تو اسمی شرکت کب برداشت کی جا سکتی ہے؟

۱۳۔ قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا حرام ہے:

قبروں کو سجدہ کرنا تو شرک ہے لیکن قبر کو نہیں، قبر کی طرف منہ کر کے خدا کا سجدہ بھی حرام ہے، کیونکہ اس میں قبور کی تعظیم ہے اور یہ عبادتِ قبور کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ لَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا لِاَنَّ ذٰلِکَ ذریعة اَنْ یَتَّخِذُوْھَا مَعْبُوْدًا وَاَنْ یُفْرِطُوْا فِیْ تَعْظِیْمِھَا بِمَا لَیْسَ بِحَقٍّ فَیُحَرِّفُوْا دِیْنَھُمْ کَمَا فَعَلَ اَھْلُ الْکِتَابِ وَھُوَ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ۔[۱]

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: قبروں کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھو، کیونکہ یہ قبروں کو معبود بنانے کا ذریعہ ہے اور اس میں قبروں کی تعظیم ناحق ہے۔ یہ دین میں تحریف ہے اور اہل کتاب کا عمل۔ اور اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

تو قبر کو سجدہ کرنا تو رہا بجائے خود! قبر کی طرف منہ کر کے خدا کی نماز ادا کرنا بھی موجب لعنت ہے، کیونکہ یہ ان قبور کی عبادت اور قبر والوں کو معبود بنانے کا ذریعہ ہے۔ اور ان بزرگوں کی تعظیم میں افراطِ ناحق ہے، یہ دین میں تحریف ہے، جیسا کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے کیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ۔

---

[۱] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد ۲، ص ۱۲۶۔

۱۴۔ تقرب الٰہی کی نیت سے قبر کے نزدیک نماز حرام ہے:

نماز اللہ کے لیے پڑھی جائے، لیکن اولیاء و مشائخ کی مزاروں پر پڑھی جائے، یہ بھی حرام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اسے شرک خفی سے تعبیر فرماتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں: "احبار و رہبان" (علماء و مشائخ) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ:

بِاَنْ یُسْجَدَ لَهَا کَالْاَوْثَانِ وَهُوَ الشِّرْکُ الْجَلِیِ اَوْ یتقرب الی اللّٰهِ تَعَالٰی بِالصَّلٰوةِ فِیْ تِلْکَ الْمَقَابِرِ وَهُوَ الشِّرْکُ الْخَفِیُ وَهٰذَا مفهوم قولهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔[1]

بتوں کی طرح قبروں کو سجدہ کیا جائے، یہ شرک جلی ہے، یا ان قبروں میں تقرب الی اللہ کی نیت سے نماز پڑھی جائے اور یہ شرک خفی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ. کا یہی مفہوم و معنٰی ہے۔

اگر قبروں کو سجدہ کیا جائے تو وہ شرک جلی ہے، لیکن سجدہ تو خدا کو کیا جائے نماز خدا کی پڑھی جائے، لیکن بزرگوں کی قبروں کے نزدیک پڑھی جائے، تاکہ برکت ہو، ان بزرگوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو، اور اجر و ثواب میں زیادتی ہوگی، تو یہ شرک خفی ہے۔ شاید اسی لیے قبروں میں مقبروں میں نماز حرام ہے۔

۱۵۔ مقبروں میں نماز ممنوع ہے:

بروایت ابو سعید رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: ساری زمین مسجد ہے اِلَّا الْمَقْبَرَةُ وَالْحَمَّامُ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)[2]

اللہ کی ساری زمین پر حضرت انسان کے لیے نماز جائز ہے، مگر مقبرہ میں نماز جائز نہیں، جیسے حمام کے اندر جائز نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز سے نہی فرمائی، ان میں سے ایک مقبرہ ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)[3]

---

[1] "حجۃ اللہ البالغہ" جلد اوّل آداب المساجد۔

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب المساجد و المواضع الصلوٰۃ۔ [3] ایضاً۔

۱۶۔ نمازِ جنازہ:

نمازِ جنازہ بھی ایک نماز ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے مگر نماز کی اصل روح رکوع اور سجدہ کا نام ونشان تک نہیں۔ شاید شریعتِ محمدیؐ اس کو برداشت نہیں کر سکتی کہ ایک انسان کے سامنے رکوع وسجود کیا جائے خواہ وہ انسان میت کیوں نہ ہو۔ جس شریعتِ مقدسہ میں نمازِ جنازہ کے اندر سجدہ ورکوع کی ممانعت ہو کیا اس شریعت میں قبر کو سجدہ کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟ حالانکہ نمازِ جنازہ میں وہ محبوب ومعظم شخصیت صرف بے جان جسد ہے۔ اور اب تو وہ جسدِ بے جان زمین کے اندر دفن ہے۔

۱۷۔ سُترہ:

گو مردہ سہی بہر حال یہ انسان تو تھا، شریعتِ محمدیؐ تو شرک کا اس شدت سے سدباب کرتی ہے کہ نماز پڑھتے وقت سترہ کی خشک لکڑی بھی نمازی کے عین سامنے گاڑنے کی اجازت نہیں دیتی، ذرا دائیں بائیں ہونی چاہئے۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (سُترہ) کو اپنی دائیں یا بائیں جانب کر لیا کرتے تھے وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔[1]

شرعی مصالح کے پیشِ نظر کسی چیز کو...... جہاں سامنے دیوار نہ ہو...... سامنے سُترہ بنانا ضروری ہے۔ مگر اسے بالکل سامنے سجدہ کی جگہ پر کھڑا نہ کیا جائے۔ ذرا دائیں بائیں کر لیا جائے تاکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے والوں سے تشابہ بھی پیدا نہ ہو اور نہ ہی کسی دیکھنے والے کو غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا شبہ ہو۔

۱۸۔ نوروز کی تعظیم کفر ہے:

غیر اللہ کی تعظیم میں غلو سے روکنے میں شریعت نے اتنی شدت کی ہے کہ کفار ومشرکین کی خوشی اور عید کے دن کی تعظیم کو بھی کفر قرار دیا ہے۔

۱۔ حضرت امام ابو حفص الکبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ:

لَوْ اَنَّ رَجُلًا عَبَدَ اللّٰهَ خَمْسِيْنَ سنةً ثُمَّ جَاءَ يَوْمُ النيروز واهدى الى بعض المشركين بيضة يريد تعظيم ذالك اليوم فَقَدْ كَفَرَ وَ حبط عمله

اگر کسی شخص نے پچاس سال اللہ کی عبادت کی پھر نوروز آیا اور اس نے بعض

---

[1] ابوداؤد باب اذا صلی الی ساریۃ......

مشرکین کو ایک انڈہ بطور تحفہ دیا، اس دن کی تعظیم کے پیشِ نظر، تو وہ کافر ہو گیا اور اس کا تمام عمل اکارت گیا۔

امام ابوحفص الکبیر رحمہ اللہ کی یہ روایت فتاویٰ قاضی خاں (جلد۴، ص۸۸۴)، خزانۃ المفتین (جلد۱، ص۴۷۹) بزازیہ (جلد۶) تکملہ عمدۃ الرعایۃ (جلد۴، ص۳۵) میں منقول ہے۔ (الدرالفرید، ص۹۵)

۴۔ اور شرح فقہ اکبر (ص۲۳۰) میں ہے:

اگر کسی نے نوروز کے دن کسی کو ہدیہ دیا واراد بہ تعظیم النوروز اور نیت اس سے نوروز کی تعظیم ہے، کَفَرَ، تو وہ کافر ہو گیا۔ (الدرالفرید ص۹۵)

۲۔ حلف (قسم)

اسی غیر اللہ کی تعظیم میں افراط کی بناء پر غیر اللہ کی قسم شریعت میں روا نہیں۔ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی تعظیم بلیغ، اس کی غیر معمولی عظمت و رفعت کے احساس و یقین کی بناء پر کھائی جاتی ہے، لہٰذا غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے۔

پھر قسم کھانے والا، جس کی قسم کھاتا ہے گویا اسے اپنے عہد و میثاق پر شاہد و گواہ بلکہ ضامن و کفیل ٹھہراتا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا.

(النحل، رکوع ۱۳)

اور قسموں کو اُن کے مضبوط کرنے کے بعد مت توڑو اور بیشک تم اللہ کو اپنے اُوپر ضامن بنا چکے ہو۔

لہٰذا قسم اللہ ربّ العزت کی کھائی جائے۔ غیر اللہ کی حلف اُٹھانا، قسم کھانا دینِ اسلام میں ممنوع و حرام ہے اور اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

كُلُّ يَمِيْنٍ يُحْلَفُ بِهَا دُوْنَ اللّٰهِ شِرْكٌ. ("مستدرک حاکم" جلد اوّل، ص۱۸)

اللہ کے سوا کسی کے نام پر قسم کھائی جانے والی ہر قسم شرک ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے روکتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کی قسم کھاؤ۔

مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ. (متفق علیہ)[1]

جس نے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

جامع ترمذی میں بھی یہ روایت ہے، اس کے الفاظ ہیں:

لِيَحْلِفْ حَالِفٌ بِاللّٰهِ اَوْ يَسْكُتْ.[2]

قسم کھانے میں سنتِ رسول ﷺ:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے متعلق حضرت سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ. فرمایا یعنی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ (قبضۂ قدرت) میں میری جان ہے[3] کو عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے یہی الفاظ ہوتے تھے لیکن اکثر دفعہ آپ نے ان الفاظ کی جگہ وَالَّذِیْ نفس محمد بيدهٖ[4] فرمایا، یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔

۲۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم لَا وَمُقَلِّبُ القلوب ہوتی تھی[5] یعنی اس خدا کی قسم جو دلوں کو بدلتا ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰه کے لفظ سے بھی قسم کھاتے تھے۔[6]

کعبۃ اللہ کی قسم کھانا بھی شرک ہے:

اللہ ربّ العزت کی ذات پاک کے بغیر کسی کی بھی قسم جائز نہیں، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اور کعبۃ اللہ کی قسم بھی ممنوع ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے سنا تو آپؓ نے اس سے فرمایا:

اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ.[7]

---

[1] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب الایمان والنذور۔ [2] ترمذی باب فی کراہیۃ الحلف بغیر اللہ۔

[3] صحیح بخاری باب کیف کانت یمین النبی ص۔ [4] [5] [6] ایضاً۔

[7] ''ابوداؤد'' باب فی کراہیۃ الحلف بالآباء۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔

۳۔ قبر اور فتنۂ قبر

قبر نے شرک کی اشاعت میں اہم کردار انجام دیا ہے۔ قبر کا فتنہ، عظیم فتنہ ہے۔ اس فتنہ کے سدباب میں شریعتِ محمدیؐ نے سعی بلیغ فرمائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس فتنۂ عظیم کا قلع قمع فرمایا اور بوقت وفات زندگی پاک کے آخری سانس، آخری لمحہ تک آپ اس فتنہ کی بیخ کنی فرماتے رہے۔

۱۔ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جبہ کو اپنے منہ پر ڈال دیتے تھے، جب آپ کا جی گھٹنے لگتا تو اسے منہ سے اٹھاتے اور فرماتے:

لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡيَهُوۡدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوۡا قُبُوۡرَ اَنۡبِيَائِهِمۡ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوۡا[1]

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہے، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

اس ارشاد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے کردار سے خوف کھا رہے تھے (کہ کہیں میری اُمت ان حرکات میں مبتلا نہ ہو۔)

۲۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ نے انہی حضرات سے یہ روایت کی ہے، آخری الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے، ابن سعدؒ کی روایت کے آخری الفاظ میں يُحَذِّرُهُمْ مِثْلَ مَا صَنَعُوْا[2]، "سیرت ابن ہشامؒ" (جلد ۴ ص ۳۱۶) کے الفاظ ہیں يُحَذِّرُ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى اُمَّتِهٖ، آپ اپنے اس ارشاد سے اپنی اُمت کے بارے میں خوف کھا رہے تھے۔

۳۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری کلام یہ فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ و صحیح مسلم باب النہی عن بناء المسجد علی القبور۔

[2] "طبقات ابن سعد" جلد ۲ ص ۲۴۰ و ص ۲۵۸۔

قَاتَلَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔[1]

یہود ونصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے مگر اس میں نہ آخری کلام کا ذکر ہے اور نہ ہی وَالنَّصَارٰی کا لفظ ہے۔[2]

۵۔ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ! اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔[3]

اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے، ان لوگوں پر اللہ کا سخت غضب ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔[4]

اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا۔ اس قوم پر اللہ نے لعنت کی، جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

وَثَن: ہر وہ چیز جس کی خدا کے سوا پرستش کی جائے وثن ہے۔ موتی ہو یا پتھر، قبر ہو یا جھنڈا۔[5] امام الرسل، خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کی مزارِ مقدس کی اگر عبادت کی جائے گی تو وہ بھی وثن میں شمار ہوگی۔ لسانِ رسالت سے قبر پاک کے لیے اُس صورت میں وثن یعنی بت کا لفظ صادر و ثابت ہے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کی عبادت سے روکا ہے، وہاں اُسے عید، میلہ بنانے سے بھی بصراحت منع فرمایا ہے۔

۷۔ بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم

اِجْعَلُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ مِنْ صَلٰوتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا۔[6] (متفق علیه)

اپنے گھروں میں بھی (نفل) نمازیں پڑھا کرو، انہیں قبریں نہ بناؤ۔

---

[1] "موطا امام مالک" کتاب الجامع و "طبقات" جلد ۲، ص ۲۵۴۔ [2] ابوداؤد باب البناء علی القبر۔

[3] "موطا امام مالک" باب العمل فی جامع الصلوٰۃ و "طبقات" جلد ۲، ص ۲۴۱۔

[4] "طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۲۴۲۔ [5] "لغات القرآن" جلد اوّل، ص ۲۹۴۔

[6] "مشکوٰۃ المصابیح" باب المساجد۔

۸۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم

لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ. (رواہ النسائی)[1]

تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ، اور میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور میرے اُوپر دُرود بھیجو، بلاشبہ تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا تم جہاں بھی ہو۔

غور فرمایئے! قبروں پر نماز پڑھنے کی کس شدت سے ممانعت ہے کہ "تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ" یعنی جس طرح قبروں پر کوئی نماز نہیں پڑھتا، یہ نہ ہو کہ تم گھروں میں بھی نماز نہ پڑھو۔ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ عید کے معنی ہیں مسرت اور خوشی کا دن[2]، بار بار لوٹ کر آنے والا[3]، اجتماع کا دن[4]۔ المنجد میں ہے کہ "عید کو اس لیے عید کہتے ہیں کہ وہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے، ان بیانات کی روشنی میں ہمارے محاورہ میں عید کا صحیح ترجمہ ہوا "میلہ"۔ لفظ "میلہ" میں مندرجہ بالا چاروں لغوی تصریحات کی رعایت پائی جاتی ہے۔

خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارِ مقدس روضۂ اطہر، گنبدِ خضراء کی زیارت انتہائے سعادت ہے، لیکن اس ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لیے ہر وقت قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آمد ورفت کی ضرورت نہیں، مسلمان جہاں کہیں بھی ہو وہیں سے ہدیۂ صلوٰۃ پیش کرے، درود شریف پڑھے تو وہ ذاتِ پاک تک بواسطہ ملائکہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

۹۔ بروایت حضرت جندب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا:

اَلَا اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ.[5]

اچھی طرح سن لو! تم سے پہلے لوگ (یہود و نصاریٰ) اپنے نبیوں اور صالحین (اولیاء اللہ) کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے، تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔

---

[1] ایضاً باب الصلوٰۃ علی النبیؐ، ابوداؤد، باب زیارت القبور میں بھی یہ روایت ہے

[2] [3] "مفردات القرآن" از امام راغب اصفہانی" ترجمہ لفظ "عید"۔

[4] "لغات القرآن" جلد ۴، ص ۲۷۵، بحوالہ "نزہت القلوب"۔

[5] "صحیح مسلم" باب النہی عن بناء المسجد علی القبور و "طبقات" جلد ۲، ص ۲۳۶۔

غور فرمایئے! حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شدت و تکرار کے ساتھ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحاتِ مقدسہ میں فتنۂ قبر سے اپنی اُمت کو متنبہ فرمایا، قبروں پر نماز پڑھنے سے باصرار منع فرمایا، یہود و نصاریٰ کے ملعون و مردود ہونے کی بار بار اطلاع دی۔ اس لیے کہ انہوں نے حضرات انبیاءؑ و صلحاءؒ کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا اور وہاں سجدے کرنے لگے تھے۔

قبرِ اقدس کو حجرۂ صدیقہؓ میں بنانے کی وجہ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارِ پُر انوار محبوبۂ محبوبِ خدا حضرت طاہرہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ کے اندر بنانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کھلی جگہ پر مزارِ پُر انوار ہوتی تو دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کے مزاراتِ مقدسہ کی طرح اس کے بھی سجدہ گاہ بن جانے کا خطرہ تھا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت فرمایا:

اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ قَالَتْ عَائِشَۃُ لَوْ لَا ذٰلِکَ لَاُبْرِزَ قبره غير انه خشى اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا[1]

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اگر حضورؐ کی قبر مبارک کو سجدہ گاہ بنائے جانے کا خوف نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر مبارک کھلی جگہ پر ظاہر بنائی جاتی، چونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ (دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پاک کو مسجد بنالیا جاتا (اس لیے مزار مقدس کو حجرۂ صدیقہؓ کے اندر بنایا گیا)۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت سے بھی اسی حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِئْتَمَرُوْا اَنْ يدفنوه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْمَسْجِدِ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَاضِعًا رَاْسَهٗ فِىْ حُجْرِىْ اِذْ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ اَقْوَامًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ وَاجْتمع رَاْيهم اَنْ يَدْفَنُوْهُ حَيْثُ قُبِضَ فِىْ بَيْتِ عَائِشَۃَ[2]

---

1 صحیح مسلم، باب مرض النبیؐ ووفاتہ صحیح مسلم باب النہی من بناء المسجد علی المقبور۔

2 "طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۲۴۱۔

صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد (نبوی) میں دفن کریں، اس پر حضرت) عائشہؓ نے فرمایا: (عین وفات کے وقت) جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری جھولی میں سر اقدس رکھے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا: ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے انبیاء (علیہم السلام) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، لہٰذا مسجد میں حضورؐ کو دفن نہ کرو مبادا حضورؐ کی قبر پاک کو بھی لوگ سجدے کرنے لگیں......
صحابہؓ کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضورؐ کو اسی جگہ دفن کریں جہاں آپ نے وفات پائی، (حضرت) عائشہؓ کے گھر میں۔

دعائے رسول کی بدرجۂ کمال قبولیت:

نبی الانبیاء کی دعا، آخر وقت آخری سانس کی دعا، پھر جوش و جذبۂ توحید پر مبنی دعا! بارگاہِ الٰہی میں اس درجہ مقبول و مستجاب ہوئی کہ اللہ ربّ العزت نے کئی حجابوں اور پردوں کے اندر قبر رسولؐ کو مستور کر دیا۔ حجرۂ صدیقہ طاہرہؓ، عہد صحابہؓ کی تعمیر، پھر سلطان نور الدینؒ زنگی کی تعمیر، پھر بعد کی مضبوط و مُشید و مستحکم متعدد تعمیریں، اللہ تعالیٰ نے مزارِ رسولؐ کے چہرہ پر کئی نقابیں ڈال دیں تاکہ کوئی مسلمان قیامت تک مزارِ مقدس کو دیکھ بھی نہ سکے۔

محبوبِ کبریا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، حیاتِ طیبہ کے آخری لمحے دعا کی، کہ الٰہی! میری قبر کو بت نہ بنانا یعنی اسے سجدہ گاہ نہ بننے دینا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی خطرہ کے پیش نظر اُمّ المومنین طاہرہ رضی اللہ عنہا کی تحریک پر ان کے گھر میں حضرت کی مزار بنائی۔ جب تک حبیبۂ حبیبِ خدا اُمّ المومنین طاہرہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، خود پہرہ دیتی رہیں اور کوئی شخص آپ کی اجازت کے بغیر قبرِ پاک کی زیارت نہیں کر سکتا تھا، حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

> یا اماہ اِکْشِفِیْ عَنْ قبر النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَیْہِ فَکَشَفَتْ لِیْ عَنْ ثَلَاثَۃَ قُبُوْرٍ لامشرفۃ وَلَا لَاطِـۃَ مَطْـرُوحَۃ بِبَطْحاء الْعَرْصَۃ الْحَمْراء. (رواہ ابوداؤد)[1]
>
> اے میری ماں! میرے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کی قبریں ظاہر کر دے، چنانچہ انہوں نے (حجرہ کا

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب دفن المیت، "مستدرک حاکم" کتاب الجنائز، جلد اوّل، ص

دروازہ کھول کر) تینوں قبروں کو سامنے کر دیا۔ وہ نہ تو بہت بلند تھیں اور نہ ہی زمین سے بالکل ملی ہوئی تھیں (یعنی تھوڑی سی کوئی بالشت بھر اونچی تھیں) ان پر سرخ کنکریالی مٹی بچھی ہوئی تھی (یعنی مٹی کے گارے سے لپی ہوئی بھی نہیں تھیں)۔

تو جب تک حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں وہ خود حفاظت و پاسبانی کا فرض انجام دیتی رہیں، ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود حفاظت و نگرانی فرمائی اور ایسا انتظام کر دیا کہ قیامت تک کوئی عام آدمی قبرِ نبویؐ کو دیکھ ہی نہیں سکتا، سجدہ تو کوئی کیا کرے گا۔ جو خوش نصیب دیکھے گا، روضۂ اطہر، سبز گنبد کو دیکھے گا، مزارِ مقدس تک تو کسی کی نگاہ کی رسائی ممکن ہی نہیں۔

گویا اللہ رب العزت نے فرمایا: میرے حبیبؐ! تو نے ہم سے آخر دم یہ دعا کی کہ "میری قبر کو لوگوں کی عبادت سے بچانا، اسے بت نہ بنانا" اور ہم اسے کسی کو دیکھنے تک نہیں دیں گے۔ جب کوئی دیکھے گا ہی نہیں، تو عبادت کیا کرے گا؟

حضرت دانیالؑ کی مزار چھپادی گئی:

اسی خطرۂ عبادت کے پیشِ نظر حضرت دانیالؑ کی قبر چھپادی گئی۔

۱۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت) میں عراق کے اندر (حضرت) دانیالؑ کی قبر پائی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے،

اَمَرَ اَنْ یَخْفٰی عَنِ النَّاسِ وَاَنْ تدفن تلک الرقعة الَّتِیْ وَجَدُوْھَا عِنْدَہ فِیْھَا شَیْءٌ مِنَ الملاحم وغیرھا۔[1]

حکم دیا کہ اسے لوگوں سے مخفی رکھو، اور جو رقعہ ان کے پاس سے ملا تھا، اس کے دفن کر دینے کا حکم دیا۔ اس رقعہ میں جنگوں وغیرہ کے متعلق باتیں تھیں۔

اللہ کے ایک نبی کی قبر ہے، ساتھ ہی ان کا ایک مکتوب ہے، مگر فتنۂ قبر کے خوف و خطر سے اللہ کے پیغمبرؑ کی مزار پاک کو مستور و مخفی کر دیا گیا۔ بایں حد! کہ اس دن کے بعد اس کا کہیں نشان بھی نہ ملا۔

۲۔ امام المغازی محمد بن اسحاقؒ اپنی مغازی میں حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جب ہم نے تاتار کو فتح کیا، تو ہرمز کے بیت المال میں ایک تخت پایا، جس پر ایک شخص کی

---

[1] تفسیر ابن کثیرؒ تفسیر سورہ کہف۔

میت تھی جس کے سر کے قریب ایک صحیفہ تھا۔ ہم اس صحیفہ کو اٹھا کر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ انہوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ وہ شخص (جن کی میت تخت پر تھی) حضرت دانیال علیہ السلام تھے، جن کی میت میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ ہم نے دن میں تیرہ متفرق قبریں کھودیں۔ رات کو انہیں ایک قبر میں دفن کر کے سب قبروں کو برابر کر دیا، تا کہ لوگوں کو عام قبریں معلوم ہوں اور وہ اس خاص قبر کو کھود (کر نعش کو نکال) نہ لیں۔ للتعمیة علی الناس ولا ینبشونہ[1]

اندازہ فرمایئے حضرات صحابہ کرام مہاجرین وانصار نے ایک پیغمبر خدا کی قبر تک کو بے نام ونشان کر دیا تا کہ عامۃ المسلمین اس خاص قبر کی پوجا کر کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

قبر کو چونے گچ سے پختہ بنانا جائز نہیں:

جب امام الانبیاء والمرسلین، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار مقدس پختہ تو کیا مٹی کے گارے سے لپی ہوئی تک نہیں تو اور کسی کی قبر کو اینٹ چونے سیمنٹ سے پختہ بنانے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

حضرت جابر سے روایت ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)[2]

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونے سے پختہ بنانے اور اس پر قبہ وغیرہ بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

جامع ترمذی[3] اور مستدرک حاکم[4] میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔

---

[1] "الدر الفرید" ص ۳۳۔ [2] "مشکوۃ المصابیح" باب دفن المیت۔
[3] ایضاً الفصل الثانی۔ [4] "مستدرک" کتاب الجنائز۔

امام اعظمؒ کا مذہب: امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا نَرٰی اَنْ یُزْدَادَ مَا خَرَجَ مِنْهُ وَنَکْرِهُ اَنْ یُجَصَّصَ اَوْ یُطَیَّنَ اَوْ یُجْعَلَ عِنْدَهٗ مَسْجِدٌ..... وَیُکْرِهُ الْاٰجُرُّ اَنْ یُبْنٰی بِهٖ وَیُدْخَلَ الْقَبْرَ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ۔ (باب تطین القبور و تجصیصها)[1]

قبر سے جو مٹی نکلی ہے اس سے زیادہ مٹی قبر پر ڈالنا ہم جائز نہیں سمجھتے، اور قبر کو چونے گچ کرنا یا مٹی کے گارے سے لپائی کرنا یا قبر کے قریب مسجد بنانا ہم مکروہ (تحریمی) سمجھتے ہیں، اور پختہ اینٹوں سے قبر بنانا یا قبر کے اندر پختہ اینٹ داخل کرنا مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

وَاُحِبُّ اَنْ لَّا یُبْنٰی وَلَا یُجَصَّصَ وَلَمْ اَرَ قُبُوْرَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ مجصّصَةً۔[2]

اور میں پسند کرتا ہوں کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جائے نہ اسے چونے گچ بنایا جائے۔ میں نے مہاجرین وانصار کی قبروں کو پختہ چونے گچ نہیں دیکھا۔

ائمہ ثلاثہؒ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ علامہ حلبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَیکرہ تجصیص الْقَبْرِ وَتَطْیِیْنَهٗ وَبِهٖ قَالَتِ الْاَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ وَعَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهٗ یُکْرِهُ اَنْ یُبْنٰی عَلَیْهِ بِنَاءٌ مِنْ بَیْتٍ اَوْ قُبَّةٍ اَوْ نَحْوِ ذٰلِکَ۔[3]

قبر کو چونے سے پختہ بنانا اور مٹی گارے سے اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے اور یہ تینوں اماموں کا مذہب ہے، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ وہ قبر پر مکان یا قبہ وغیرہ بنانا مکروہ سمجھتے ہیں۔

---

[1] "کتاب الآثار" لامام محمدؒ۔ [2] "کتاب الام" للشافعیؒ، جلد اوّل، ص ۲۴۶۔
[3] "کبیری" ص ۵۹۹۔

قبروں پر قبہ وغیرہ عمارت بنانے کا کوئی جواز نہیں:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر پر کسی قسم کی عمارت بنانے کی صاف نہی[1] موجود ہے، اور تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک یہ ناجائز و ناروا ہے تو اس کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

امَّا البنَاءُ فَلَمْ اَرَ مَنِ اختَارَ جَوَازَهٗ.[2]

قبروں پر عمارت بنانے کے جواز کا قائل میں نے نہیں دیکھا۔

گنبدِ خضراء: امام المرسلین، رحمۃ للعالمین کا روضۂ منورہ، گنبدِ خضراء باجماعِ اُمت بوجوہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ آپ کی بیسیوں خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔

حضرت خاتم المفسرین علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بڑی طویل و مفید بحث کی ہے، ملاحظہ ہو:

واستدلَّ بالأية على جواز البناء على قبور الصلحاء واتخاذ مسجد عليها وجواز الصلوٰة فى ذلك وممن ذكر ذلك الشهاب الخفاجى فى حواشيه على البيضاوى وهو باطلٌ عاطلٌ فاسدٌ كاسدٌ فقد روى احمد وابوداؤد والترمذى والنسائى وابن ماجه عن ابن عباسؓ[3] قال: قال رسولُ الله صلّى الله عليه وسلم لعن اللهُ[4] تعالىٰ زائرات القبور والمُتّخذين عليها المساجد والسّرج."

و "مسلم" آلا وَان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم مساجد فانّى انها كمْ عن ذلك واحمد عن اسامةؓ وهو والشيخان والنسائى

---

[1] صحیح مسلم، ترمذی، مستدرک حاکم کتاب الجنائز۔ [2] شامی، جلد اوّل، ص ۱۰۱۔

[3] اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات ہیں۔
(ترمذی، باب ما جاء فى كراهة ان يتخذ على القبور مسجدًا)

[4] "مستدرک حاکم" کی روایت میں ہے: لَعَنَ رسول الله صلى الله عليه وسلّم زائرات القبور.
(جلد اوّل، ص ۳۷۴، کتاب الجنائز)

عن عائشہؓ و مسلم عن ابی ہریرہؓ "لعن اللّٰہ تعالی الیہود و النصاری اتخذوا قبور انبیائھم مساجد" واحمد والشیخان والنسائی "انَّ اُولٰئِک اِذا کَان فیھم الرجل الصالح فمات بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وصَوَّرُوا فیہ تلک الصُّوَرَ اُولٰئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ.

واحمد والطبرانی. "اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ من تدرکھم الساعۃ وھم احیاء ومن یتخذ القبور مساجد' وعبدالرزاق "من شِرار امتی من یتخذ القبور مساجد" و ایضًا "کانت بنو اسرائیل اتخذوا القبور مساجد فلعنھم اللّٰہ تعالٰی" الی غیر ذلک من الاخبار الصحیحۃ والاٰثار الصریحۃ.

ومن ثم قال اصحابنا: تحرم الصلوٰۃ الٰی قبور الانبیاء والاولیاء تبرّکًا واعظامًا. ..... وکون ھٰذا الفعل کبیرۃ ظاھر من الاحادیث وکانہ قاس کل تعظیم للقبر کایقاد السرج علیہ تعظیما لہ و تبرکًا بہ والطواف بہٖ کذالک وھو اخذ غیر بعید سیما وقد صرح فی بعض الاحادیث المذکورۃ بلعن من اتخذ علی القبر سراجًا فیحمل قول الاصحاب بکراھۃ ذلک علٰی ما اذ لم یقصد بہٖ تعظیمًا وتبرکًا بذی القبر.

ص ۲۳۷

وفی صحیح[1] مسلم عن ابی الھیاج الاسدی قال: قال علی کرم اللّٰہ وجھہ الا اَبْعَثُکَ عَلٰی ما بعثنی علیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَنْ لَا تَدَعْ تمثالًا اِلَّا طَمَسْتَہٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَہٗ، قال ابن الھمام فی فتح الْقدیر: وھو محمول علی ما کانوا یفعلونہ من تعلیۃ القبور بالبناء الحسن عالی والاحادیث وکلام العلماء المنصفین التبعین لما وزد عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وجاء عن السلف الصالح اکثر من ان یحصی ص ۲۳۸ وبالجملۃ لا ینبغی لمن لہ ادنٰی

[1] جامع ترمذی، باب ماجاء فی تسویۃ القبر میں بھی یہ روایت موجود ہے، ج مستدرک حاکم، کتاب الجنائز میں بھی۔

رُشد ان یذهب الٰی خلاف ما نطقت به الاخبار الصحیحة والاٰثار الصریحة معولا علی الاستدلال بهذه الاٰیة فَاِنّ ذلک فِی الْغَوَایة غایة وفی قِلّةِ النُھٰی نھایة.

وَلَقَدْ رأیتُ مَنْ یبیح ما یفعله الجهلة فی قبور الصالحین من اشرافها وبنائها بالجصّ والأجرّ وتعلیق القنادیل علیها والصلوة الیها والطواف بها واستلامها والاجتماع عندها فی اوقات مخصوصة الٰی غیر ذلک محتجًا بهٰذِهِ الاٰیة الکریمة..... وکل ذلک محادة لِلّٰهِ تعالٰی ورسوله صلی اللّٰه علیه وسلم وابداع دین لم یاذن به اللّٰه عزّوجلّ

ویکفیکَ فی معرفة الحق تتبع ما صنع اصحابُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی قبرہٖ علیه الصلوة والسلام وهو افضل قبر علٰی وجه الارض بل افضل من العرش والوقوف علٰی افعالهم فی زیارتهم له والسلام علیه، علیه الصلوة والسلام۔[1]

تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں شہاب خفاجی وغیرہ نے آیت سے اولیاء کی قبروں پر قبہ وغیرہ بنانے، ان پر مسجد بنانے اور ان میں نماز کے جواز پر استدلال کیا ہے، یہ قول باطل، بے کار، فاسد اور کھوٹا ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبروں پر مسجد بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

اور صحیح مسلم میں روایت ہے فرمایا: خبردار! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، بیشک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ اور امام احمدؒ نے حضرت اسامہؓ سے اور احمدؒ اور بخاری اور مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے اور مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے، ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی یہود اور نصاریٰ پر لعنت، انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ اور احمدؒ اور بخاری اور مسلم اور نسائی نے روایت کی ہے ارشاد فرمایا: ان میں جب کوئی نیک بندہ مر

---

[1] تفسیر "روح المعانی" ج ۱۵، ص ۲۳۷ تا ۲۳۹، ملخصاً بلفظہٖ آیت قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوا عَلٰی

جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں تصویریں بنالیتے، یہ لوگ قیامت کے دن بدترین خلائق ہوں گے۔

اور احمد اور طبرانی کی روایت ہے ارشاد فرمایا: لوگوں میں بدترین وہ ہوں گے جو قیام قیامت کے وقت زندہ ہوں گے اور جنہوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔
اور عبدالرزاق کی روایت ہے ارشاد فرمایا: میری اُمت میں بدترین لوگ وہ ہیں جو قبروں کو مسجد بنالیں، اسی طرح ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل نے قبروں کو مسجد بنالیا، پس ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، ان کے علاوہ بھی صحیح احادیث وصریح آثار ہیں۔

اسی لیے ہمارے اصحاب (احناف) نے کہا ہے کہ حضرات انبیاء واولیاء کی قبروں کی طرف منہ کر کے تبرکاً اور ان کی تعظیم کی نیت سے نماز پڑھنا حرام ہے۔
.....ظاہر حدیث کے مطابق یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس قبر کی ہر تعظیم مثلاً اس پر چراغ جلانا، اس کی تعظیم یا اس سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے اور قبر کا طواف، وغیرہ بھی اسی طرح حرام اور کبیرہ گناہ ہیں اور مذکورہ بالا بعض احادیث میں قبر پر چراغ جلانے پر لعنت کی صراحت ہے، بعض اصحاب کا اسے صرف مکروہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ قبر والے کی تعظیم وتبرک مقصود نہ ہو (صرف رسماً چراغ جلایا جائے تو وہ مکروہ ہے ورنہ حرام اور کبیرہ ہے)

اور صحیح مسلم میں ابوالہیاج اسدی سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا میں تم کو اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول کریمؐ نے مجھے بھیجا تھا، وہ یہ کہ جو تصویر بھی دیکھو اسے مٹا ڈالو، اور جس قبر کو اُونچی پاؤ، اسے نیچا کردو۔
امام ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں کہا ہے، یہ حکم اس پر محمول ہے کہ وہ قبروں کو بہت اُونچا بناتے تھے، اس سلسلہ میں احادیث نبویہؐ اور علماء مصنفین و متبعین ارشادات نبویہؐ وسلف صالحین کے اقوال بے حد بے شمار ہیں۔

لہٰذا جس کو رشد وہدایت سے تھوڑا سا حصہ بھی ملا ہے اسے روا نہیں کہ احادیث صحیحہ وآثار صریحہ کے خلاف اس آیت سے غلط استدلال کرلے، بلاشبہ یہ گمراہی وضلالت کی انتہا ہے اور بے عقلی کی حد ہوگئی!

اور تو نے دیکھا ہے کہ (عموماً) جاہل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کو اُونچا اور

اینٹ چونے سے پختہ بناتے ہیں اور ان پر قندیلیں لٹکاتے ہیں اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور ان کا طواف کرتے ہیں اور انہیں چومتے ہیں، اور مخصوص اوقات (مقررہ تاریخوں) میں ان پر جمع ہوتے ہیں، وغیرہ، اس آیت سے حجت پکڑتے ہیں..... یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور دین میں بدعت پیدا کرنا ہے جس کی اللہ عزوجل نے اجازت نہیں دی۔

اور حق جاننے کے لیے تجھے اس بات کا تجسس وتتبع کافی ہے جو اصحابؓ رسولؐ نے رسولؐ کریم کی قبر کے بارے میں کیا اور وہ روئے زمین پر سب سے افضل قبر ہے بلکہ عرش سے افضل ہے اور قبر نبوی کی زیارت اور آپؐ پر ہدیہ سلام پیش کرنے میں صحابہ کرامؓ کے معمول وافعال پر عمل کرنا کافی ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اور مزار پُر انوار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بیان ہو چکا ہے کہ زمین سے تھوڑی سی اُونچی تھی اور چونے، گچ سے پختہ تو کیا! مٹی کے گارے سے لپی ہوئی تک نہیں تھی، اور یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ شیخین افضل الامۃ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی قبور مبارکہ کا تھا۔

زیارتِ قبور

قبورِ اولیاءؒ پر سالانہ اجتماع:

ا۔ خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں وَالْاِجْتِمَاعُ عِنْدَهَا فِی اَوْقَاتٍ مَخْصُوْصَةٍ یعنی مخصوص اوقات (مقررہ تاریخوں) میں مزاروں پر اجتماع کو جاہل لوگوں کا کردار قرار دیا ہے۔

۲۔ بیہقی عصر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ (متوفی ____ھ) رقمطراز ہیں:

لَا یَجُوْزُ مَا یَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ بِقُبُوْرِ الْاَوْلِیَاءِ وَالشُّهَدَاءِ مِنَ السُّجُوْدِ وَالطَّوَافِ حَوْلَهَا وَاِتِّخَاذُ السُّرُجِ وَالْمَسَاجِدِ عَلَیْهَا وَمِنَ الْاِجْتِمَاعِ بَعْدَ الْحَوْلِ کَالْاَعْیَادِ وَیُسَمُّوْنَهٗ عُرْسًا۔[1]

جاہل لوگ اولیاء و شہدا کی قبروں کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں جیسے سجدہ کرنا اور ان کے گرد طواف کرنا اور ان پر چراغاں کرنا اور مسجدیں بنانا اور سال کے بعد عیدوں کی طرح وہاں جمع ہونا، جسے عرس کہتے ہیں، یہ سب جائز نہیں ہیں۔

قبورِ اولیاءؒ کی بالقصد زیارت:

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) اس کو حج لغیر اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شرک کی قسمیں بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَمِنْهَا الْحَجُّ لِغَیْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَذٰلِکَ اَنْ یَّقْصُدَ مَوَاضِعَ مُتَبَرَّکَةً مُخْتَصَّةً بِشُرَکَائِهِمْ یَکُوْنُ الْحُلُوْلُ بِهَا تَقَرُّبًا مِنْ هٰٓؤُلَاءِ فَنَهَی الشَّرْعُ عَنْ ذٰلِکَ.

ان امور شرکیہ) میں سے حج لغیر اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے شرکاء کے مخصوص متبرک مقامات کا قصد کیا جائے کہ وہاں جانا ان شرکاء کے تقرب کا باعث ہے۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ.[2]

شریعت نے اس سے منع فرما دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے تین

---

[1] تفسیر مظہری، تفسیر سورہ آل عمران، آیت قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ.....

[2] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد اول، باب اقسام الشرک۔

مسجدوں کے (تقرب وتبرک کی غرض ونیت سے) سفر نہ کیا جائے۔

تقرب الی اللہ اور حصولِ اجر وثواب کی نیت سے صرف تین مساجد، مسجد الحرام (مکہ معظمہ) مسجد نبوی (مدینہ طیبہ) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف سفر کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔

کسی بزرگ کے مخصوص مقامات، قبر وغیرہ کو متبرک سمجھ کر حصولِ برکت اور اس بزرگ کے تقرب کی نیت سے اس قبر وغیرہ کی طرف سفر کرنے کو حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ اقسامِ شرک میں شمار کرتے ہیں اور اسے اَلْحَجُّ لِغَیْرِ اللّٰہِ سے تعبیر کرتے ہیں۔

۴۔ ایک اور مقام پر رقم فرماتے ہیں:

قولہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

لَا تُشَدُّ رِحَالٌ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا اَقُوْلُ کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّةِ یَقْصِدُوْنَ مَوَاضِعَ مُعَظَّمَةً بِزَعْمِھِمْ یَزُوْرُوْنَھَا وَیَتَبَرَّکُوْنَ بِھَا وَفِیْهِ مِنَ التَّحْرِیْفِ وَالْفَسَادِ مَا لَا یَخْفٰی فَسَدَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِئَلَّا یَلْتَحِقَ غَیْرُ الشَّعَائِرِ بِالشَّعَائِرِ وَلِئَلَّا یَصِیْرَ ذَرِیْعَةً بِعِبَادَةِ غَیْرِ اللّٰہِ وَالْحَقُّ عِنْدِیْ اَنَّ الْقَبْرَ وَمَحَلَّ عِبَادَةِ وَلِیٍّ مِنَ الْاَوْلِیَآءِ اللّٰہِ وَالطُّوْرَ کُلُّ ذٰلِکَ سَوَآءٌ فِی النَّھْیِ واللّٰہ اعلم۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین مسجدوں، مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور میری اس مسجد (نبویؐ) کے سوا کسی جگہ کے لیے کجاوے نہ باندھے جائیں" میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت کا دستور تھا کہ اپنے زعم میں جن مقامات کو وہ واجب التعظیم سمجھتے تھے، ان مقامات کی زیارت کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے وہ سفر کیا کرتے تھے، اور اس میں دین کی تحریف اور بگاڑ ظاہر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بگاڑ کا سد باب فرمایا تا کہ غیر شعائر شعائر اللہ میں داخل نہ ہو جائیں، اور یہ عبادت غیر اللہ کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اور میرے نزدیک حق یہ ہے کہ کسی ولی اللہ کی قبر یا اس کی عبادت کرنے کی جگہ اور کوہ طور سب اس ممانعت میں برابر ہیں واللہ اعلم۔

---

[1] "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد اوّل، باب المساجد۔

مزاراتِ اولیاء اللہ کی زیارت: اولیاء اللہ رحمہم اللہ سے محبت و حسنِ عقیدت محمود و مستحسن ہے۔ان کی اتباع، اتباعِ رسولؐ ہے۔ بعد وفات ان کے لیے دعا اور ایصالِ ثواب شرعاً محمود و مطلوب ہے۔ اگر کسی ولی اللہ کی قبر قریب ہو تو وہاں جا کر یا اتفاق سے گزر ہو تو سنت کے مطابق سلام کہنا اور عفو عافیت اور مغفرت و رحمت کی دعا کرنا سب باتفاقِ اُمت جائز و درست ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ باقی رہا دُور دراز کا طویل سفر کر کے کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے لیے جانا، اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مباح ہے، اور بعض کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ان اکابر اُمت و مشائخ ملت میں سے ہیں جن کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ آپ فرماتے ہیں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی قبر ان کی عبادت کا محل و مقام اور کوہِ طور یہ سب حدیث لا تشدُّ رِحالٌ کی نہی میں برابر داخل ہیں، یعنی ان کی طرف سفر کر کے جانا شرعاً جائز نہیں، ممنوع ہے۔

سنتِ فاروقی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت دانیالؑ کی قبر کو بے نام و نشان کر دیا اور جب معلوم ہوا کہ لوگ شجرۂ بیعتِ رضوان کی زیارت کے لیے سفر کر کے آتے جاتے ہیں تو سرے سے اس درخت ہی کو کٹوا دیا، کل جس کے شرک و فساد کا ذریعہ ہونے کا خطرہ و امکان تھا تا کہ اشراک باللہ اور فسادِ عقیدہ کا یہ منبع و ذریعہ ہی ختم ہو جائے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اور کسی ایک صحابیِ رسولؐ نے خلیفۂ رسولؐ کے اس اقدام کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہا۔

جہاں حضرت محدث دہلویؒ کا مستدل حدیثِ رسول کریمؐ ہے، وہاں رسول کریمؐ کے خلیفہ ثانی بلکہ ہزاروں لاکھوں صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم کا یہ اجماع بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا مُصدِّق و مؤید ہے۔

زیارتِ قبور: مطلق قبر کی زیارت شرعاً مباح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا. (رواہ مسلم)[1]

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا (مگر اب) تم قبروں کی زیارت کرو۔

چونکہ لوگ عہدِ شرک و جاہلیت سے قریب تر تھے، اس لیے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے سے بالکل روک دیا تھا۔ جب فتنہ کا خطرہ نہ رہا تو اجازت عطاء فرمادی۔

جمہور علماء کے نزدیک قبر کی زیارت مستحب ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ زیارتِ قبور مَردوں کے لیے سنت ہے لیکن عورتوں کے لیے اکثر علماء نے قطعی طور پر مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض نے مکروہ نہیں کہا جبکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

زیارتِ قبورِ والدین: سنت سے خصوصیت کے ساتھ اگر ثابت ہے تو قبورِ والدین کی زیارت ثابت ہے۔ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

جو ہر جمعہ کو والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس کی مغفرت کی جائے گی۔ (رواہ البیھقی مرسلاً)[2]

زیارتِ قبور کا مقصد: بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا.

فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ. (رواہ ابن ماجہ)[3]

میں تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا (مگر اب) تم قبروں کی زیارت کرو، بیشک قبروں کی زیارت دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

۲۔ حضرت بُرَیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے کہ جب قبروں (کی زیارت) کے لیے نکلیں تو کہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ.

رواہ مسلم ("مشکوۃ المصابیح" باب زیارۃ القبور)

اے دیار (آخرت) والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو۔ ہم بھی انشاء اللہ تم

---

۱ "مشکوۃ المصابیح" باب زیارۃ القبور۔ ۲ ایضاً۔ ۳ ایضاً۔

سے آملیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لیے بخشش طلب کرتے ہیں۔

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں قبروں کے قریب سے گزرے تو ان کی طرف منہ کر کے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ.

(رواہ الترمذی)

اے قبروں والے! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخشے۔ تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ ("مشکوٰۃ المصابیح" باب زیارۃ القبور)

۴۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم:

فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ.

رواہ مسلم ("مشکوۃ المصابیح" باب زیارۃ القبور)

تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔ بیشک یہ موت یاد دلاتی ہے۔

جہاں تک زائر (زیارت کرنے والے) کا سوال ہے، زیارتِ قبر سے اس کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اسے موت یاد آتی ہے، عبرت حاصل ہوتی ہے، دنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری کا نقش دل ہی پر ثبت نہیں ہوتا بلکہ اس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ بے وفا فانی دنیا سے دل کی رغبت کم ہوتی ہے۔ خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان اپنی قبر کی تنویر و تبرید اور ٹھنڈک و نورانیت کا سامان بہم پہنچانے کی فکر کرتا ہے۔

باقی رہا اصحابِ قبور (قبر والوں) کا سوال! تو ان کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ زیارت کرنے والا ان کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور غفران و مغفرت طلب کرتا ہے۔ اور ایصالِ ثواب کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص قبرستان میں گزرے اور سورۂ اخلاص ۱۱ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو مُردوں کی تعداد کے مطابق اس کو بھی اجر ملے گا۔ اخرجہ ابو محمد السمر قندی (بہشتی گوہر ص ۱۲۶)

شرعی و مسنون زیارتِ قبر:

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوگیا کہ زیارتِ قبور کا مشروع و مسنون طریقہ صرف یہ ہے کہ مسلمان جب کسی مسلمان کی قبر سے گزرے یا قبر پر پہنچے، خواہ وہ قبر کسی ولی اللہ کی ہو یا غیر ولی کی، تو قبر پر (جانبِ قبلہ) کھڑا ہو کر سلام کہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے نیز اپنے لیے

عافیت ومغفرت اور رحمت کی دعا کرے، بغیر ہاتھ اُٹھائے، کیونکہ ہاتھ اُٹھانے کا ذکر تک نہیں۔

ممنوع ومکروہ اور مردود و ناروا افعال: سلام و دعاء کے علاوہ زیارتِ قبر کے سلسلہ میں ہر فعل مثلاً مقبرہ[1] کی چوکھٹ کا چومنا، مزار کا طواف[2]، سجدہ[3]، اس کی چوما چاٹی[4]، قبر کو ہاتھ سے مس[5] کرنا، صاحبِ قبر سے دعاء[6] وفریاد اور فراخیٔ رزق، اولاد اور حلِ مشکلات وحاجت براری کا سوال کرنا، قبر کے قریب نماز[7] پڑھنا، قبر یا مقبرہ پر چراغاں[8] کرنا، قبر پر پھول[9] چڑھانا، عطر[10] چھڑکنا، غلاف[11] ڈالنا، نقدی وغیرہ چڑھاوے[12] چڑھانا، غایت تعظیم کی وجہ سے سیدھا کھڑا نہ ہونا بلکہ جھکے[13] رہنا، قبر کی طرف پشت[14] نہ کرنا، زیارتِ قبر کے لیے کوئی خاص تاریخ مقرر[15] کرنا، قبر پر لوگوں کا جمع[16] ہونا وغیرہ یہ سب افعال مردود و ناروا اور غیر مشروع وممنوع ہیں۔ بعض ان میں سے بدعت ہیں، اور بعض شرک۔ مثلاً سجدہ، صاحبِ قبر سے دعا وفریاد وسوال، اور نذر نیاز (چڑھاوے چڑھانا)۔ بعض پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، مثلاً چراغ جلانا اور قبر کے قریب نماز پڑھنا، خواہ وہ نماز خالص اللہ کے لیے ہو۔

یہ تمام افعال باتفاق، ائمہ اسلام غیر مشروع، ممنوع و ناروا ہیں۔ نہ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیے نہ صحابہؓ وتابعین اور ائمہ دین واکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ میں سے کسی نے ان میں سے کوئی کام کیا۔ اُلٹا ان سب نے ان تمام ناجائز کاموں کی سخت وشدید ممانعت فرمائی۔ ان کاموں کے کرنے والوں کے متعلق لعنت وغیرہ وعیدِ شدید آئی ہے، اور شریعت نے نہایت سخت اور تکرار وتاکید کے ساتھ ان کاموں سے روکا ہے۔

عرس

کسی اللہ کے بندے نے شاید تبلیغی مقصد کے لیے یہ اجتماع منعقد کیا ہو، مگر آج عموماً عرس نام ہے ان تمام بدعات و شرکیات کے مجموعہ کا!

چند مزید محرماتِ شرعیہ: نیز چند محرمات اس پر مستزاد ہوتی ہیں مثلاً:

شریعتِ محمدیؐ کی توہین و تردید اور بھرپور مخالفت پر مشتمل گندے لوگوں، ملحد شاعروں کے غلیظ، گندے اور متعفن اشعار گانے اور باجے، جاہل، نفس پرست، بے دین اور پیٹ پوجا کرنے والے گویّوں کی (وعظ کے عنوان) سے خرافات، زن و مرد کا بے تکلف باہم خلط ملط، بے پردگی، بے شرمی اور بے لحاظی کا ایک طوفان، جس کے تصور سے شرافت لرزہ براندام ہو جاتی ہے اور جبینِ انسانیت عرق آلود! اور لنگر کے نام سے، غیر اللہ کے نام پر نامزد کردہ پکوان کو تبرکاً تقسیم کرنا اور کھانا وغیرہ۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن: علامہ اقبالؒ نے بالکل صحیح کہا ہے

جن اولیاء اللہ رحمہم اللہ نے جانکاہ و جانگسل مصیبتیں برداشت کر کے روح فرسا تکلیفیں اُٹھا کر، ترکِ وطن کر کے، گھر بار بیوی بچوں کو چھوڑ کر فاقے کر کے، پیاسے رہ کر، گالیاں اور پتھر تک کھا کھا کر لوگوں کو اللہ کا دین پہنچایا، خلقِ خدا کو خدا کا راستہ دکھایا، توحید کا بھولا ہوا سبق پڑھایا، اللہ ربّ العزت کی کروڑوں رحمتیں ان کے مزارِ پُرانوار پر!

آج عموماً ان کے مزاروں پر .... "گورکن" بیٹھے ہیں۔

قم باذنِ اللہ جو کہتے تھے وہ رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مُجاور رہ گئے یا گورکن!
اقبالؔ

ظالم واعظ: یہ لوگ اپنے دھندے اور کاروبار کی بقا و ترقی کے لیے "واعظ" کے نام سے کچھ "گلوکار" بہم پہنچاتے ہیں، وعظ کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، جن میں یہ گویے محض چند کھوٹے سکوں کے لیے اپنا دین و ایمان بیچتے ہیں، تاجر سجادہ نشین کے چشم و ابرو

کے اشاروں پر رقص کرتے ہیں، قرآن وحدیث سے کھیلتے ہیں، اور کتاب وسنت کی کھلی تحریف کر کے موجودہ ''عرس'' کی تمام خلاف شریعت خرافات کو سند جواز ''عطا فرماتے'' ہیں۔ سجادہ نشین کی ساری ضلالت وگمراہیوں کو عین ہدایت، شرک کو توحید اور بدعت کو سنت ثابت کر کے اپنی مکاری وفن کاری کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں، اور اس طرح ہزاروں لاکھوں سیدھے سادے بندگانِ خدا کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جاتے ہیں۔

دین کی مظلومی:

دین کی مظلومی بدرجۂ انتہا پہنچ گئی کہ جس عرس کا کتاب وسنت میں نام ونشان تک نہیں ملتا، حضرات صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے اعمال وکردار میں نہیں بلکہ ان کے اقوال وارشادات میں بھی ڈھونڈے سے جس کا ذکر نہیں ملتا، وہ عرس آج دین ہے، روحِ دین ہے، اصل دین ہے، بلکہ کُل دین ہے، سارا دین سمٹ کر ایک لفظ ''عرس'' میں آگیا ہے اور آج اُمتِ مسلمہ کی پوری دینی زندگی کا لب لباب یہی عرس رہ گیا ہے۔

مسلمان کہلانے والے، توحید کا کلمہ پڑھنے والے مدعیانِ اسلام سفرِ حج سے زیادہ ذوق و شوق کے ساتھ، سفر کی زحمتیں اور صعوبتیں برداشت کر کے عرسوں میں شرکت کرتے ہیں، جہاں اہل اللہ کو اللہ واحد کا مقام دیا جاتا ہے۔ دل میں ان ہی کی عبادت کی حد تک پہنچی ہوئی تعظیم جاگزین ہوتی ہے۔ نفع ونقصان کا مالک انہیں سمجھا جاتا ہے۔ مرادیں ان سے مانگی جاتی ہیں۔ امیدیں ان سے رکھی جاتی ہیں۔ خوف ان سے کھایا جاتا ہے۔ تعبد وتذلل اور تعظیم بلیغ کا بھرپور مظاہرہ انہی کے حضور کیا جاتا ہے۔ قبروں سے لگ لپٹ کر، چمٹ کر آہ وزاری کی جاتی ہے۔ زبان محوِ فریاد وفغاں ہوتی ہے تو آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ غرض بزرگانِ دین کی مزاروں پر ان تمام خلاف شرع حرکات اور مشرکانہ کردار کا برملا ارتکاب کیا جاتا ہے جن کو مٹانے کے لیے ان بزرگانِ دین ومشائخِ ملت نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی۔

صداقتِ نبوت کی ایک واضح دلیل:

اگر اللہ تعالیٰ انسان کو عقل وبصیرت سے کچھ حصہ وبہرہ عطاء فرمائے تو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی صداقت وحقانیت کے ہزاروں دلائل میں سے یہ بھی ایک واضح دلیل ہے کہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحوں میں بالکل وفات کے وقت عین عالمِ نزع میں فتنۂ قبر سے متعلق جو کچھ فرمایا سولہ آنے حق فرمایا۔ آج انسان جب قبر کے فتنۂ عظیم

پر نگاہ کرتا ہے، اور ''عرس'' کے عنوان سے قبر پر محرمات و منکراتِ شرعیہ، بدعاتِ سیئہ اور حرکاتِ شرکیہ کا جو طوفان برپا دیکھتا ہے تو اس کا رُواں رُواں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی کے راگ الاپتا ہے اور اس کا دل و دماغ یہ گواہی دیتا ہے کہ حضرت خاتمِ نبوت نے آخر وقت جو کچھ فرمایا وہ از خود نہیں فرمایا بلکہ اللہ رب العزت سے علم و اطلاع پا کر فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم۔

واقعی دین کے بارے میں نبیؐ کا ہر بول خدا کا بول ہوتا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود!

اللہ رب العزت نے عالمِ اضطرار و اضطراب میں اپنے رسولِ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے نکلی ہوئی دعا کو قبول فرمالیا، ورنہ آج جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کی قبریں بت بنی بیٹھی رہی ہیں اور عید، میلہ بن کر رہ گئی ہیں، جانے امام المرسلینؐ کی مزارِ پُر انوار کا کیا حال ہوتا؟

عرس کی دین میں کوئی اصل نہیں:

کتاب اللہ میں ''عرس'' کا لفظ ہے نہ سنتِ رسولؐ میں اس کا نام و نشان۔ کیا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا ابراہیمؑ خلیل اللہ یا اپنے باپ اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ یا اپنے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس منعقد فرمایا؟ یا پھر حضرات صدیق و فاروق و عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) نے اپنے اپنے عہدِ خلافت میں ہر سال نہ سہی! ایک بار بھی اپنے محبوب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کیا؟ یا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے اپنی ساری زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک دفعہ بھی عرس کیا؟ یا پھر حضرت حسن بصری، سعید بن مسیب اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی خلیفۂ رسول یا صحابیٔ رسولؐ کا عرس کیا؟ یا پھر حضرت امام اعظم، امام مالک، امام شافعی یا امام احمد رحمہم اللہ نے اپنے شیوخ میں سے کسی کا عرس کیا؟ یا پھر امام ابویوسف اور امام محمد نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا کبھی عرس کیا؟ رحمہم اللہ، یا پھر ابویزید بسطامی، جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی، شہاب الدین سہروردی، معین الدین چشتی، جلال الدین بخاری، مخدوم علی ہجویری اور مجدد الف ثانی، (رحمہم اللہ) میں سے کسی نے اپنے شیخ و مرشد کا عرس کیا؟ اگر نہیں کیا اور یقیناً نہیں کیا، تو پھر ہمیں خدا سے خوف کھانا چاہئے اور آئندہ اس سے بچنا چاہئے۔

ایصالِ ثواب: شریعت میں ایصالِ ثواب کی اجازت ہے۔ انسان جو نیک عمل شریعت کے مطابق کرے، اس کا ثواب جس کو چاہے بخش سکتا ہے، خواہ وہ عملِ خیر ابھی کیا ہو یا پہلے کبھی کیا ہو۔

دعا اور مالی عبادت، صدقہ وخیرات کا ایصالِ ثواب بالاتفاق جائز ہے۔ بدنی عبادت خواہ وہ قولی ہو یا فعلی مثلاً نوافل، قرآن خوانی کا ثواب امام اعظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک بخشا جاسکتا ہے۔ مگر:

۱۔ نہ تو کسی خاص بزرگ کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اور نہ ہی کسی خاص تاریخ یا معینہ وقت پر! اور نہ ہی اس کا خاص اہتمام کیا جائے۔ خاص بزرگ کو ثواب پہنچانے میں شرک کے چور دروازہ سے گھس آنے کا خطرہ ہے اور تاریخ و وقت کی تعیین اور کسی خاص چیز کا اہتمام و التزام بدعت ہے۔

۲۔ جہاں بزرگانِ دین، اولیاء اللہ کو ایصالِ ثوب کیا جائے وہاں اپنے والدین، آباؤ اجد اس کے زیادہ محتاج ہیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادا مستحق و احق ہیں، لہٰذا ایصالِ ثاب کرتے وقت دعا میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جائے، پھر دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کا، پھر حضرات صحابہ کرامؓ و آلِ رسولؐ کا، پھر جمیع حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کا، پھر ساری اُمتِ مسلمہ کا، خصوصاً اپنے آباؤ اجداد اور شیخ و مرشد کا، اللہ ربّ العزت اپنی رحمت سے سب کو ثواب عطا فرمائیں گے اور ان کے فضل و کرم سے اس ایصالِ ثواب کرنے والے کے نامۂ اعمال میں بھی اس عبادت اور کارِ خیر کا اندراج بدستور رہے گا۔

۳۔ یاد رہے کہ ایصالِ ثواب تب ہوگا جب پہلے عمل و عبادت پر ثواب عطاء بھی ہو۔ ثواب عطاء تب ہوگا جب وہ عمل شریعت کے مطابق ہوگا اور لوجہ اللہ ہوگا۔ اگر عمل ہی خلاف شرع ہو یا نیت ریاء و نمائش کی ہو تو عمل ہی مردود ہوگا، اجر و ثواب کہاں سے ملے گا؟ اور جب عامل کو اجر و ثواب نہ ملا تو ایصالِ ثواب کس کا ہوگا؟

دعا واستغفار: سب سے بہتر ایصالِ ثواب، دعا و استغفار ہے، جو خود کتاب اللہ سے ثابت ہے، اور دوسروں کی نسبت پہلے اپنے والدین کے لیے ثابت ہے۔

قولہٗ تعالیٰ:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ. (ابراھیم، ع ۶)

اے ہمارے رب، مجھ کو اور میرے ماں باپ کو بھی اور کل مومنین کو بھی بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔

پہلے اپنے والدین: احادیث میں بھی اپنے والدین کے متعلق ایصالِ ثواب کا ذکر ہے

۱۔ بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: (صلی اللہ علیہ وسلم) جب انسان مر گیا، اس کا عمل ختم ہو گیا، مگر تین کاموں کا (ثواب موقوف نہیں ہوتا)

صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْا لَهٗ. (رواہ مسلم)[1]

(ایک) صدقہ جاریہ (دوسرے) علم جس سے خلق کو فائدہ ہو (تیسرے) نیک بیٹا جو باپ کے لیے دعا کرے۔

۲۔ بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، میری ماں اچانک مر گئی ہے.....

فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ. (متفق علیہ)[2]

اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں!

۳۔ مؤطا مالکؒ باب صدقۃ الحی عن المیت اور ابوداؤد کتاب الوصایا میں بھی یہ روایت ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر اس شخص نے اپنا باغ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا۔ یہ روایت ابن عباسؓ سے ہے۔

۴۔ ابوداؤد میں یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہے مگر اس میں ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا..... مؤطا مالکؒ کی ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے اپنی ماں کی طرف سے باغ صدقہ کر دیا۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہو گیا کہ دعا، استغفار، ایصالِ ثواب کے لیے سب سے

---

۱ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب العلم و ''ابوداؤد'' کتاب الوصایا۔

۲ ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج۔

پہلا حق والدین کا ہے۔اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرات اولیاء کرام رحمہم اللہ کی نسبت انسان کے والدین ایصالِ ثواب کے زیادہ محتاج ہیں، مگر آج لوگ اپنے والدین کو تو بھول کر بھی ایصالِ ثواب نہیں کرتے اور حضرات اولیاء اللہ کو معین وقت پر پابندیٔ وقت کے ساتھ ''ایصالِ ثواب'' کرتے ہیں جس کی بنیاد شرک ہے، مثلاً:

''گیارھویں شریف'': امام الاتقیا، سید الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام پر ہر مہینے کی گیارھویں شب کو بعض لوگ اپنی گائے بھینسوں کا دودھ تقسیم کرتے ہیں، اور نہایت سختی کے ساتھ اس کا التزام اور پابندی کرتے ہیں، کیا مجال کہ کسی مہینے ناغہ ہو جائے، اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ ہم حضرت رحمہ اللہ کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، حالانکہ ان جہال کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ ہم سے راضی ہوں گے اور ہمارے گائے بھینسیں نہ بیمار ہوں گی نہ مریں گی، اور ان کا دودھ مکھن بھی زیادہ ہوگا۔اسی طمع اور لالچ میں ''گیارھویں شریف'' بانٹتے ہیں، اگر نہ بانٹیں تو ان کے زعم باطل میں حضرت رحمہ اللہ ناراض ہو جائیں گے۔اور مال مر جائے گا یا ان کا دودھ مکھن کم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے، اور اس کے شرک ہونے کا کوئی مشرک ہی انکار کر سکتا ہے۔

اگر واقعی ایصالِ ثواب مقصود ہوتا تو گیارھویں شب اور دودھ کی قید کیوں؟ پھر حضرت سید المشائخ رحمہ اللہ کی تخصیص کیوں؟ کیا دوسرے حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو ثواب کی ضرورت نہیں، پھر کیا اس کے اپنے والدین ایصالِ ثواب کے محتاج نہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کو تو بھول کر کبھی لسی کا ثواب بھی نہیں بخشا اور حضرت رحمہ اللہ کو ہر مہینے دودھ کا ثواب پہنچاتا ہے۔

درود شریف: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے بہتر دعا درود شریف ہے، درود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے رحمت ہے اور ہادیٔ اعظم، رحمتِ عالم، محسنِ انسانیت کے انسانیت پر احسانات عظیمہ و بے پایاں کا برائے نام بدلہ! جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (سورہ احزاب)

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (کریم) پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپؐ پر رحمت بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اللہ تعالیٰ کا نبیؐ کریم پر صلوٰۃ بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے، اور فرشتوں اور انسانوں کا صلوٰۃ بھیجنا اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رحمتِ خاصہ کی دعا کرنا ہے۔ اسے ہمارے محاورے میں درود کہا جاتا ہے۔ درود پڑھنے سے جہاں حضرت کے مراتبِ عالیہ و مدارجِ رفیعہ میں مزید ترقی ہوگی وہاں دعا کرنے والے پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

۱۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا. (رواہ مسلم)[1]

جس نے میرے اوپر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ نے اس پر دس بار رحمت نازل فرمائی۔

۲۔ جامع ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں یہ زائد ہے کہ:

وَكُتِبَ لَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ.[2] اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی گئیں!

۳۔ بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ. (رواہ النسائی)[3]

جس نے ایک دفعہ میرے لیے رحمت کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں اور اس کے دس گناہ معاف کردیئے گئے اور اس کے دس درجے بلند کردیئے گئے۔

مقام محمود اور وسیلہ کی دعا:

درود شریف کے علاوہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرنے کا حکم ہے۔

۱۔ بروایت رُوَیفع رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ. (رواہ احمد)[4]

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] "ترمذی" باب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

جس نے محمدؐ پر درود بھیجا اور کہا، اے اللہ! آپ کو وہ مقام عطاء فرما جو قیامت کے دن تیرے نزدیک مقرب ہے (یعنی مقامِ محمود) تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۲۔ بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم، جس نے اذان سن کر کہا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِىْ وَعَدْتَهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواہ البخاری)[1]

اے اللہ! اس کامل دعا (یعنی اذان) اور نماز قائمہ کے پروردگار! محمدؐ کو وسیلہ عطا فرما اور بزرگی دے اور (قیامت کے دن) آپ کو مقامِ محمود پر مبعوث فرما جس کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے، تو اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو گئی۔

۳۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:

جب تم مؤذن کی اذان سنو تو جس طرح وہ کہے تم بھی اس طرح کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ بیشک جس نے میرے اوپر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ نے اس پر دس رحمتیں نازل فرمائیں۔ پھر میرے لیے اللہ سے وسیلہ طلب کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک (اعلیٰ وارفع) مقام ہے جو ایک ہی اللہ کے بندے کے لیے ہے اور مجھے اُمید ہے کہ وہ میں ہوں۔

فَمَنْ سَاَلَ لِىَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ. (رواہ مسلم)[2]

جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

جو شخص بارگاہِ ربّ العزت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقامِ محمود اور وسیلہ کی دعا کرے گا، اللہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے بلند کرے گا اور آپ کو قیامت کے دن اور جنت کے اندر یہ اعلیٰ وارفع خاص الخاص مقامات عطاء فرمائے گا اور دعا کرنے والے کو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب فضل الاذان۔

[2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب فضل الاذان۔

۴۔ تصویر

اصنام واوثان یعنی بت اور پتھر قبریں براہِ راست پوجاپاٹ اور شرک کا باعث بنیں، اس لیے اسلام نے بتوں کو خاک میں ملا دیا اور قبروں کی بلندی کو ملیامیٹ کر کے انہیں برائے نام نشان کے طور پر باقی تو رہنے دیا، لیکن ان کی عبادت وتعظیم ان کے سجدہ وطواف، ان کی پوجاپاٹ، ان کی چوما چاٹی، اور ان کی زینت وتزئین کو حرام قرار دے دیا۔ اور شارع علیہ السلام نے ان افعال واعمال کا ارتکاب کرنے والوں پر غیر مبہم الفاظ میں لعنت فرمائی۔

اصنام ومزارات، بتوں اور قبروں کے بعد شرک کے دواعی واسباب میں تصویر وتمثیل کا نمبر ہے۔ تصویر۔ نے شرک کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے، اس لیے شریعتِ محمدیؐ میں کسی انسان کی تصویر کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

بت، قبر اور تصویر: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی ترویج و اشاعت میں بت، قبر اور تصویر ان تینوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو توڑ پھوڑ دینے، ہموار کر دینے کا فرمایا۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو مدینہ جائے

فَلَا يَدَعُ ......وَثَنًا اِلَّا كَسَرَهُ وَلَا قَبْرًا اِلَّا سَوَّاهُ وَلَا صُوْرَةً اِلَّا لَطَخَهَا.

وہاں کسی بت کو توڑے بغیر نہ چھوڑے اور کسی قبر کو ہموار کیے بغیر اور کسی تصویر کو مٹائے بغیر نہ چھوڑے۔

.... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ! چنانچہ حضرت علی گئے اور واپس آ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے مدینہ میں کوئی بت نہیں چھوڑا جسے توڑ پھوڑ نہ دیا ہو، کوئی قبر نہیں چھوڑی جسے برابر نہ کر دیا ہو، اور کوئی تصویر نہیں چھوڑی جسے مٹا نہ دیا ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب پھر اگر کسی نے ان میں سے کوئی چیز بنائی،

فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ. ("صحیح مسلم" کتاب الجنائز، "نسائی" کتاب الجنائز)

تو اس نے اس چیز کا کفر کیا جو محمد پر نازل ہوئی (صلی اللہ علیہ وسلم)

بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما فتح مکہ کے موقع پر:

اَبٰی اَنْ یَدْخُلَ الْبَیْتَ وَفِیْهِ الْاٰلِهَةُ فَاَمَرَ بِهَا فَاُخْرِجَتْ فَاُخْرِجَ صُوْرَةُ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَفِیْ اَیْدِیْهِمَا مِنَ الْاَزْلَامِ.....

آپ نے بیت اللہ کے اندر داخل ہونے سے انکار فرما دیا کیونکہ اس میں معبود تھے۔ آپ نے ان کے متعلق حکم دیا چنانچہ وہ نکال دیئے گئے (ان میں) ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) کی مورتیاں بھی نکلیں۔ ان کے ہاتھ میں تیر تھے۔ آپ نے فرمایا: ان مشرکین پر خدا کی مار، یہ (خوب) جانتے ہیں کہ ان دونوں نے کبھی پانسے نہیں ڈالے۔ (ان کے نکالے جانے کے بعد) پھر حضرتؐ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور بیت اللہ کے کونوں میں تکبیر کہی[1] (یعنی اللہ کی کبریائی بیان فرمائی)

۳۔ مورتیاں تو نکال دی گئیں اور جو تصویریں دیواروں پر بنی ہوئی تھیں وہ مٹا دی گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ میں تصویریں دیکھیں، لَمْ یَدْخُلْ حَتّٰی اَمَرَ بِهَا فمحیت، تو آپؐ اندر داخل نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے حکم سے وہ مٹا دی گئیں۔[2]

تو تصویر خواہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہو یا ملائکۃ اللہ کی یا حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ کی شریعتِ محمدیؐ میں سب کو مٹا دینے کا صریح و شدید حکم ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کعبہ کے اندر قدم نہیں رکھتے جب تک تمام تصویریں مٹا نہیں دی جاتیں، یا پھر حضرت اپنے مبارک ہاتھ سے مٹا دیتے ہیں۔ (سیرت حلبیہ، جلد ۲، ص ۲۱۱)

جہاں تصویر ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے: شارع علیہ السلام کو تصویر سے اس قدر نفرت ہے:

۱۔ کہ حضرت نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک تکیہ پر تصویریں دیکھیں تو حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اندر قدم مبارک نہ رکھا، فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالباب ولم یدخل، نیز فرمایا کہ اِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ فِیْهِ الصورة لا تدخله الملائكة، جس گھر میں تصویر ہو اس میں ملائکہ (رحمت) داخل نہیں ہوتے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)[3]

---

[1] "صحیح بخاری" غزوۃ الفتح "ابوداؤد" باب الصلوٰۃ فی الکعبہ۔

[2] "صحیح بخاری" کتاب التفسیر باب قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا.

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التصاویر۔

۲۔ مؤطا مالک، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے۔

۳۔ حضرت میمونہ اُمّ المومنین حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا مالک، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں اس مضمون کی روایات موجود ہیں کہ ایک دفعہ جبریل امینؑ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کا وعدہ کر کے نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر نہایت شاق گزرا۔ آپ بہت غمگین ہوئے۔ بات یہ تھی کہ خوابگاہ میں کسی طرح کتے کا بچہ داخل ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے جب نہ آنے کی شکایت کی تو جبریلؑ نے کہا: اِنّا لا ندخل بیتا فیہ کلب او صورۃ، ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا تصویر ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)[1]

۴۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْب او تَصَاوِير. (متفق علیہ)[2]

ملائکہ رحمت کو تصویر سے اتنی شدید نفرت ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں نہیں آتے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ صرف کاشانہ رحمت میں داخل نہیں ہوتے بلکہ گھر میں جس چیز پر تصویر ہو اس چیز ہی کو توڑ پھوڑ اور چیر پھاڑ دیتے ہیں۔

۵۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئًا فیہ تصالیب اِلّا نَقَضَهُ.[3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کسی چیز کو نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصویریں ہوں مگر اسے توڑ پھوڑ دیا کرتے تھے۔

۶۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پردہ لٹکا دیکھا جس میں تصویریں تھیں، چنانچہ آپ نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا ھتکہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (متفق علیہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم)[4] صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ (تصویروں والا پردہ دیکھ کر) حضرت کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا...... یعنی حضرت بہت ناراض ہوئے۔

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التصاویر۔ [2] ایضاً۔ [3] "صحیح بخاری" نقض الصور۔

[4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التصاویر۔

۵۔ مشرکین کی مخالفت

شرک کے سدباب کی خاطر مشرکین کی ہمہ نوع مخالفت کا حکم دیا گیا۔ نہ صرف عبادت میں بلکہ معاشرت اور شکل وصورت تک میں ان کی مخالفت مشروع ہے۔ ان سے خلط ملط اور میل ملاپ تک کو نہایت سختی سے روکا گیا۔

۱۔ بروایت حضرت سَمُرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ. (ابو داؤد، کتاب الجهاد)

جو شخص مشرک کی موافقت کرے اور اس کے ساتھ سکونت رکھے وہ بھی اس مشرک کی مثل ہے۔

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مشرک سے میل جول رکھنے اور اس کے ساتھ رہنے سہنے کی کتنی شدید ممانعت ہے۔ مشرک سے راہ ورسم میل ملاقات رکھنے والا گویا مشرک ہے، کتنی وعید شدید ہے۔

۲۔ اس وعید شدید کے پیش نظر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ حال تھا کہ ان کی شرائطِ بیعت میں داخل تھا کہ مشرکین سے جدا اور دُور رہیں گے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے:

عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَعَلٰى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَفِيْ لفظ عَلٰى اَنْ نفارق الْمُشْرِكِيْنَ. (رواه النسائی)[۱]

نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، ہر مسلمان کی خیر خواہی اور مشرکین سے دُور، علیحدہ رہنے پر بیعت کی۔ (نسائی)

اسی طرح ایک دوسرے ارشاد میں اختلاط بالمشرکین کو کس شدید انداز میں روکا گیا۔

۳۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا بَرِیٌٔ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ لَا تترا ای نَارَا هُمَا. (رواه ابو داؤد)[۲]

۱؎ "ترجمان السنۃ" جلد دوم، حدیث نمبر ۷۸۱۔ ۲؎ "ترجمان السنۃ" جلد دوم، حدیث نمبر ۳۱۲۔

میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین میں گھس کر رہے۔ فرمایا: دونوں کو اتنے فاصلے پر رہنا چاہئے کہ ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔

حبرِ اُمت کا لائق تقلید طرزِ عمل: ان ارشاداتِ نبوت کے پیشِ نظر حضرات صحابہؓ مشرکین کے ساتھ میل جول اور خلط ملط سے شدید احتراز فرماتے تھے، حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس باب میں یہ حال تھا کہ اگر کسی ضرورت سے مشرک کے ساتھ مصافحہ کرنا پڑ جاتا تھا تو مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھوں کو دھو لیتے تھے، غَسلَ الْیَدَیْنِ بَعْدَ الْمُصَافحۃ بِالْمُشْرِکِ۔[1]

مگر آہ! آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ عموماً ان کے جو تعلقات و مراسم کفار و مشرکین کے ساتھ ہیں وہ مسلمانوں سے بھی نہیں۔

ظاہری شکل وصورت اور حجامت میں بھی مخالفت:

معاشرت اور باہم اختلاط میں مخالفت کے ساتھ ظاہری شکل وصورت اور چہرہ مہرہ تک میں بھی مشرکین کی مخالفت کا حکم ہے۔

۱۔ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا: صلی اللہ علیہ وسلم

خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ۔ (متفق علیہ)[2]

(اپنی معاشرت اور طور طریق میں بھی) مشرکین کا خلاف کرو۔ اپنی داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (بخاری ومسلم)

حتیٰ کہ لباس میں بھی کفار و مشرکین کی مخالفت کا حکم دیا گیا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن پر دو زرد رنگ کے کپڑے دیکھے تو فرمایا: یہ نہ پہنو، اِنَّ ھٰذہ مِن ثِیابِ الکفّار، یہ کفار (مشرکین) کا لباس ہیں۔ دوسری روایت میں ہے، میں نے عرض کیا: انہیں دھو ڈالوں۔ فرمایا: بَلْ اَحْرِقْھُمَا، نہیں بلکہ انہیں جلا ڈالو۔ (رواہ مسلم)[3]

---

[1] "فیض الباری" جلد اول، ص ۲۷۱ کتاب الوضو۔ [2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم، حدیث نمبر ۷۳۹۔

[3] "زجاجۃ المصابیح" جلد ۳ کتاب اللباس، "زجاجۃ المصابیح" "مشکوٰۃ المصابیح" کی طرز پر پانچ جلدوں میں احادیثِ رسول کا عظیم مجموعہ ہے۔ مؤلف حضرت مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحب حیدر آبادی ہیں۔

انداز ہ فرمایئے! شریعت کو کفار و مشرکین کے لباس تک سے کتنی شدید نفرت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس رنگ کپڑوں کو جلانے تک کا حکم دے رہے ہیں۔

عبادت میں بھی مخالفت:

شرک کے سدباب کے لیے نہ صرف مشرکین کے میل ملاپ، رہن سہن، شکل و صورت، وضع اور حجامت میں مخالفت کا حکم ہے، بلکہ عبادت کے باب میں بھی ان کی موافقت سے روکا گیا ہے۔ جو مشرکین کی عبادت کے اوقات ہیں ان میں مسلمان کو عبادت منع ہے۔ بروایت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا کیونکہ:

حِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ. (رواہ مسلم)[1]

اس وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

گو مسلمان نماز گزار کی نیت خدا کی عبادت کی ہے، غیر اللہ کی عبادت کا ایک مردِ مسلم کے نزدیک سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مگر جن اوقات میں کفار عبادت کرتے ہیں ان اوقات میں اللہ کی عبادت سے روک دیا گیا تاکہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کفار و مشرکین سے تشابہ پیدا نہ ہو۔

یہ شرک فی العبادت کی ہر اس رگ کو جڑ سے کاٹ دینے کی کامیاب و بہترین کوشش ہے، جس سے کفر و شرک کو زندگی اور تازگی ملنے کا امکان و احتمال تھا۔ جب مسلمان کی نماز اپنے مقصد و مدعا، اپنی نیت و ارادہ اور اپنی ہیئت و صورت میں کفار و مشرکین کی عبادت سے مختلف و ممتاز ہے تو اوقات میں ممتاز و مختلف کیوں نہ ہو۔

عبادت مشرکین کے محل و ظرف میں بھی منع ہے:

نہ صرف اوقات بلکہ جس محل و موقع پر مشرکین عبادت کرتے تھے، اس موقع اور محل پر مسلمانوں کو اللہ کی عبادت ممنوع ہے۔ چنانچہ عہدِ رسالت میں ایک شخص نے یہ منت مانی کہ وہ بُوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرے گا۔ وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق عرض کیا تو حضرت نے دریافت فرمایا، هل كان فيها وثن من اوثان الجاهلية يُعْبَدُ، کیا عہدِ جاہلیت کے بتوں میں سے وہاں کوئی بت تھا جو پوجا جاتا ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے

[1] "مشکوۃ المصابیح" باب اوقات النہی۔

عرض کیا: نہیں! پھر دریافت فرمایا: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ؟ کیا کفار کی عیدوں میں سے وہاں کوئی عید ہوتی تھی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ تو ارشاد فرمایا:

اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔[1]

تو اپنی نذر پوری کر لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر پوری کرنی جائز نہیں۔

نہ صرف یہ کہ جہاں غیر اللہ کی عبادت کی جاتی رہی ہو وہاں اللہ کی عبادت نہ کی جائے بلکہ جس جگہ کفار و مشرکین کے میلے ٹھیلے لگتے ہوں، کھیل تماشے ہوتے ہوں، وہاں بھی اللہ کی عبادت جائز نہیں، معصیت میں داخل ہے۔

گرجوں میں نماز جائز نہیں، بلکہ داخل ہونا بھی!

حضرات اجلّہ صحابہؓ کا تو یہ حال تھا کہ عیسائیوں کے گرجوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے، بلکہ داخل تک نہیں ہوتے تھے، کیونکہ ان گرجوں میں تصاویر ہوتی تھیں، اور تصویر دواعی شرک میں داخل ہے۔ اس لیے شرک کے سدباب کے طور پر سرے سے ان گرجوں ہی میں قدم رکھنے سے احتراز لازم ہے۔

۱۔ فاروقِ اعظم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ عیسائیوں کے گرجوں میں داخل نہ ہوتے تھے، انا لا نَدْخُلُ كنائِسَكُم من اجل التماثيل التي فيها الصُّور۔[2] کیوں کہ ان میں تصویریں ہوتی تھیں۔

۲۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسے گرجا میں نماز نہیں پڑھتے تھے جس میں تصویریں ہوں۔ يُصَلِّي فِي بِيْعَةٍ اِلَّا بِيْعَةً فِيْهَا تماثيل۔[3]

---

[1] "ابوداؤد" باب ما يؤمر به من وفاء النذر۔ [2] "صحیح بخاری" باب الصلوٰۃ فی البیعہ۔ [3] ایضاً

۶۔ غیر اللہ پر اعتماد کی ممانعت

اسلام، توکل علی اللہ سے عبارت ہے۔ مسلمان ہر حال میں ذاتِ باری تعالیٰ پر نگاہ رکھتا ہے۔ دُکھ سکھ میں اسی پر توکل کرتا ہے۔ اسلام غیر اللہ پر اعتماد و توکل کے ادنیٰ تصور کی بھی نفی اور بیخ کنی کرتا ہے۔ شریعتِ محمدیؐ اس باب میں بڑی حساس واقع ہوئی ہے اور وہ غیر اللہ پر اعتماد اور اس سے استمداد کی ادنیٰ سے ادنیٰ قدر کا سراغ لگا کر اس کی جڑیں تک کھود ڈالتی ہے۔ اس سلسلہ میں چند شواہد ملاحظہ ہوں؟

ا۔ اسباب سے اعراض:

یہ عالم، عالمِ اسباب ہے، عالمِ اسباب میں مسبب الاسباب ربّ العزت نے اشیاء میں اسباب و اثرات خود رکھ دیئے ہیں۔ مگر ان اسباب پر ہی تکیہ کر کے مؤثرِ حقیقی سے صرفِ نظر کرنا غلط ہے۔ شریعت نے اس سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے، اور بندوں کو یہ سبق دیا ہے کہ حالت و حادثات میں مؤثر حقیقی ذاتِ پاک ربّ العزت ہے اور ہر دُکھ، درد، تکلیف اور مصیبت میں اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

ا۔ ایک صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر مہرِ نبوت دیکھی تو اسے مرض گمان کر کے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس کا علاج کر دوں، فَاِنِّیْ طَبِیْبٌ، کیونکہ میں طبیب ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنْتَ رَفِیْقٌ وَاللّٰهُ الطَّبِیْبُ...... یعنی تم تو رفیق ہو...... طبیب تو اللہ ہے۔

دوسری روایت میں ہے ارشاد فرمایا:

طَبِیْبُهَا الَّذِیْ خَلَقَهَا یعنی جس نے اسے پیدا کیا اس کا طبیب وہی ہے۔ رواہ احمد[1]

''شرح السنۃ'' میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔[2]

اسلام اسباب کا منکر و مخالف نہیں، عالمِ اسباب میں بیماری کا کسی طبیب سے علاج کرانا جائز ہے، مگر شریعتِ محمدیؐ میں توحید کا اتنا بلند مقام ہے کہ ایک مردِ مومن کی نگاہ میں معالج کی حیثیت صرف ایک رفیق کی ہے۔ معالجِ حقیقی اور طبیبِ حقیقی صرف ذاتِ پاک باری تعالیٰ ہے۔

[1] ''ترجمان السنۃ'' جلد دوم، حدیث نمبر ۷۲۵۔ [2] ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب القصاص

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک تعلیم توحید کا صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ اثر تھا کہ ابن سعد اور ابن ابی الدنیا کی روایت کے مطابق مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول اللہ! ارشاد ہو تو ہم طبیب کو بلالیں، وہ آپ کو دیکھ لے۔ فرمایا: نہیں، وہ مجھے دیکھ چکا ہے۔ عرض کیا: پھر اس نے کیا کہا؟ فرمایا: قَالَ اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ. اس نے کہا ہے میں جو ارادہ کر لیتا ہوں اسے کر کے رہتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۶۰)

حافظ ابن کثیرؒ نے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے مرضِ وفات میں فرمایا: آپ کے لیے کسی طبیب کو نہ بلالیں؟ فرمایا: الطبیب امرضنی، یعنی طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔ (البدایہ والنھایہ) [۱]

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین صادقین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ مرض و شفا کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ دواؤں میں تاثیر ہے مگر یہ تاثیر اسی ذاتِ پاک نے رکھی ہے۔ مؤثر حقیقی وہی ایک اللہ ہے۔ درحقیقت شفا وہی عطاء فرماتا ہے جو بیمار ڈالتا ہے۔ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ.

۲۔ منتر جنتر، ٹونے ٹوٹکوں وغیرہ کی ممانعت:

شریعت نے منتر جنتر، ٹونوں ٹوٹکوں کو اسی لیے سختی سے منع کیا ہے بلکہ شرک تک سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ یہ توکل علی اللہ کے منافی ہیں۔

۱۔ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا:

میری اُمت سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔

هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ.

(متفق علیہ) [۲]

یہ وہ ہوں گے جو نہ تو منتر کرتے ہیں، نہ بدشگون لیتے ہیں، بلکہ اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضرت) عبداللہ (بن مسعود) نے میری گردن میں ایک تاگا بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ میں نے

---

۱ "ترجمان السنۃ" جلد دوم حاشیہ حدیث نمبر ۷۲۵۔

۲ "مشکوٰۃ المصابیح" باب التوکل والصبر۔

کہا: منتر پڑھا ہوا دھاگہ (گنڈا) ہے، فَقَطَعَهُ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر توڑ ڈالا، اور فرمایا: تم عبداللہ کی گھر والی ہو، لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ، تمہیں تو شرک ساتھ بے نیاز ہونا چاہئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے:

اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتوِلَةَ شِرْكٌ.....

منتر، منکے اور ٹونے ٹوٹکے یہ سب شرک کی باتیں ہیں۔

تمہیں یہی کافی ہے کہ (بیماری کے وقت) وہ کلمات پڑھ لیا کرو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

اَذهب الباسَ رَبَّ النَّاسِ واشف اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ كَ شَفَاءً لَا يُغَادِرُ سقما. (ابوداؤد)[1]

لوگوں کے پروردگار! بیماری دُور فرما، اور شفا عطاء فرما، کیونکہ شافی صرف تو ہے، درحقیقت شفا تو صرف تیری ذات سے ہے۔ ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری کا نام و نشان نہ رہے۔

بجائے ان منتروں، جنتروں، ٹونے ٹوٹکوں کے اللہ ربّ العزت ربّ الناس سے شفا طلب کی جائے، اور نگاہ اسی کی ذات اور قدرت کاملہ پر رہے۔

یاد رہے منتر صرف وہی شرک ہے جس میں شرکیہ کلمات ہوں۔ اگر کلامِ الٰہی پڑھا جائے یا اسماء الٰہی کا ورد کیا جائے تو اس کی برکت و تاثیر میں کوئی کلام نہیں۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عہدِ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو فرمایا: (پڑھ کر) مجھے سناؤ، اگر ان میں شرک (کا کوئی کلمہ) نہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، لَا باس بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ. (رواہ مسلم)[2]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ رُقیہ یعنی منتر جائز ہے جبکہ تین شرطیں جمع ہوں۔ اوّل یہ کہ رُقیہ کلام اللہ یا اسماء یا صفاتِ خداوندی کے ساتھ کیا جائے۔ دوم یہ کہ زبان عربی میں ہو یا ایسی زبان میں کہ اس کے معنی معلوم ہوں۔

---

1 ''مشکوٰۃ المصابیح'' کتاب الطب والرقی۔

2 ''ترجمان السنۃ'' جلد دوم، حدیث ۷۹۳۔

سوم یہ کہ اعتقاد یہ ہو کہ رقیہ بذاتِ خود مؤثر نہیں ہے بلکہ تقدیرِ الٰہی سے اثر کرتا ہے۔

(حاشیہ مؤطا مالکؒ، ص ۷۴۴)

امام محمد رحمہ اللہ نے مؤطا (محمد) میں لکھا ہے کہ:

آیات و الفاظِ قرآنی اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ رقیہ میں کوئی حرج نہیں (لا بـاس)، لیکن اگر منتر ایسی زبان میں ہو کہ نہ سمجھی جائے تو پھر منتر ٹھیک نہیں، فلا ینبغی ان یرقی۔[1]

قرآنی آیات اور سورتوں سے تعوذ:

۱۔ بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو مُعَوِّذات (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ..... اور سورہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب آپ کی تکلیف شدید ہوگئی تو میں آپ پر ان سورتوں کو پڑھتی اور برکت کے لیے آپ کا دایاں ہاتھ پکڑ کر آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی۔[2]

۲۔ بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک رات بچھو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ کی انگلی پر کاٹ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انگلی پاک پر ہاتھ پھیرتے تھے اور معوذتین کے ساتھ تعوذ فرماتے تھے، یَمْسَحها و یُعَوِّذُ بِالْمُعَوِّذَتین[3] یعنی قرآن کریم کی آخری دونوں سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں (کے شر) سے اور انسان کی نظر (بد) سے (اللہ کی) پناہ مانگتے تھے، یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں۔ جب یہ نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پڑھتے تھے، اور ان کے ماسوا سب چھوڑ دیا، اَخَذَ بِهِمَا وَتَرَکَ مَا سِوَاهُمَا. (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)[4]

۱۔ ''زجاجۃ المصابیح'' جلد ۳ کتاب الطب والرقی۔

۲۔ ''مؤطا امام مالکؒ'' باب التعوذ والرُّقیۃ من المرض.

۳۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، ''زجاجۃ المصابیح'' جلد ۳ کتاب الطب والرقی۔

۴۔ ایضاً ''زجاجۃ المصابیح''۔

۳۔ بدفالی لینا بھی حرام ہے:

بدفالی لینے کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ شرک فرمایا گیا ہے کیونکہ اس میں بھی بعض پیش آمدہ کردار کو حوادث میں مؤثر سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ مؤثر صرف اللہ کی ذات ہے۔

۱۔ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرمایا:

اَلطِّیرۃُ شِرْکٌ قَالَہٗ ثَلَاثًا. (رواہ ابوداؤد والترمذی)[1]

بدفالی لینا شرک ہے اور یہ تین بار فرمایا۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا، اور آپؐ اس کے لیے برکت کی دعا فرمادیتیں۔ ایک دفعہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے اس کے تکیہ کے نیچے ایک استرا دیکھا۔ دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا: یہ ہم (جنات کے شر سے بچانے) کے لیے بچوں کے ساتھ رکھ دیتے ہیں۔

فَاَخَذَتِ الْمُوْسٰی فَرَمَتْ بِھَا. آپؐ نے اُسترا اُٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے انہیں منع کیا، اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹونوں ٹوٹکوں کو ناپسند فرماتے تھے، بلکہ ان سے بغض رکھتے تھے، کَانَ یَکْرَہُ الطیرۃ ویبغضھا۔[2]

۴۔ اگر مگر شیطانی عمل ہے:

شرک کی جڑیں بہت دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انسانی زندگی کے بعید ترین گوشوں تک اس کی رسائی ہے اور اس کی چال اندھیری رات میں پتھر پر چیونٹی کی چال سے زیادہ خفی ولطیف ہے، لہٰذا انسان کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ شریعتِ محمدی کا انسانیت پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے فتنہ شرک کی باریکیوں سے پردہ اُٹھا کر انسان کو اس سے متنبہ وآگاہ کردیا ہے۔

امام المفسرین حبرِ اُمت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ (فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا) کی تفسیر میں ابن ابی حاتم سے منقول ہے، فرمایا:

> انداد شرک ہے اور شرک اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ خفی ہے، اور یہ کہنا کہ وَاللّٰہِ وَحَیَاتِکَ یعنی اللہ کی اور تیری زندگی کی قسم!
> اور کہنا، لَوْ لَا کَلْبَۃٌ ھٰذَا لَاَتَانَا اللصوص البارحۃ ولو لا البطُ فِی الدَّارِ

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الفال والطیرہ۔

[2] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۷۹۵ بحوالہ ادب المفرد امام بخاری۔

لاتی اللصوص. اگر یہ کتیانہ ہوتی تو رات کو چور گھس آتے اور یہ کہنا کہ اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چور گھس آتے۔ اور کسی شخص کا اپنے ساتھی سے یہ کہنا کہ ما شاء اللّٰہ وشئتَ. یعنی جو اللہ چاہے اور تو چاہے (تو وہی ہوگا)، یا کسی کا یہ کہنا کہ: لَوْ لَا اللّٰہُ وَفُلَانٌ لَا تجعل فیھا فلانٌ. ھذا کلہ بہ شرک[1] اگر اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں شخص یہ کام نہ کرتا۔ یہ سب شرک کی باتیں ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ انسان کی نگاہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر رہنی چاہئے۔ اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ اسی کی قدرت پر اعتماد کرنا چاہئے۔ جو ہوتا ہے اسی کے حکم اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ زمام کار اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور کسی کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجِزْ وَاِنْ اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اِنِّیْ فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَکَذَا وَلٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰہُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ. (رواہ مسلم)[2]

نفع مند کاموں پر حرص کر، اور اللہ کی ذات سے مدد طلب کر، طلبِ اعانت سے عاجز نہ ہو۔ اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو یوں نہ کہو "اگر میں یہ کرتا تو اس طرح ہوتا، اس طرح ہوتا" بلکہ یوں کہو "اللہ نے یہی مقدر کیا تھا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے" اس لیے کہ اگر (مگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔

۵۔ سوال کرنے سے منع فرمادیا:

انسان کا انسان سے سوال کرنا بظاہر بارگاہِ الٰہی سے اعراض اور توجہ الی العبد ہے۔ اس لیے شریعتِ محمدیؐ کو اس سے بھی نفرت ہے۔

۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر صدقہ اور سوال سے بچنے کے سلسلہ میں فرمایا:

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَالْیَدُ الْعُلْیَا ھِیَ الْمُنْفِقَۃُ وَالسُّفْلٰی ھِیَ السَّائِلَۃُ. (متفق علیہ)[3]

---

[1] تفسیر "ابن کثیر" تفسیر آیت فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا۔ [2] "مشکوٰۃ المصابیح" باب التوکل والصبر۔

[3] "مشکوٰۃ المصابیح" باب من لا تحل لہ المسئلۃ۔

اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا سوال کرنے والا ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم) مؤطا مالکؒ میں بھی یہ حدیث مروی ہے

۲۔ آپ ہی سے روایت ہے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں سے سوال کرے گا قیامت کے اس کے منہ پر گوشت کا ذرّہ بھی نہیں ہوگا۔ لَیْسَ فِی وَجْهِہٖ مُضْغَةُ لَحْمٍ. (متفق علیہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم) مقصد یہ ہے کہ اس کی ذلت اور رسوائی کے لیے اس کے منہ کا گوشت نوچ لیا جائے گا۔

لوگوں سے سوال نہ کرنے کی یہ تاکید محض اس لیے ہے کہ بندے نے اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے آگے کیوں اپنی ضرورت وحاجت پیش کی۔

۳۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حج کے دن ایک شخص کو لوگوں سے سوال کرتے دیکھا تو فرمایا:

اَفِیْ هٰذَا الْیَوْمِ وَفِیْ هٰذَا المکان تَسْأَلُ مِنْ غَیْرِ اللّٰهِ فَخفقهٗ بِالدُّرةِ.

(رواہ رزین)[۲]

ایسے (عظیم) دن اور ایسی (مبارک) جگہ تو غیر اللہ سے سوال کرتا ہے۔ پس اسے دُرّہ سے مارا۔ (رزین)

۴۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا: مجھے کون اس کی ضمانت دیتا ہے ان لا یسال الناس شیئًا کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرے گا، فاتکفلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں (یا رسول اللہ!) چنانچہ وہ کسی سے بھی کوئی چیز نہیں مانگتے تھے۔ (ابوداؤد ونسائی)[۳]

۵۔ اس بارے میں اللہ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک شدت فرمائی کہ (حضرت) ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے عہد لیا، اَنْ لا تسئَلَ النَّاسَ شَیْئًا، کہ لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگے گا۔ جب انہوں نے تسلیم کر لیا تو فرمایا:

وَلَا سَوْطَکَ اِنْ سَقَطَ مِنْکَ حَتّٰی تنزلَ اِلَیْهِ فَتَاْخذهٗ. (رواہ احمد)[۴]

اگر تیرا کوڑا گر جائے تو تُو سواری سے اُتر کر اسے اُٹھائے گا (کسی کو نہیں کہے گا کہ یہ مجھے اُٹھا دو)

---

[۱] ''مشکوٰۃ المصابیح'' باب من لاتحل لہ المسئلہ۔ [۲] ایضاً۔ [۳] ایضاً۔ [۴] ایضاً۔

۶۔ اگر انسان بھوکا ہو، حاجت مند ہو تو بھی اسے اللہ پر توکل کر کے لوگوں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے احتراز واجب ہے۔ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ جَاعَ اَوْ احتاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَرْزُقَهُ سنة مِنْ حَلَالٍ. (رواه البيهقی)[1]

جو شخص بھوکا ہو یا حاجت مند ہو اور اپنی ضرورت کو لوگوں سے چھپائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے سال بھر کا رزقِ حلال دے دیں گے۔

آثار و تبرکات سے بے اعتنائی:

اسلاف کے آثار و تبرکات سے شغف و انہماک بعض دفعہ شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے شریعتِ محمدیؐ نے ان سے بے اعتنائی فرمائی ہے۔

سیرتِ فاروقی کا شاہکار، شجرۂ بیعۃ الرضوان کٹوا دیا:

محسنِ اُمت، فاروقِ اعظم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف موقعوں پر شرک کی رگِ گردن کاٹ کر رکھ دی۔ آپ کی اسی سیرت کا شاہکار ملاحظہ ہو:

۱۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰ھ) اپنی سند سے روایت کرتے ہیں،

حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَ الشَّجَرَةَ الَّتِىْ يُقَالُ لَهَا شَجَرَةُ الرِّضْوَانِ فَيُصَلُّوْنَ عِنْدَهَا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عُمَرَ بن الْخَطَّابِ فَاَوْعَدَهُمْ فِيْهَا وَاَمَرَ بِهَا فَقُطِعَتْ.[2]

لوگ "شجرۃ الرضوان" کے پاس (یعنی اس درخت کے پاس جس کے نیچے صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعتِ رضوان لی تھی) آ کر نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا، اور اس درخت کو کاٹ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ کاٹ دیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس (درخت کے کاٹ دینے) میں حکمت یہ تھی کہ لوگ فتنہ سے محفوظ رہیں، جہاں اس کی تعظیم میں حد سے بڑھ کر اسے نفع نقصان کا

---

[1] "مشکوٰۃ المصابیح" باب فضل الفقراء۔

[2] "طبقات ابن سعد" مطبوعہ بیروت جلد ۲، ص ۱۰۰، غزوۂ حدیبیہ۔

مالک نہ سمجھنے لگیں۔[1]

۲۔ حضرت طارق بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں حج کو گیا۔ ایسے لوگوں پر میرا گزر ہوا کہ ایک جگہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا: یہ مسجد کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا:

هٰذِهِ الشَّجَرَةُ حَيْثُ بَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بيعة الرِّضْوَانِ

یہ وہ درخت ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے بیعت الرضوان لی تھی۔

میں سعید بن المسیب کے پاس آیا، اور انہیں اس کی خبر دی۔ (حضرت) سعید بن المسیب نے کہا: مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں تھا۔ جب ہم اگلے سال نکلے تو اس درخت کو نہ پہچان سکے، ہم اسے بھول گئے۔ (حضرت) سعید بن المسیب نے فرمایا کہ اصحابِ محمدؐ تو اس درخت کو نہ جانتے تھے اور تم جانتے ہو تو تم اصحاب رسولؐ سے زیادہ عالم ہو گئے، اِنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمُوْهَا وَعَلِمْتُمُوْهَا اَنْتُمْ فَاَنْتُمْ اَعْلَمُ.[2]

اس روایت میں تو نَسِيْنَاهَا فَلَمْ نَقْدِر عَلَيْهَا کے الفاظ ہیں، یعنی ہم اسے بھول گئے، ہمیں اسے جاننے پر قدرت نہ رہی، اور اگلی روایت میں ہے: ہم نے اگلے سال اس درخت کی طرف رجوع کیا، فَعُمِيَتْ عَلَيْنَا[3] یعنی وہ ہمیں نظر نہ آیا، ہم پر مشتبہ ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے وہاں بہت سے درخت تھے اور پتہ نہ چل سکا کہ وہ کون سا درخت تھا جس کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان لی تھی۔

۳۔ حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ قَوْمٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِاَعْوَامٍ فَمَا عَرَفَ اَحَدٌ مِنْهُمُ الشَّجَرَةَ وَاخْتَلَفُوْا فِيْهَا قَالَ ابن عُمَرَ كَانَتْ رَحْمَةً مِنَ اللّٰهِ.[4]

اس واقعہ کے چند سال بعد اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت اس

---

[1] "فتح الباری" شرح بخاری جلد ۶، ص ۷۳ کتاب الجہاد باب البیعۃ فی الحرب۔

[2] "صحیح بخاری" باب غزوۃ الحدیبیۃ "طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۹۹ غزوہ حدیبیہ۔

[3] "صحیح بخاری" ایضاً۔ [4] "طبقات ابن سعد" جلد ۲، ص ۱۰۵، غزوۂ حدیبیہ۔

طرف آئی تو ان میں سے کسی ایک نے بھی اس درخت کو نہ پہچانا، اس کے بارے سب باہم مختلف ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "یہ سب اللہ کی رحمت تھی"

یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی درخت پر متفق نہ ہونا، اس درخت کا سب پر مشتبہ ہو جانا اور کسی ایک صحابیٔ رسولؐ کا بھی اس درخت کو پہچان کر متعین نہ کرنا یہ سب اللہ کی رحمت تھی کہ اللہ نے خلقِ خدا کو ایک ایسے فتنے سے بچالیا جو آگے چل کر فسادِ عقیدہ کا موجب بن سکتا تھا، اور شرک کا باعث ہو سکتا تھا۔

آثارِ اسلاف: جس مبارک درخت کے نیچے امام الرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لی، جسے قرآنِ کریم میں رضاء الٰہی کی بشارت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا، اور خود اس درخت کو بھی وحی الٰہی میں جگہ ملی، لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح) جب اس مبارک و مقدس درخت...... اس اہم اثرِ نبویؐ..... کو بے نام و نشان کر دیا گیا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو رحمتِ الٰہی کا کرشمہ سمجھتے ہیں، پھر جس درخت کے متعلق لوگوں کا ظنِ غالب تھا کہ یہی وہ مبارک شجرہ ہے اور وہاں عہدِ صحابہؓ عہدِ فاروقی میں لوگ جمع ہو کر نمازیں پڑھنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے خوف سے اسے کٹوا دیا۔

اس ساری حقیقت کے بعد کیا اسلاف کے مبینہ آثار اور بزرگوں کے مزعومہ تبرکات کی دین میں کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ اگر بزرگانِ دین کے آثار و تبرکات کا دین میں کوئی مقام ہے تو اثرِ نبوت شجرۂ بیعت کا کیا قصور تھا؟ پھر خیر القرون عہدِ صحابہؓ میں فتنہ کا خوف اور ڈر تھا اور آج کا زمانہ فتنہ سے بالکل محفوظ و مامون ہے؟

حد ہو گئی: دوسرے احتیاطی اور انسدادی امور و اقدامات کے علاوہ شرک کا ایک عجیب و غریب سدِ ذریعہ ملاحظہ ہو:

بروایت ابو الملیح رضی اللہ عنہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ لِلّٰهِ شَرِيْكٌ فَاَجَازَ عِتْقَهُ. (رواہ ابو داؤد)[1]

---

[1] "ترجمان السنۃ" جلد دوم حدیث نمبر ۷۰۰۔

اللہ کا کوئی شریک نہیں، اور (پورے) غلام کی آزادی کا حکم دے دیا۔ (ابوداؤد)

شرک سے شریعتِ محمدیؐ کی نفرت کا کمال ہے کہ شرک کا تصور اور لفظ تک برداشت نہیں۔ غلام کا ایک حصہ آزاد کرنے کی صورت میں یہ خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ اس غلام کی مالکیت میں خدا اور وہ شخص شریک بن گئے۔ اسلام اس شرکت کا تحمل بھی نہ کرسکا، اور پورا غلام آزاد کردیا گیا۔

فتنۂ وطنیت: عہدِ حاضر کا ایک نیا بُت، ایک تازہ خدا، بہت بڑا بت اور سب سے بڑا خدا وطن ہے۔ اقبال رحمہ اللہ نے سچ کہا ہے ۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

وطن پرستی، دین کی موت ہے، مگر آج مسلمان ہوں یا کافر، عموماً سب اس نئے خدا کی پوجا پاٹ میں مست اور مگن ہیں۔ اسلام نے نسل ونسب، رنگ اور لون، قوم اور وطن کے سب بت پاش پاش کرڈالے تھے۔ مسلمان ان سب الوان و امتیازات سے وراء الوراء صرف دینِ حنیف کے صبغۃ اللہ میں رنگے گئے تھے ۔

ملّت از یک رنگیٔ دلہاستے	روزن از یک جلوہ ایں سیناستے
اصل ملّت در وطن دیدن کہ چہ	یعنی آب و گِل پرستیدن کہ چہ

مگر آج دوسری جاہل اقوام کے ساتھ عموماً مسلمان بھی آب و گِل کی پرستش میں محو ومنہمک ہیں۔

قزمان نے غزوہ اُحد میں سخت لڑائی لڑی، سات آٹھ مشرکین کو تنہا قتل کیا، مگر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہنمی فرمایا۔ کیونکہ اس نے یہ لڑائی محض اپنی قوم کی نام آوری کے لیے لڑی تھی۔[1] اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خود اپنی زبان سے اقرار کیا مَا قَاتلنا اِلَّا علی الاحساب۔[2]

''احساب'' ''حسب'' کی جمع ہے، حسب کے معنی ہیں خاندانی شرافت، آباء واجداد کے محاسن و مفاخر (المنجد)۔ جو اپنی قوم اور اپنے خاندان کی عظمت و افتخار کے لیے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اور پھر نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑے وہ تو جہنمی، اور جو محض اپنے وطن کے غلبہ وتسلط کے لیے لڑے، وہ......؟ حقیقت یہ ہے کہ لڑائی صرف اللہ کی رضاء، اعلاء کلمۃ اللہ، اور دینِ حق کی حفاظت واشاعت کے لیے لڑی جائے۔

---

[1] ''حیاۃ الصحابہؓ'' اردو حصہ سوم ص۵۳۴ بحوالہ ''البدایہ والنہایہ'' جلد۴۔

[2] اصابہ لابن حجر عسقلانی ''ترجمہ'' ''قزمان''۔

وطن کی حفاظت و پاسبانی کے لیے بھی لڑائی لازمی ہے۔ مگر بایں غرض و نیت! کہ اس سے دشمنانِ دین کی مدافعت اور ان کی دستبرد سے مسلمانوں کے دین و ایمان، ان کی ناموس و آبرو اور جان و مال کی حفاظت ہوگی۔ وطن کی سرحدوں کی حفاظت و حراست جہادِ عظیم ہے اور موجبِ اجرِ عظیم!...... مگر بایں فکر و نظر کہ وطن دین و اہلِ دین کا حصن حصین ہے، ظرف و محل ہے، دارالاسلام ہے۔ ورنہ مطلق وطن تو ایک بت ہے، بہت بڑا بت!

حرفِ آخر: اسلام نے جس اہتمام کے ساتھ شرک کی بیخ کنی کی تھی اور شریعتِ محمدیؐ نے جس شغف و انہماک کے ساتھ ذرائع شرک کا اِنسداد و سد باب کیا تھا، اور جہاں سے شرک کے رُونما ہونے کا خطرہ بلکہ واہمہ بھی تھا، اس رخنہ و سوراخ کو پوری قوت سے بند کر دیا تھا، حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ عامۃ المسلمین نے اس کے سولہ آنے خلاف شرک کو اپنانے کی کوشش کی اور اپنی ساری زندگی کے پورے طول و عرض پر شرک کو چھا جانے کی اجازت دے دی۔ کتاب و سنت کو شرک سے جتنا بغض و نفرت ہے، بلکہ چڑ ہے، آج مدعیانِ توحید کو اس سے اتنا پیار ہے، محبت ہے، بلکہ عشق ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ٥

ربّ العزت اپنی رحمت و قدرت سے ہمیں شرک کی لعنت سے محفوظ رکھے۔ ہمیں اپنی پوری زندگی کے ہر گوشے کونے میں شرک کی نجاست سے تطہیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ہمیں پہلے توحید کے صحیح تصور کی سمجھ عطاء فرمائے پھر اسے اپنانے کی توفیق بخشے، اور ہمارا خاتمہ توحید کے کلمۂ طیبہ پر ہو۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) آمین یاربّ العالمین۔
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ خُصُوْصًا علٰی عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ.

محتاجِ رحمت و اُمیدوارِ شفاعت

نورالحسن بخاری

قدیر آباد، ملتان شہر

ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ